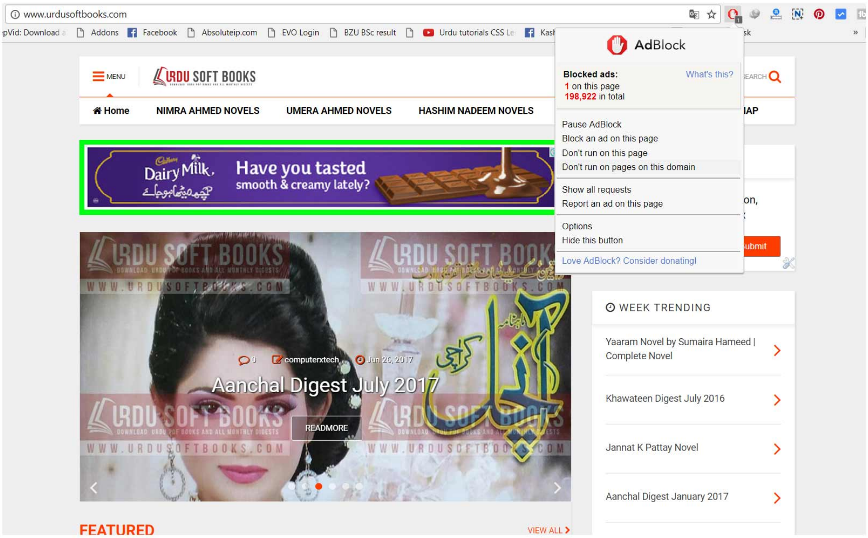


ماہنامہ
آنچل کراچی
عید سعید
PDF
Aanchal Digest July 2018
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

معزز قارئین آپ سے التماس ہے www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے لیے مسلسل اچھی اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے ۔اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox کی Adblocker Extension کو Pause کردیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے Pause کردیں۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ Adblocker کے Pause ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات **Green Box** والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔



ماہنامہ آنچل کراچی

جلد نمبر	40
شمارہ نمبر	04
جولائی	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

/Naeyufaq Aanchal & Hijab official group

/women.magazine

فہرست

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانہ

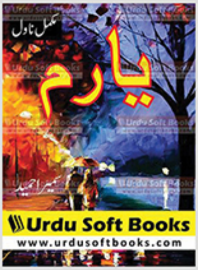
پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔74400



سرورق: ماہ وش ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

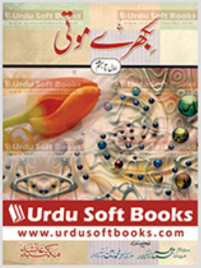
خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk



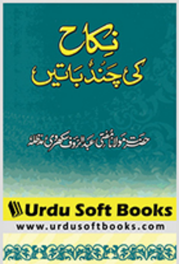
مکمل ناول
یارم
سمیرا حمید
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



خواتین
کا
فقہی انسائیکلوپیڈیا
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



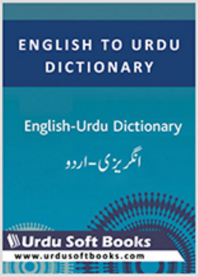
بکھرے موتی
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



نکاح
کی چند باتیں
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



انوکھے مہمان
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



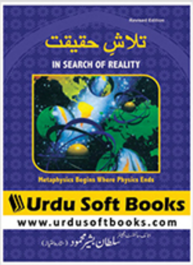
ENGLISH TO URDU
DICTIONARY
English-Urdu Dictionary
انگریزی - اردو
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



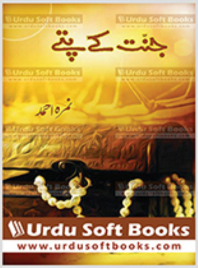
فاریکس ٹریڈنگ
اردو بک
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



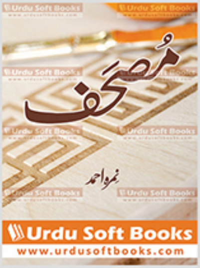
جو چلے تو جاں سے گزر گئے
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



تلاشِ حقیقت
IN SEARCH OF REALITY
Metaphysics Begins Where Physics Ends
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



جنت کے پتے
نمرہ احمد
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



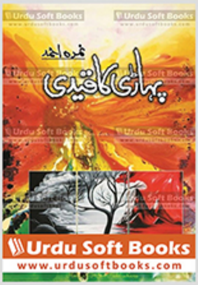
مُصحف
نمرہ احمد
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



سانس ساکن تھی
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



پارس
نمرہ احمد
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



نمرہ احمد
پہاڑی کا قیدی
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



ایمان کا سفر
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com



کچرا گھر
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔
(ابن ماجہ 2417)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
جولائی ۲۰۱۸ء کا آنچل بطور عید نمبر حاضرِ مطالعہ ہے۔

ادارے کی جانب سے آپ سب کو عید مبارک۔ اللہ سبحان وتعالیٰ تمام آنچل وحجاب بہنوں کو بہت ساری خوشیوں سے نوازے سب کا دامن اپنی رحمتوں، نعمتوں سے مالا مال فرمادے آمین۔

میں امید کرتی ہوں کہ آپ بہنوں نے رمضان مبارک میں خوب عبادتِ الٰہی کی ہوگی اپنے والدین اور تمام متعلقین کے لیے بہت ساری دعائیں کی ہوں گی‘ کیا ان دعاؤں میں اپنی اس بہن کو بھی یاد کیا تھا؟ میں ان تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے رمضان کے روزوں میں مجھے یاد رکھا اور اپنی دعاؤں سے نوازا‘ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب بہنوں کی دلی مرادیں‘ نیک خواہشات پوری فرمائے، آمین۔ آنچل کا یہ شمارہ عید نمبر کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آپ کے ذوق اور معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں ہمیشہ کی طرح آپ کے محبتوں بھرے اظہار کا انتظار رہے گا آپ کی آرا ہمیں ہماری کوتاہیوں‘ غلطیوں سے آگاہ کرتی ہیں آپ کی آرا کی روشنی ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔

میں اور ادارۂ آنچل وحجاب آپ سب بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے بلاتامل قیمت میں اس اضافہ کو قبول کیا ورنہ ایسے حالات میں جبکہ ڈالر کا ریٹ ایک سو بیس روپے پہنچ گیا ہے کاغذ جو پہلے اسی روپے کلو مل رہا تھا اب ایک سو پچیس روپے کلو ہوگیا ہے بہرحال آپ سب کا شکریہ ادارے نے ہمیشہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہی فیصلے کیے ہیں۔

آیئے اب آنچل عید نمبر کی جانب جو رنگا رنگ تحریروں سے سجا ایک خوب صورت گلدستے کی مانند آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس ماہ کے ستارے

رابعہ افتخار‘ یاسمین نشاط‘ طلعت نظامی‘ نزہت جبین ضیاء‘ نادیہ احمد‘ صائمہ قریشی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا

حمد

لائق حمد تری ذات کہ محمود ہے تو
لائق سجدہ تری ذات کہ مسجود ہے تو
انکساری مرا مقسوم کہ بندہ ہوں میں
خود نمائی ترا دستور کہ معبود ہے تو
بعد اتنا کہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تو
ہے وراء حد تعین سے تری ذات قدیم
کون کہتا ہے کسی سمت میں محدود ہے تو
حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے
اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہور ہے تو
میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں
تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تو
ایک اعظم ہی نہیں عاشق ناچیز ترا
سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تو

جناب محمد اعظم چشتی

نعت

تابندہ مقدر کا ستارہ نظر آئے
جب آنکھ اٹھے گنبدِ خضرا نظر آئے
ان آنکھوں کا ورنہ کوئی مصروف ہی نہیں ہے
سرکارﷺ تمہارا رخ زیبا نظر آئے
تم اس کے طرفدار ہو تم اس کے مددگار
جو تم کو نکمے سے نکما نظر آئے
یہ عز و شرف اور کسی کو نہیں حاصل
بالا نہیں بالا سے بھی بالا نظر آئے
اللہ کے ہر وصف کو پایا ہے مجسم
سرکارﷺ دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے
ایسی بھی سحر مجھ کو وقار آئے میسر
اک اک سے کہوں میں شہِ بطحا نظر آئے

جناب وقار صدیقی اجمیری

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

در جواب آں

مدیرہ

اقبال بانو..... وہاڑی

پیاری بہن! سدا سہاگن رہو' آپ کی دو خوبصورت کتابیں ہمارے سامنے ہیں۔ خوب صورت سرورق اور بہترین انداز بے حد جاذب نظر لگے اور پسند آئے' ویسے بھی آپ کے پڑھنے والے ہمیشہ آپ کو یاد رکھتے ہیں اور کتابی صورت میں یہ اضافہ بے حد خوشگوار ہوگا۔ علم وادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے آپ کی یہ دونوں کتابیں گراں قدر سرمایہ ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ اسی طرح شہرت وکامیابی کی منازل طے کرتی جائیں اور آپ کا نام آسمان ادب کے روشن ستاروں میں ہمیشہ جگمگائے' آمین۔

نزہت جبیں ضیاء..... کراچی

عزیزی نزہت! سدا سہاگن رہو' آپ کی جانب سے ارسال کردہ تحفہ کتابی صورت میں موصول ہوا۔ ''محبت اب بھی باقی ہے'' کے عنوان سے یہ کتاب اپنے خوب صورت سرورق کے حوالے سے بھی بے حد پسند آئی۔ اس میں شامل ہونے والے ناول بھی آنچل وحجاب کی زینت بن کر قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کرچکے ہیں۔ امید ہے یہ کتاب بھی اسی طرح شہرت دوام حاصل کرے گی۔ آپ کی پہلی کتاب کی صورت میں آپ کا دیرینہ خواب پورا ہوا' بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے' آمین۔

ندا افتخار..... چشتیاں

ڈیئر ندا! سدا مسکراؤ' آپ کی نگارشات موصول ہوگئی ہیں لیکن عید نمبر کے لیے آنچل پہلے سے مکمل ہوگیا تھا اور آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آنچل میں شائع ہونے سے محروم رہیں' اس لیے حجاب کے عید نمبر میں شامل کرلیں گے۔ آپ وہاں اپنی نگارشات دیکھ سکتی ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انعم خان..... آسٹریلیا

عزیزی انعم! سدا سہاگن رہو' آپ کی تحریر کا تبصرہ آئینہ میں شامل نہ ہوسکا اور یہ تبصرہ دیگر مصنفین کی تحریروں پر بھی نہ تھا وجہ یہ رہی کہ سالگرہ نمبر کے لیے پورے سال کے مکمل اور جامع تبصرے کا کہا گیا تھا جس میں تمام بارہ پرچوں کا تبصرہ شامل تھا اسی وجہ سے قارئین نے اس بات کو مدنظر رکھ کر موجودہ پرچے کو اپنے تبصروں میں شامل نہیں کیا' بہرحال یہ سالگرہ نمبر تک ہی محدود تھا اور جہاں تک آپ کی تحریر پر قارئین کی رائے کا سوال ہے تو ہم بتادیتے ہیں کہ آپ کی تحریر کافی پسند کی گئی اور ویسے بھی قارئین آپ کو پسند کرتے اور آپ کی تحریریں پڑھنا چاہتے ہیں۔ دیگر تحریریں پڑھنے کے بعد جلد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

سیما بنت عاصم..... کراچی

عزیزی سیما! سدا آباد رہو' عید کے حوالے سے لکھا آپ کا ناولٹ جلد شامل کرلیں گے۔ جبکہ نو قسطوں پر مشتمل دوسرے قسط وار ناول کے لیے یہی کہیں گے کہ جیسے ہی گنجائش بنے گی آنچل یا حجاب میں لگادیں گے۔ فی الحال قسط وار کے لیے جگہ بنانا مشکل ہے۔ البتہ جیسے ہی کوئی تحریر اپنے اختتامی مراحل پر آئے گی تو ضرور آپ کو شامل کرلیں گے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عاصمہ بی..... طور جہلم

ڈیئر عاصمہ! سدا خوش رہو' آپ کے تعارف موصول ہوگیا ہیں اور کوشش کریں گے کہ تینوں دوستوں کے ایک ساتھ ہی تعارف شائع کردیں' بس اب باری آنے کا انتظار کریں۔ ان شاء اللہ جلد حجاب یا آنچل کے صفحات کی زینت بن جائیں گے۔ آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔ آپ کی تحریر ''میرے نصیب کا چاند'' ناقابل اشاعت ٹھہری' وجہ انداز تحریر کمزور تھا۔ جب کہ دوسری تحریر پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

یاسمین کنول..... پسرور

عزیزی یاسمین! جیتی رہو' سالگرہ نمبر کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔ کوشش تو ہر بار ہی ہوتی ہے کہ پرچا آپ کے ذوق اور معیار کے مطابق ہو لیکن ہر مصنفہ کا ایک الگ

انداز اور مزاج ہوتا ہے اور اسی طرح ہر پڑھنے والے کا بھی اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ بہر حال ہمارے لکھاری آپ کے دل تک اترنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں یہ خوش آئندہ بات ہے۔ صدف آصف تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔ آپ کو بھی عید کی مبارک باد۔

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

پیاری مدیحہ! جگ جگ جیو‘ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ سالگرہ نمبر آپ کو پسند آیا اور پرچہ آپ کو سو روپے کا پڑجاتا ہے وجہ آپ کے بھائی کا باقی پیسے اپنی جیب میں رکھنا ہے‘ بہرحال بہن بھائی میں ایسا ہنسی مذاق تو عموماً نظر آتا ہی ہے‘ چلیں اچھا ہے اس بہانے وہ خوشی خوشی آپ کو آنچل لا تو دیتے ہیں۔ آپ کی نگارشات جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ عید نمبر کی تیاری کے لیے ہر کام پہلے سے مکمل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی بنا پر بعض بہنوں کی نگارشات شامل نہ کرسکے لیکن جلد یہ شکوہ بھی دور ہوجائے گا۔ آپ افسانے ارسال کردیں‘ پڑھ کر دیکھیں گے اگر آنچل یا حجاب کے مطابق ہوئے تو جلد ہی شائع کردیں گے۔

جویریہ مریم...... نا معلوم

ڈیئر جویریہ! آباد رہو‘ آپ کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہورہا ہے‘ ورنہ ہر مصنفہ اپنے الگ انداز اور سوچ کے مطابق لکھتی ہیں‘ یکسانیت تو نہیں ہے البتہ سالگرہ نمبر میں سب نے سالگرہ کے حوالے سے ضرور لکھا۔ ہوسکتا ہے اس وجہ سے آپ کو یکسانیت محسوس ہوئی‘ بہرحال آپ کی تجاویز نوٹ کرلی ہیں‘ ہما عامر جلد حجاب میں اپنی تحریر کے ساتھ شامل ہوں گی‘ آپ انہیں حجاب کے صفحات پر پڑھ سکتی ہیں۔ برائے مہربانی آئندہ تحریر اور خط ارسال کرتے وقت نام اور مکمل پتہ ضرور ارسال کریں۔

مقدس زہرہ...... جھنگ

عزیزی مقدس! جیتی رہو‘ آپ کے خط سے اندازہ ہوا کہ آپ مثبت سوچ کی مالک ہیں اور نگارشات کے حوالے سے مایوس اور ناامید نہیں ہیں اور ایسا ہوتا بھی ہے کہ جلد یا بدیر سب کو شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس مرتبہ جو غلطی آپ نے کی ہے اس کی نشاندہی ضروری ہے۔ آپ نے ایک ہی صفحے پر بیاض دل اور در جواب آں لکھ دیا ہے۔ اب خط کا جواب حاضر ہے اور بیاض دل کے لیے آپ کے اشعار وہاں تک نہ پہنچ سکے کہ اشاعت کے مراحل طے کرتے۔ اسی لیے آپ سب سے کہا جاتا ہے کہ ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحہ کا استعمال کریں تاکہ متعلقہ شعبے میں پہنچایا جاسکے۔ امید ہے آئندہ ان باتوں کو پیش نظر رکھیں گی۔ خوش رہیں۔

ارم کمال...... فیصل آباد

عزیزی ارم! سدا سہاگن رہو‘ خط سے آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک اس ٹائیفائیڈ بخار میں پرہیز اور آرام بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ آپ جلد از جلد صحت مند ہوکر ماہ رمضان کی فیوض و برکات حاصل کریں اور اگر آپ کی نیت ہے تو ان شاء اللہ حالات کیسے بھی ہوں ضرور آپ روزے بھی رکھ پائیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو ماہ رمضان کا احترام کرنے اور اس مہینے کی بابرکت ساعتوں میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین۔ آپ سے بات کرکے ہمیں بھی بے حد خوشی اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جب تک یہ پرچہ آپ کے ہاتھ میں آئے گا شوال کا مہینہ شروع ہوچکا ہوگا۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی مبارک باذ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے‘ آمین۔

انعم زہرہ...... ملتان

عزیزی انعم! جگ جگ جیو‘ آپ سے تفصیلی ملاقات بے حد اچھی لگی۔ بے شک ہمارا اور آپ کا ساتھ طویل عرصے پر محیط نہیں ہے لیکن اس مختصر سے عرصے میں بھی دلی وابستگی کافی گہری ہوگئی ہے۔ آپ کی لکھیں سطور سے آپ کا حال جان کر اچھا لگا اور جب انسان سچے دل سے کسی اچھے کام کا ارادہ کرلیتا ہے تو اللہ سبحان وتعالیٰ بھی اپنے اس بندے کی مدد فرماتا ہے اور ایسا ہی آپ کے ساتھ بھی ہوا۔ آپ نے اس شخص کی نفرت کو بھی اپنے دل سے نکال دیا۔ اچھی بات ہے بے شک کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے نفرت اور عداوت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہیے اور اس سب سے آپ کے دل کو اطمینان بھی حاصل ہوا‘ یہ خوش آئند ہے۔ اسی طرح مثبت خیالات کو

اپنائیں اور اللہ سے اپنا ہر دکھ درد کہہ کر کے اس کی ذات سے لولگائیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ بہت سی خوشیاں عطا فرمائے گا کہ کبھی ان دکھوں اور تکلیف دہ گھڑیوں کا خیال بھی چھو کر نہ گزرے گا۔ ہماری جانب سے آپ کو ماہ رمضان اور عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

علشبہ نور...... مانسہرہ

پیاری علشبہ! جگ جگ جیؤ آپ کی تحریر ''آدھی ادھوری روٹی'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ گو کہ موضوع حقیقت سے قریب تر ہے۔ عموماً لڑکیوں کو پہلی بار کچن کے کاموں میں مشکل ضرور پیش آتی ہے اور خاص کر روٹی پکانے میں اور ایسے میں والدہ کا کہیں غصہ تو کہیں پیار سامنے آتا ہے جبکہ آپ کی تحریر میں صرف غصہ ہی سامنے آرہا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنا مشاہدہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے تشفی ہوئی ہوگی۔

شبنم حنیف...... لاہور

ڈیئر شبنم! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ''اپنے حصے کا دیا'' موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ موضوع اور انداز تحریر دونوں ہی کمزور ہیں۔ ابھی صرف مطالعہ پر زور دیں اور نامور مصنفین کی تحریریں اپنے مطالعہ میں شامل کریں تاکہ آپ کو لکھنے میں مدد ملے۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے ان باتوں پر عمل کریں گی۔

نعیم حیدر خان...... ملتان

بھائی نعیم! خوش رہیں آپ کی جانب سے خوب صورت کتاب ''بصیرت قرآن'' موصول ہوئی۔ جس طرح آپ نے اسے ترتیب واشاعت کے مراحل سے گزار کر قارئین کے سامنے پیش کیا' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ بے شک ہمیں اس وقت دین سے معلومات کی اشد ضرورت ہے بلکہ یوں کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہر دور میں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں توفیق دے تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی بہترین تربیت کرسکیں۔ ہم اس کتاب سے اقتباسات منتخب کرکے آنچل وحجاب کی زینت بنائیں گے۔ اس طرح آپ کا پیغام ہر خاص وعام تک پہنچ جائے گا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ڈیئر مدیحہ! سدا شاد رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ آپ کا کہنا بجا ہے' یہاں کراچی کا موسم کافی گرم ہے لیکن اس گرمی میں بھی روزے دار بھرپور انداز میں روزوں کا اہتمام کرتے ہیں اور عبادات بھی اپنے عروج پر ہیں۔ جہاں تک عید کا احوال پوچھا ہے تو عید آنے میں ابھی کافی وقت ہے' جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی' تب تک عید باسی ہوچکی ہوگی۔ اس لیے آپ کو عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔

سمیرا غزل...... کراچی

ڈیئر سمیرا! سدا سہاگن رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمت سے نوازا۔ ہماری جانب سے آپ کو اس ننھے مہمان کی آمد پر بے حد مبارک باد۔ بے شک بچوں کے ساتھ زندگی کی مصروفیات میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اسی بنا پر شاید نصف ملاقات نہیں ہوپائی' بہرحال امید ہے کہ آئندہ بھی آنچل وحجاب سے تعاون برقرار رکھیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو مزید خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے آمین۔

سنیہ صفدر...... ڈھل ٹارڑں

ڈیئر سنیہ! شاد وآباد رہو' نیرنگ خیال کے لیے آپ کی ارسال کردہ غزل ''سمجھ نہیں آتی'' کے عنوان سے موصول ہوئی۔ متعلقہ شعبے والوں کی طرف سے یہ غزل رد کردی گئی ہے۔ اس لیے معذرت خواہ ہیں۔ غزل میں ربط نہیں ہے' ابھی آپ دیگر شعراء کے کلام کو بغور پڑھیں اور اس کے بعد طبع آزمائی کریں۔ امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

مریم کنول...... لاہور

ڈیئر مریم! سدا خوش رہو آپ کی تحریر منچلے موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ کا انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کمزور ہیں' جملے کی ادائیگی اور جذبات احساسات دوسری مصنفین کی تحریروں کو سامنے رکھ کر اپنی تحریر سے ملا کر دیکھیں فرق سامنے آجائے گا۔ موضوع پر گرفت برقرار رکھنے کے لیے

ہمیشہ مختصر موضوع قلم بند کریں اس سے آپ کے لکھنے میں بھی نکھار آئے گا۔ امید ہے آئندہ ان باتوں پر عمل کرتے تحریر ارسال کریں گی۔ اس تحریر کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔

طیبہ خاور سلطان...... وزیر آباد

پیاری طیبہ! سدا آباد رہو' آپ سے نصف ملاقات اچھی رہی' جس طرح آپ ہمیں یاد رکھتی ہیں اسی طرح ہم بھی آپ کو بھولے نہیں انتظار میں رہیں کہ کب آپ کی طرف سے پہل ہوتی ہے اور ہم اپنی محفل میں آپ کو شامل کرتے ہیں۔ اس وقت آنچل تکمیل کے مراحل میں ہے' اس لیے نگارشات سنبھال کر رکھ لی ہیں۔ حجاب یا آنچل میں جہاں جگہ بنی آپ کی نگارشات شامل کرلی جائیں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے' آمین۔

اسماء صدیقہ...... عبدالحکیم

پیاری اسما! خوش رہو' آپ کا نامہ موصول ہوا جس طرح آپ اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر آنچل کا مطالعہ کرتی ہیں جان کر خوشی ہوئی۔ یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ اس سے آپ کی نگارشات سے ہی سجایا سنوارا جاتا ہے۔ رہی بات کہ آپ کو محفل میں شامل نہیں کیا گیا تو بات یہ ہے کہ آپ کی طرف سے ارسال کی گئی ڈاک ہمیں موصول ہی نہیں ہوئی۔ ورنہ جن بہنوں نے آئینہ اور سروے میں شرکت کی انہیں ترتیب وار شامل کیا گیا۔ اس وقت آنچل تکمیل کے مراحل میں ہے اور آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہوئی ہے لیکن پھر بھی آپ کو شامل کرلیا۔ امید ہے آئندہ بھی شامل محفل رہیں گی۔ محبت وخلوص کے لیے جزاک اللہ۔

تانیہ الطاف...... راولپنڈی

عزیزی تانیہ! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر ''وطن کی محبت'' پڑھ ڈالی۔ کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری' وجہ انداز تحریر کی کمزوریاں کافی نمایاں رہیں۔ مطالعہ ومشاہدہ وسیع کرتے دیگر مصنفین کو بغور پڑھیں اچھا لکھنے کے لیے پڑھنا بے حد ضروری ہے امید ہے محنت جاری رکھیں گی۔

ناقابل اشاعت: اپنے اپنے ہوتے ہیں' تجھ سے لاگی جو لگن' تماشہ' عبرت' میرے رشک قمر زندگی بن گئے' بوڑھا صحرا' دھوپ چھاؤں' جہاں روشنی ہو خلوص کی' کارڈ' زرد رنگ محبت کا' کانوں کا کچا' پری وش پری' دیپ جلنے لگے' رزق' ضرورت سے ہنرمند تک' کرب' مسکراہٹ بکھیرتی عید' اپنے حصہ کا دیا' منچلے' آتش زندگی' زندگی کا راز' درد تنہائی سے نجات' رمضان میں اسراف' پنک سوٹ' یہ راہ مشکل نہیں' پیا من بھائے' بھولی بسری یادیں' بساط دل' عاجزی' دل آشنا' نصیب' بساط موت' بیٹیاں' وطن کی محبت' منزل طلب' آدھی ادھوری روٹی' انمول' مجھے اداس کرگیا' خواہشوں کے خارزا' خدا کا سایہ' نیکی کا پھندہ' اونٹ آیا۔

قابل اشاعت: مجھے خوابوں میں رہنے دو' درد باقی ہے' ہر عید تیرے سنگ ہوگی' گھر کی ملکہ' تم میری عید کے چاند' خط کیسے' میرے وطن تو عظیم ہے' محبت جیت ہوتی ہے' دام تزویر' اک تیرے نام کی چاہ' روپ بہروپ' میراث' پیار رنگ پیارا' کفارہ۔

♥

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے پہلے صفحہ پر کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ

سورۃ الکوثر

مشتاق احمد قریشی

نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے نہایت آسان بلکہ اطمینان و راحت کا باعث ہے۔ نماز پڑھنے والے روزِ قیامت وآخرت اور اس کے بعد کی دائمی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ یقین انسان کے اعمالِ خیر کو آسان کردیتا ہے اور آخرت کی فکر نہ کرنے والے بے فکر بے عمل انسان کو باعمل بنادیتی ہے۔ نہ اسے قیامت کی فکر رہتی ہے نہ آخرت کے بعد کی دائمی زندگی کی۔ نماز مسلمان کی دائمی زندگی کا زینہ ہے۔ نماز انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور برائی کو دور کرتی ہے جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا جارہا ہے۔

ترجمہ۔ جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بے شک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ تم جو کچھ کررہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ (سورۃ العنکبوت۔۴۵)

تفسیر۔ اس آیتِ مبارکہ میں نماز کی فضیلت واہمیت کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ اللہ کا ذکر یعنی نماز کی تاثیر صرف یہی نہیں کہ برائیوں سے روکے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کہ وہ نیکیوں پر ابھارنے والی اور سبقت الی الخیرات پر آمادہ کرنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بذاتِ خود بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خیر الاعمال میں ہے۔ انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں اللہ کو یاد کرنا سب سے بہتر اور بڑا عمل ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۲ میں فرمایا جارہا ہے کہ ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“ جب بندہ نماز کی حالت میں اپنے رب کو یاد کرے گا تو ضروری ہے کہ اس کا رب بھی اسے یاد کرے گا اور یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ اپنے بندے کو یاد کرے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کئی مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر وثواب کے لیے اس کے معانی ومطالب پر تدبر وتفکر کے لیے تعلیم وتدریس کے لیے وعظ ونصیحت کے لیے۔ لیکن نماز میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص پیدا ہوجاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳ میں فرمایا جارہا ہے۔ ”اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔“ اگر عمومی طور پر دیکھا جائے تو نماز اور صبر کوئی مرئی چیز نہیں کہ انسان اس کا سہارا پکڑے۔ اس سے مدد حاصل کرے چونکہ نماز میں انسان براہِ راست اپنے خالق ومالک کے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی رابطہ وتعلق پیدا ہوتا ہے اور اللہ قدم قدم پر اپنے بندے کی دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز ادا کیا کرتے اور اپنی امت کو بھی تاکید فرماتے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم ذمے داری سونپی گئی تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو نماز کا اہتمام فرماتے۔ (مسند احمد وابوداؤد)

نماز بے حیائی اور برائی کو روکنے کا سبب اور ذریعہ ہے۔ جس طرح مختلف داوؤں کی مختلف افادیت ہوتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوائی فلاں بیماری یا مرض کا علاج کرتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے۔ ایسا اس وقت ہی ہوتا ہے جب ڈاکٹر، حکیم یا معالج جیسا اور جس وقت دوا کا استعمال بتائے اور جیسا پرہیز بتائے ویسا اس پر اگر عمل کیا جائے اور ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہو۔ بالکل اسی طرح نماز میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی ہی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اگر نماز کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے اور سلیقے اور تمام تر آداب وشرائط کو ملحوظ رکھ کر پڑھا جائے جو اس کی صحت وقبولیت کے لیے ضروری ہیں یعنی سب سے اہم اور پہلی چیز اخلاص، دوسری طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو اور باجماعت اور مقررہ اوقات میں ادا کی جائے اور ارکان صلوٰۃ یعنی قرأت، رکوع، قومہ

سجدہ وغیرہ سب کے سب نہایت اطمینان واعتدال، خشوع وخضوع اور رقت کی کیفیت میں ادا کیے جائیں اور انسان اپنے لیے اپنی آل اولاد کے لیے رزق حلال کا اہتمام کرے۔ چونکہ ہماری آج کی نمازیں ان آداب وسلیقوں سے عاری ہیں اور ان میں ظاہرپن اور دکھاوا شامل ہوگیا ہے۔ اس لیے وہ تاثر ہمیں محسوس نہیں ہوتا نہ ہی وہ تاثر دکھائی دیتا ہے کہ ہم کہہ سکیں کہ نماز نے برائی بے حیائی سے روکا لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بڑی اہم ہے کہ انسان جب تک نماز میں مشغول ہوتا ہے وہ ہر قسم کی برائی' بے حیائی سے بچا رہتا ہے اور ہر وقت ذکر الٰہی اسے ہر برائی سے روکتی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کا عمومی نگاہ سے جائزہ لیں تو اس آیتِ مبارکہ میں نماز کی دو خوبیاں یا دو پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ ایک وصف لازم اور دوسرا وصف مطلوب۔ وصف لازم تو یہ ہے کہ نماز فحش اور منکرات سے روکتی ہے اور وصف مطلوب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا واقعی فحش اور منکرات سے رک جائے۔ جہاں تک روکنے کا تعلق ہے نماز لازماً یہ کام کرتی ہے جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر غور کرے تو وہ تسلیم کرلے گا کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے کیونکہ بندہ ہر روز پانچ وقت اللہ کو یاد کرنے کے لیے بلایا جائے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ ہوجائے کہ وہ اس دنیا میں آزاد خود مختار نہیں ہے بلکہ اللہ کا بندہ ہے اور وہی مالک ومولا ہے جو ہر ایک انسان کے کھلے اور چھپے اعمال حتیٰ کہ اس کے دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے پوری طرح واقف ہے۔ نماز کے ذریعے عملاً ہر نماز کے وقت انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ چھپ کر بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے کیونکہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے سے لے کر نماز ختم کرنے تک اسے مسلسل وہ کام کرنا پڑتے ہیں جن سے اس انسان اور اللہ کے سوا کوئی تیسرا واقف نہیں ہوتا کہ اس شخص نے اللہ کے قانون کی پابندی کی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بغیر وضو کے نماز پڑھنے کھڑا ہوجائے تو اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ یہ شخص بغیر وضو کے نماز کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اگر وہ شخص نماز کی نیت ہی نہ کرے اور بظاہر رکوع' سجود وقیام کرے اور اذکار نماز پڑھنے کے بجائے خاموش کھڑا رہے یا چپکے چپکے کچھ اور پڑھے' کوئی گیت یا کچھ اور اول فول تو بھی اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کررہا ہے۔ اس کا راز اللہ کے سوا کس پر فاش ہوسکتا ہے اور اگر نماز کو نماز کے درست طریقے سے پڑھے' جسم اور لباس کی طہارت سے لے کر نماز کے ارکان واذکار قانونِ الٰہی کے مطابق تمام تر شرائط وقواعد کے مطابق ہر روز پانچ وقت ادا کرتا ہے تو یوں وہ نماز کے ذریعے روزانہ کئی بار اپنے ضمیر میں زندگی پیدا کرتا ہے اور ذمہ داری کا احساس کرتا ہے یوں اس میں فرض شناسی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ نماز انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی ہے۔ انسان میں جذبہ اطاعت وبندگی پیدا ہو اور وہ اعلانیہ اور خفیہ ہر حال میں قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے والا بنے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے ارادے کے اختیار کو استعمال کرکے اپنی اصلاحِ نفس کرے اور اپنے ارادے سے قانونِ الٰہی کی پابندی وپاسداری کرے اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے حکم سے نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ نماز کے لیے نیک اعمال کے لیے قانونِ الٰہی پر چلنے کے لیے انسان کو خود کوشش کرنا ہوگی تب ہی وہ اپنی اصلاح کرسکے گا تب ہی اس پر نماز کے مفید اثرات اثر انداز ہوسکیں گے۔

حدیث شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نہیں ہے۔“ (ابن ابی حاتم)۔ ایسا ہی ایک مضمون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحش ومنکر سے رک جائے۔“ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)۔ حضرت جعفر صادقؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی کہ نہیں' اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحش ومنکر سے کہاں تک باز رکھا اگر نماز پڑھنے سے وہ برائی کرنے سے رک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ورنہ نہیں۔ (روح المعانی)

نماز کے لیے جمع ہونے یا بلانے کے لیے ہر نماز سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ جو اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ آؤ اپنے رب کی طرف' ہم سب مل کر عبادت کریں' آؤ کہ یہی فلاح کی راہ ہے' یہی بھلائی کی راہ ہے' اللہ کی کبریائی وبڑائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کا اعلان بھی ہر بار کیا جاتا ہے تاکہ نماز پڑھنے والے کا ذہن تیار ہوجائے کہ وہ اپنے رب کی عبادت

کرنے کی تیاری کررہا ہے جو ہمارا پروردگار اور مالک و آقا ہے کوئی دوسرا نہ تو اس کی مانند عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی طرح ہر چیز پر قادر ہر چیز سے ہر وقت باخبر ہے۔ اذان سننے کے بعد انسان روحانی اور ذہنی طور پر نماز کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلیتا ہے اور پھر اس تیاری کی تکمیل کے لیے پہلا عملی قدم اٹھاتے ہوئے وضو کرکے اپنے تمام اعضاء کو پاک صاف کرلیتا ہے گو کہ وہ بحیثیت ایک مسلمان ہر قسم کی ناپاکی سے پہلے ہی صاف ستھرا ہوتا ہے لیکن ہر نماز کی تیاری کے لیے سنتِ نبوی اور احکام الٰہی کے مطابق جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ کی آیت میں طریقہ وضو بتایا جارہا ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اپنے سروں کا مسح کرلو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو۔ (سورۃ المائدہ۔ ۶)

نماز کے لیے وضو کرنے سے انسان عملی طور پر خود کو نماز کے لیے تیار کرلیتا ہے۔ اب وہ ذہنی و جسمانی طور پر خود کو تیار کرکے اپنے رب کے حضور اپنی اطاعت تابعداری اور فرمانبرداری کے اظہار کے لیے پوری طرح تیار ہوکر قبلہ رو ہوکر کھڑا ہوجاتا ہے پھر نماز کے لیے تیار ہوکر نماز کی نیت کے لیے تیاری کرلیتا ہے اور ہر فرض نماز جماعت سے ادا کرتا ہے تو اس جماعت سے قبل اقامت کی اذان دی جاتی ہے ایک بار پھر اللہ کی کبریائی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دے کر ہر نمازی کو مزید ذہنی اور جسمانی طور پر اللہ کے حضور حاضری کے لیے تیار کردیا جاتا ہے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جاتی ہے جس کے بعد نیت مکمل ہوجاتی ہے اور انسان نماز میں مشغول ہوجاتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے معنی ہیں حرام کرنا عزت کرنا اور نماز کی نیت باندھنے کے وقت پہلی دفعہ ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا۔ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہر وہ عمل جو اس سے پہلے حلال تھا اب حرام ہوگیا جب تک کہ نماز مکمل نہیں ہوجاتی اور نمازی سلام نہیں پھیرلیتا۔ وہ کون سی چیزیں ہیں جو تکبیر تحریمہ کہنے سے حرام ٹھہرتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ادھر ادھر دیکھنا' بولنا' چلنا' آگے پیچھے ہٹنا' کسی کی باتیں سننا۔ یہ سب عمل حالت نماز میں قطعی نہیں کرنا چاہئیں کیونکہ اللہ نے انہیں کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ نمازی پوری توجہ اور اخلاص سے اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوسکے اور جب وہ ان تمام باتوں کا دانستہ خیال کرے گا تو یقیناً نماز کا فیض بھی اسے حاصل ہوگا اور وہ اپنے ارادے کو استعمال کرکے ہر قسم کی فحش اور منکرات سے بچے گا یہی نماز کا اعجاز ہے۔ نماز کو اس کے پورے آداب اور طریقے سے ادا کرنے سے ہی نماز ادا ہوتی ہے اور اس کا اثر نمازی پر براہ راست ہوتا ہے اور اس کا تعلق اپنے رب سے ہوجاتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو یہ سمجھو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں اور دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جب کسی زمینی حاکم یا بڑے آفیسر سے ملتے ہیں یا ملنے جاتے ہیں تو کس کس طرح کی تیاریاں کرتے ہیں، نہادھو کر' صاف ستھرے کپڑے پہن کر جاتے ہیں' خوب بن سنور کر جاتے ہیں اور اس کے سامنے بڑے ادب سے ڈرتے ڈرتے پیش ہوتے ہیں اور اس کا خوف دل پر طاری رہتا ہے۔ ذرا سوچیے کہ جب ہم سب حاکموں کے حاکم اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو کیا ہم کسی قسم کا اہتمام کرتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے؟ اکثر تو صرف مجبوراً فرض ادا کرنے کے لیے نماز کو ادا کرتے ہیں اور کچھ تو قطعی پروا نہیں کرتے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ اپنے خالق و مالک' اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور کھلی گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی بہت زیادہ تاکید و ہدایت فرمائی ہے اس لیے کہ نماز ہی وہ ذریعہ ہے جس سے بندہ مومن صراط مستقیم پر چلتا ہے اور تمام احکام الٰہی پر عمل کرتا ہے اور اللہ سے ایسے ہی ڈرتا ہے جیسا کہ ڈرنے کا حکم ہے۔

سورۃ الکوثر کی دوسری آیت مبارکہ کی تشریح کے سلسلے میں اب تک ہم پہلے حصے پر روشنی ڈالتے رہے ہیں اب اس آیت مبارکہ کے دوسرے حصے وانحر یعنی قربانی کرو کے سلسلے میں غور وفکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

رباب کنول

ڈیئر قارئین، اسلام علیکم آپ سب اور آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں لیے رباب کنول انصاری حاضر خدمت ہے، اس امید کے ساتھ کہ میرا یہ چھوٹا سا تعارف آپ کو پسند آئے گا، تو جی جناب ایک بڑی بہن (نسرین صدف) اور چار بھائیوں کے بعد ہمارا نمبر ہے۔ 14 اگست کو اس دنیا میں آئی۔ بچپن بھی بچوں کی طرح شرارتوں سے مزین تھا جو اب تک اسی طرح موجود ہے۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن ماہم نور ہے، جو میری طرح یا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میں اس کی طرح 'آنچل' کی دلدادہ ہوں۔ ماہم نور میری بہن پلس دوست ہے، ویسے دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے، تاہم عروسہ اینڈ ماہ نور رسالوں کی وجہ سے ٹاپ پر ہیں، باقی اور فرینڈز کا ڈائجسٹ وغیرہ پڑھنے کا رجحان نہیں ہے، میری امی میری سب سے اچھی دوست اور وہ واحد دوست جن سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں، اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو میری سب سے اچھی خوبی جس کی دوسرے بھی تعریف کرتے ہیں وہ یہ کہ میں ہر ایک سے محبت اور عزت کے ساتھ پیش آتی ہوں، خامیاں بہت ساری ہیں لیکن جو مجھے خود ناپسند ہے وہ یہ کہ میں ایک غیر مستقل مزاج لڑکی ہوں۔ میرا شوق مطالعہ کرنا، ریڈیو سننا اور کرکٹ کھیلنا ہے۔ سیاست سے گہری دلچسپی ہے، وطن سے محبت میرا نصب العین ہے۔ محنتی، سچے اور بہترین نظریاتی لوگ پسند ہیں۔ بزرگوں اور بچوں سے خاص انسیت ہے، شعر و شاعری سے شغف ہے۔ کوکنگ کرنا پسند ہے۔ فیروزی رنگ، مٹی کی خوشبو آئس کریم، بریانی، سیر و تفریح اور موسم بہار دل کو بھاتے ہیں۔ مصروفیت اچھی لگتی ہے، فرصت کے لمحات میں ماہم اور میں بچپن کو یاد کرتے اور ان باتوں، حماقتوں پر تا دیر ہنستے ہیں، فیورٹ سنگرز عابدہ پروین صاحبہ اور سجاد علی ہیں، پسندیدہ لباس وہ جس سے آپ کی حیا اور پاکیزگی جھلکے آئیڈیل شخصیت آپ ﷺ، حضرت علی اور محمد علی جناح ؒ ہیں۔ میری کامیابی میرے والدین کی خدمت میں پوشیدہ ہے، کیونکہ والدین کی خدمت آپ کو دنیا کی ہر ناکامی سے بچا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے آمین۔ آخر میں بس اتنا ہی، جن کی سانسوں میں دعائیں ہیں، ایسی ہستیاں صرف مائیں ہیں۔

ہر تمنا ہی میری لاحاصل
پھر کس دھن میں جیئے جا رہا ہوں
اس محبت کو اپنے دل سے نکال کر
میں اپنے آپ سے آزاد ہوتا جا رہا ہوں

شہناز فضل

السلام علیکم! ڈیئر قارئین کو۔ کافی عرصے بلکہ یوں کہنا چاہیے بیالیس سال سے پڑھ رہی ہوں۔ جب حور، حنا پاکیزہ وغیرہ آتے تھے۔ میرے والد صاحب اڑسٹھ میں انتقال کر گئے تھے۔ میری امی جان بہت بیمار رہتی تھیں تو وہ مجھ سے کہانیاں سنتی تھیں۔ جب ہی سے شوق ہوا تھا۔ پھر آٹھ بہن بھائی ہیں مجھ سے بڑی دو بہنیں ہیں۔ پھر میں ہوں، پھر بہن اور پھر چار بھائی ہیں۔ میں مڈل پاس ہوں، لیکن معلومات بہت ہے کیونکہ 'اخبار جہاں' بھی بچپن سے پڑھتی ہوں۔ بچوں کی کہانیاں بھی پڑھتی ہوں۔ عمران سیریز بھی پڑھتی تھی۔ اور پیاری نازیہ کنول نیازی، بشریٰ رحمٰن، بہت اچھا لکھتی ہیں، اور ام مریم، سمیرا شریف، فائزہ گل، نمرہ احمد، عمیرہ احمد پسندیدہ لکھاریوں میں شامل ہیں۔ اگر میں سب کے نام لکھوں تو یہ تو ایک افسانہ بن جائے۔ میری پسند گیلی مٹی ہے۔ وائٹ کلر پسند ہے، شلوار قمیض پسند ہے، موتیا کے پھول بہت پسند ہیں اور جو بھی کتاب ہاتھ لگ جائے ختم کیے بغیر سکون نہیں ملتا ہے۔ ہم شریر بھی بہت تھے۔ اب ایک عمر ہوگئی ہے میرے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کی شادی ہوگئی ہے۔ ایک دبئی میں ہے اور چھوٹا پاکستان میں۔ شوہر جدہ میں ہوتے ہیں بلکہ سارے ہی سسرال والے جدہ میں ہوتے ہیں۔ میری آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں ابھی عمرہ بھی کر کے آئی ہوں، میں آنچل، حجاب، پاکیزہ، کرن، شعاع، حنا، خواتین ڈائجسٹ سب ہی پڑھتی ہوں۔ کیونکہ بیٹی نہیں ہے، میرے بیٹے فیصل کی شادی ہوئی تو میں کوئی کام بھی نہیں کرتی ہوں۔ میرے گردے خراب ہیں، تو کھانے کا بھی شوق نہیں۔ ہاں پکانے کا بہت شوق تھا۔ اور ابھی بھی ہے۔ اب بات خوبیوں اور خامیوں پر تو مجھے غصہ بہت آتا ہے۔ جو برداشت میں ہوتا ہے۔ دل کی بہت

اچھی ہوں، درگرز کرتی ہوں۔ دوستی کرنا اچھا لگتا ہے اور کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم "شب ہجر کی پہلی بارش نازیہ کنول نازی کی یہ تحریر بہت ہی پسند ہے۔ ویسے سب ہی اچھا لکھتی ہیں۔ مجھے بارش بہت پسند ہے۔ ویسے مجھے اپنا اخلاق بھی بہت پسند ہے۔ میں پہلی بار لکھ رہی ہوں پتہ نہیں ٹھیک لکھا ہے یا نہیں اب اجازت چاہتی ہوں۔ "اچھا سوچیے۔ اچھی باتیں کرنا یہ بھی صدقہ جاریہ ہوتا ہے۔"

ثنا نواز

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام، سنائیے کیسے ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک ہوں گے۔ میں ہر بار کوشش کرتی ہوں، لیکن پتا نہیں کیوں لکھ نہیں پاتی لیکن آخر میں نے ہمت کر ہی لی اور ایک راز کی بات بتاؤں، میں یہ لیٹر کلاس میں بیٹھ کر لکھ رہی ہوں۔ اسٹوڈنٹ پوچھ رہے ہیں ٹیچر جی آپ اپنا کام کر رہی ہیں اور ہم نے کہا یہی سمجھ لو، اچھا تو آپ نے میرا نام اوپر تو پڑھ ہی لیا ہوگا، لیکن پھر بھی بتاتی چلوں میرا نام ثناء نواز ہے، میں 1998ء کو اس دنیا میں حاضری لگانے آ گئی۔ میں بی اے پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں اور ٹیچر بھی ہوں فیوچر میں، میں نے ڈیزائنر بننا ہے اور یہ میرا خواب ہی نہیں بلکہ میرا جنون ہے۔ میں جھنگ کے گاؤں منگالی شریف میں رہتی ہوں۔ اب بات ہو جائے فیملی کی تو ہم سات بہن بھائی ہیں، چار بہنیں اور تین بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں، میرے علاوہ سب کی شادیاں ہو چکی ہیں اور سب اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی جی رہے ہیں، بس ایک بھائی اور سسٹر کی اولاد نہیں، اللہ ان کو صاحب اولاد کرے۔ آمین۔ اب مزے کی بات بتاؤں جب میری بڑی آپی کی شادی ہوئی تھی تب میں دو سال کی تھی۔ مجھے اور میری بھابی جویریا میں تین چار سال کا فرق ہے۔ اس کی اور میری آپس میں بہت بنتی ہے، ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی ہیں۔ اس کی آنکھیں بہت پیاری ہیں، گہری جھیل جیسی، ان میں ڈوب جانے کو من کرتا ہے، کیونکہ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔ ہائے کہیں دوسری آپی ناراض ہی نہ ہو جائے، ہاں بھئی ان کی بیٹیاں ثانیہ ثمر اور مناہل بھی بہت پیاری اور کیوٹ ہے اور میرے بھائیوں کی بیٹیاں بھی بہت پیاری ہیں، سعدیہ نادیہ خدیجہ کنزا اور میرے بھتیجے عدنان فیضان اور احمد فراز ہیں وہ بہت نالی بوائے ہیں اور بھانجے حسان اور شہزاد ہیں، سب ہی مجھے پیارے لگتے ہیں کیونکہ میں ان کی چھوٹی پھوپو اور خالہ جو ہوں۔ اور میں اپنے امی اور ابو سے بہت پیار کرتی ہوں خدا میرے ماں باپ کو صحت والی عمر عطا فرمائے آمین۔ میری ماں دنیا کی سب سے اچھی ماں ہے اور میں اپنی امی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں، امی آئی لو یو، اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ صحت مند رکھے اور عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ مطالعہ کرنے کا بے حد شوق ہے، میں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں، ہاں ایک بات بتاؤں کالج لائف میں نہیں پڑھ سکتی تھی کیونکہ امی کہتی تھیں کہ اس سے تمہاری پڑھائی پر اثر پڑے گا اور دوسرا میری سسٹر صائمہ کو رسالہ سے بڑی چڑ ہوتی تھی کہ تم ہر وقت رسالہ لے کر بیٹھی رہتی ہو، لیکن اب تو اس کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ اللہ اس کو اپنے گھر میں آباد رکھے۔ اب بات ہو جائے خوبیوں اور خامیوں کی تو مجھ میں پہلی اور خاص خامی یہ ہے کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے، خاص کر ان لوگوں پر جو جھوٹ بولتے ہیں، ایک کی بات سن کر دوسرے کو بتا دیتے ہیں، ان پر مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ دل کرتا ہے ان کو شوٹ کر دوں، لیکن ایسا میں کر نہیں سکتی، دل کی صاف ہوں اگر کوئی میرے ساتھ زیادتی کر بھی لے تو میں اس کو معاف کر دیتی ہوں۔ میری اتنی زیادہ دوستیں نہیں۔ میری کالج لائف میں چار دوستیں تھیں، غزالہ صوفیہ، اقراء اور ارم اور میں ہمارا اپنا ہی ایک علیحدہ گروپ تھا۔ بہت مزا آتا تھا، اب کالج لائف کو بہت مس کرتی ہوں، غزالہ کی تو اب شادی ہو چکی ہے اور پتا نہیں وہ مجھے یاد بھی کرتی ہوگی کہ نہیں، وہ کرے نہ کرے لیکن میں اس کو ہر روز یاد کرتی ہوں۔ میرے فیورٹ کلرز گرین بلو اور سفید ہیں، میں کپڑوں میں ہمیشہ شلوار قمیص ہی پہنتی ہوں اور کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں، موڈی نہیں ہوں لیکن میں مٹن بریانی بڑے شوق سے کھاتی ہوں۔ میری فیورٹ کتاب قرآن مجید ہے اور رائٹرز میں سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ مجھے سونگ سننے پسند ہیں، مجھے ٹی وی دیکھنے سے زیادہ اسٹوری پڑھنے میں مزا آتا ہے۔ مجھے ان اداکاراؤں پر بہت غصہ آتا ہے جو انڈیا میں فلمیں بنانے چلی جاتی ہیں، ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ وہ ہمارا دشمن ملک ہے اس کے وہاں پہنچ جاتے ہیں، چلو لڑکوں کی بات اور ہے وہ جائیں، لیکن لڑکیوں کو نہیں جانا چاہیے، میری تو یہی رائے ہے، وہاں پر لڑکیوں کو بیہودہ لباس زیب تن کروایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لباس ایک مسلم عورت کو زیب نہیں دیتا۔ ہاں مجھے ایک بات یاد آئی میرے خط نہ لکھنے کی وجہ میری

لکھائی بھی تھی، میں سوچتی تھی کہ میری خراب لکھائی کا مذاق اڑائیں گے۔ میں جب آٹھویں جماعت میں تھی تو مس عفت نے مجھے کہا تھا کہ شاباب ایگزمنیشن میں ٹانگوں سے نہ لکھ دینا ہاہاہا آپ لوگوں کو بھی ہنسی آرہی ہوگی۔ میری فیورٹ ٹیچر خورشید موہل، مس راحیلہ صاحبہ، مس عذرا، مس عصمت اور مس سندس تھیں، وہ بہت اچھی ٹیچرز تھیں۔ اچھا اب آپ لوگ بھی بور ہوگئے ہوں گے، بس آخر میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ انسان جتنی بھی کوشش کرلے اور لاکھ ہاتھ پاؤں مارلے کہ میں نے زندگی میں ہر چیز حاصل کرنا ہے اور کچھ بن کر دکھانا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں کسی سے حسد نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے پاس یہ ہے میرے پاس نہیں، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے، یعنی راکھ کردیتی ہے۔ ہاں میں نے ایک بات رسالے سے نوٹ کی تھی ایک لڑکی نے لکھا ہوا تھا کہ اپنی عزت کی حفاظت کرنا اور اپنے کردار کو بلند رکھنا، کیونکہ دنیا میں ہر چیز واپس مل سکتی ہے، مگر عزت نہیں۔ تو اس نے بالکل اچھا لکھا تھا کہ لڑکیوں کو اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے اور میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر پاکستان میں اس طرح کی لڑکیاں پیدا ہوجائیں تو ہمارا معاشرہ سنوار جائے اور شاید لڑکیوں کی سمجھ میں آجائے۔ ماں باپ کی عزت کتنی اہم ہوتی ہے، خاص کر ہماری اپنی عزت کیونکہ ان محبت نما دھوکوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ والسلام۔

مصباح بتول

السلام علیکم آنچل اسٹاف، ریڈرز اینڈ رائٹرز اور تمام چاہنے والوں کو مابدولت ی طرف سے پیار بھرا سلام قبول ہو اور ڈھیروں دعائیں مجھ ناچیز کو مصباح بتول کہتے ہیں، میں آنچل کی خاموش قاری ہوں، میرا آنچل سے تقریباً آٹھ نو سال کا پرانا اور گہرا تعلق ہے۔ تمام ڈائجسٹوں میں سے مجھے آنچل پسند ہے۔ آنچل سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا، ہم پانچ بہن بھائی ہیں، چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں، والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ میرے ابو جان مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ دسمبر دو ہزار سولہ میں مجھ پر یہ پہاڑ ٹوٹا، میرے والد محترم چپکے سے ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والد محترم کو جنت الفردوس کی تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ میری تعلیمی قابلیت میٹرک ہے۔ میری امی جان ذہنی مریضہ ہیں، امی جی کی بیماری کی وجہ سے مزید پڑھ نہ سکی۔ پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن اکلوتی بہن ہوں، والدہ کی بیماری اور گھر کی ذمہ داری کی وجہ سے مزید تعلیم نہ حاصل کرسکی، اللہ میری والدہ کو تندرستی عطا فرمائے۔ ہماری والدہ کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ ہماری کاسٹ جٹ ہے۔ اب بات ہوجائے پسند و ناپسند کی، تو مجھے پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے، اور کھانے میں مجھے بریانی، سموسے بہت پسند ہیں اور آئس کریم بہت شوق سے کھاتی ہوں اور کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں نخرہ نہیں کرتی۔ گھر والوں کو تنگ نہیں کیا کبھی اور نہ کبھی کسی چیز کے لیے ضد کی اور ڈریسز میں مجھے فراک بہت پسند ہے اور کلرز میں زنک اور پنک کلرز پسند ہیں۔ چودھویں کا چاند اچھا لگتا ہے۔ بارش بہت پسند ہے۔ جیولری میں لاکٹ، چوڑیاں، رنگ بہت پسند ہے۔ دوستی کے رشتے کو مانتی ہوں، اسکول لائف میں رضیہ، سعدیہ، ارم، امتیاز، شمائلہ، فضہ، سامیہ سے میری اچھی دوستی رہی، اب بھی ہے......اب بھی وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اب آتے ہیں اچھائی اور برائی کی طرف۔ برائی یعنی خامی یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آتا ہے، کنٹرول نہیں ہوتا ویسے جلدی ختم ہوجاتا ہے، جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ غصہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن کیا کروں غصہ کا کوئی علاج بھی نہیں اور بھروسہ بہت جلد کرتی ہوں اور نقصان اٹھاتی ہوں۔ اچھائی یہ ہے کہ بقول صائمہ کے خوش اخلاق ہوں، اچھے اخلاق سے ہر کسی سے بات کرتی ہوں۔ اور میں کسی سے حسد نہیں کرتی، نہ کسی کا کبھی برا سوچا ہے۔ انگیجڈ ہوں، بہت جلد شادی ہونے والی ہے بلکہ اب تو کچھ دن ہی رہ گئے ہیں شادی میں۔ میری فیورٹ جگہ خانہ کعبہ ہے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور میری امی جان کو اپنے پیارے گھر کی زیارت نصیب فرمائے آمین۔ اور میری فیورٹ ٹیچرز میں ٹیچر سمیرا اور صائمہ اور ٹیچر فرح ہیں۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ مجھے پیارے نبی ﷺ سے بہت پیار ہے۔

تم میری عید کے چاند

رابعہ افتخار

جب	بھی	اس	کی صورت	دیکھی
میں	نے	ہاتھ	پہ رکھا	چاند
جانے	کس	کو	ڈھونڈ رہا	ہے
اک	مدت	سے	تنہا	چاند



شب برأت سے ایک ہفتہ پہلے ہی گھر میں رنگ و روغن کا کام مکمل ہوا تھا بڑے ماموں نے گھر کو ایسے چمکا دیا جیسے بالکل نیا بنا ہو پورے گھر میں پردے بھی نئے لگے۔ پرانے پیلے بلب اتار کر نئی ایل ای ڈی لائٹس لگوائی گئیں باورچی خانے کی لان والی کھڑکی نکال کر وہاں جالی کا دروازہ لگوایا گیا۔ گھر میں ہر شے نئی نکھری اور صاف ستھری تھی وجہ ایک نہیں بلکہ دو تھیں ایک تو رمضان المبارک کی آمد سے پہلے یہ سب کام ہونے ہی تھے اور دوسری وجہ بڑی خالہ کی مع فیملی پاکستان آمد تھی بڑی خالہ عرصہ دراز سے آسٹریلیا میں مقیم تھیں امی کی وفات پر جب وہ پاکستان آئی تھیں تب ہی انعم نے انہیں دیکھا تھا ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا امی کا جنازہ اٹھنے اور اسے ددھیال سے ننھیال تک لانے میں وہ پیش پیش رہیں گلے سے لگا کر ماتھا چوما اور خوب روئیں تب اسے خالہ کے پاس سے امی کی خوشبو آئی تھی اب خالہ کی آمد کا سن کر بڑے ماموں کی بیٹیوں ثناء اور ہما کے ساتھ ساتھ وہ بھی بہت خوش تھی اور ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی ثناء نے بی ایس سی کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا تھا اس نے مختلف کورسز کیے ہوم ڈیکوریشن کوکنگ بیکنگ فلاور میکنگ اور اب یہی اس کی دنیا تھی۔ ہما ایم ایس سی کیمسٹری کے بعد ایک اچھے کالج میں لیکچرار تھی اسے یوں بھی گھر کے کاموں میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی انو (انعم) نے بی اے کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا ایسا نہیں تھا کہ وہ ذہین نہیں تھی یا اسے پڑھنے کا شوق نہیں تھا۔ بس وہ بڑے ماموں کے اخراجات کا سوچ کر خاموش ہوگئی ماموں نے آگے ایڈمیشن لینے پر بہت زور دیا مگر وہ ان کا احساس کرتے خود ہی انکار کرتی رہی ماموں کا ایک اچھا ڈپارٹمنٹل اسٹور تھا جو ٹھیک ٹھاک چلتا تھا مگر وقت کے وقت بڑھتی ذمہ داریاں اخراجات اور ان کی گرتی صحت سے گھبرا کر اس نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن کردیا کہ جب آگے پڑھائی کا ارادہ ہوا تو آپ کو بتادوں گی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

چھوٹے ماموں اور ممانی اوپر کے پورشن میں رہتے تھے ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ممانی انو سے بہت لگاؤ رکھتی تھیں ممانی کا اپنا پارلر تھا وہ صبح نو بجے پارلر چلی جاتیں اور شام پانچ بجے آتیں جب بھی کوئی برائیڈ آجاتی تب وہ رات گئے پارلر میں ہی رہتیں ممانی نے اس کے تعلیمی اخراجات کے لیے ایک دو بار کہا مگر اس نے بڑے ماموں کی ناراضگی کے ڈر سے انہیں بھی انکار کردیا تھا۔

❖......□❖□......❖

شب برأت سے ایک دن پہلے بڑی خالہ کی آمد ہوئی تھی خالہ کا بیٹا احسن اور بیٹی ناجیہ بھی ساتھ ہی تھے خالہ کا ارادہ عید تک یہیں رکنے کا تھا اس کے بعد وہ ایک ڈیڑھ مہینہ اپنے سسرال رہنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ناجیہ کے لیے ان کے جیٹھ نے رشتہ بھی مانگا تھا اور اسی سلسلے میں وہ سنجیدگی سے سوچ رہی تھیں۔

"اماں...... احسن سے پوچھ کر اگر اس کی مرضی ہو تو میں انو سے بات پکی کردوں۔" وہ شام کی چائے کے لیے بلانے جارہی تھی جب خالہ کی آواز پر رک گئی۔

"کمال کرتی ہو...... ہوش کے ناخن لو...... انو کا کیوں؟ ثناء یا ہما کا مانگو...... بھائی کا بوجھ ہلکا کرو ثناء تو چلو ایک دو سال بڑی ہوگی مگر ہما تو چھوٹی ہے احسن سے اور انو نے پڑھائی بھی چھوڑ دی بیچ میں ہی اوپر والی (چھوٹی ممانی) نے لاکھ کہا آگے پڑھ لے پارلر کا کام سیکھ لے مگر اسے تو بس جھاڑو پونچے سے عشق ہے۔" نانی کے لہجے کی تلخی پہلی بار سماعت میں اتر رہی تھی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"اماں......!" خالہ نے حیرت سے ماں کی سمت دیکھا۔

"پندرہ سال ہوگئے پڑھایا لکھایا کھلایا اچھا لباس پہنایا ہر خوشی کا خیال رکھا میرا بیٹا پہلے ہی دو بیٹیوں کا باپ تھا ایک اور آگئی مجھے اسی دن کا خوف تھا جس دن یہ اس گھر کی اصل بیٹیوں کا حق کھائے گی ابھی چند دن پہلے ہی تمہاری بھابی (بڑی ممانی) بتارہی تھی اس کی ایک سہیلی کے توسط سے رشتہ آیا ابھی صرف لڑکے کی ماں آئی تھی

اسے پسند کرگئی گھر جا کر فون کردیا کہ ہمیں تو انعم پسند ہے۔" نانی کی نفرت کی وجہ سامنے آ گئی۔

"یہ تو نصیب کی بات ہے اماں۔" بڑی خالہ نے انہیں سمجھانا چاہا۔

"نصیب کی نہیں عقل کی بات ہے فوزیہ (امی) کے مرنے کے بعد جب سر پر باپ پہلے سے نہیں تھا معصوم بچی کو ہم ساتھ لے آئے نہ دادی نے سر پر ہاتھ رکھا نہ تایا تائی نے۔" نانی کے دل میں کب سے اس کے خلاف نفرت اور چڑ تھی ایسا کیوں تھا کیا اس کی ماں ان کی سگی اولاد نہیں تھی۔

"توبہ ہے اماں...... اس وقت یہ ضروری تھا اگر ہم بھی بچی کے سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو وہ لوگ ڈال آتے کسی یتیم خانے فوزیہ کو تو وہ لوگ صرف اس لیے برداشت کررہے تھے کہ بیوگی کے چند سال جو وہ زندہ رہی سسرال والوں کی نوکرانی ہی بنی رہی۔ میں نے مانا اماں کہ فوزیہ ابا کی دوسری بیوی کی اولاد تھی آپ کو اس سے جو نفرت اور عناد رہا وہ اپنی جگہ مگر اماں اس وقت ابا کی روح کے سکون کے لیے بھی تو ضروری تھا یہ سب؟" بڑی خالہ کے الفاظ نے دل میں ایک اور تیر پیوست کردیا تھا۔

"ابا کا سکون اور جو اس کو دیکھ دیکھ کر میرا سکون غارت ہوتا ہے سوکن کی بیٹی تو صرف ایک سال اس گھر میں رہی اور بیاہ کر چلی گئی تیرے ابا کی وفات کے بعد اس نے بیوگی کے باوجود ادھر کا رخ نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ مجھ سے اس کا وجود برداشت نہیں ہوتا مجھے اپنے ساتھ کی گئی زیادتی اور دھوکا یاد آجاتا تھا اس کی صورت دیکھ کر خود تو مرگئی مگر اسے مسلط کرگئی۔" نانی کی زہر آلود آواز سماعتوں کو بہرہ کرنے والی تھی ہاتھ میں پکڑی ٹرے گرنے کو تھی جب قدموں کی آہٹ سے وہ چونکی ہوئی۔

"کیا ہوا انو یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ثناء کچن سے نکلی اور اسے کھڑا دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکی اس کے چہرے کی اڑی رنگت اور بھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ثناء گھبرا سی گئی۔

"کیا ہوا انو تم ٹھیک ہو؟"

"ہوں...... ہاں...... یہ نانی اور خالہ کو چائے دینے آئی تھی تو چکر سا آ گیا۔" وہ واپس کچن کی طرف مڑ گئی چائے بھی ٹھنڈی ہوچکی تھی۔

"یہ مجھے دو...... چائے میں گرم کرکے دے آتی ہوں تم آرام کرلو کافی دنوں سے صفائی کا کام بھی تم کچھ زیادہ ہی دلجمعی سے کررہی ہو۔" ثناء نے اس کے ہاتھ سے چائے کے کپ لے کر اسے جانے کو کہا۔ اس گھر میں بڑے ماموں چھوٹے ماموں ممانی ثناء ہما کبھی کسی نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اس گھر میں زبردستی رہ رہی ہے کبھی کبھی بڑی ممانی کے رویے سے دل دکھتا تھا مگر وہ یہ سوچ کر نظر انداز کردیتی کہ ان پر دو بیٹیوں کی ذمہ داری ہے شاید اسی لیے اس کا وجود انہیں اضافی بوجھ لگتا ہو مگر آج نانی کی باتیں سن کر دل اندر سے چھلنی ہوا تھا نانا ابا نے نانی کو سوتن کا تحفہ دیا تھا فوزیہ اسی سوتن کی اولاد تھی جو اپنی ماں کے مرنے کے بعد باپ کے ساتھ اس گھر میں آ گئی نانی کو سوتن کی بیٹی برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے جھٹ پٹ اسے بیاہ دیا بیٹی کو اپنے گھر کا ہوتا دیکھ کر نانا ابا بھی عدم سدھار گئے ان کی وفات کے چند ماہ بعد ہی فوزیہ بھی بیوہ ہوگئی مگر اب میکے میں باپ نہیں تھا بلکہ سوتیلی ماں اور اس کے بیٹے بہویں تھیں بیوگی کی خبر سن کر وہ لوگ رسم دنیا نبھانے آئے اسے امید تھی کہ جاتے ہوئے وہ اسے ساتھ چلنے کو کہیں گے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا گود میں بچی تھی میکے سے بندھی امید ٹوٹی تو سسرال والوں کی خدمت پہلے سے زیادہ کرنے لگی پہلے بہو کی حیثیت سے کرتی تھی اب نوکرانی بن گئی۔ مسلسل دکھ سوچ اور کم خوراکی کی وجہ سے دق کا مرض لگ گیا کون اپنا تھا جو اسے ڈاکٹر کو دکھاتا علاج کراتا بات بگڑنے لگی بستر سے جا لگی تو ساس نے میکے میں فون کردیا کہ آ کر لے جائیں اپنی بیٹی کو مگر وہ کسی کی "اپنی" ہوتی تو کوئی آتا بس بڑی خالہ نے کسی کے ہاتھ کچھ رقم بھجوادی جو اس کے علاج پر خرچ کرنے کی بجائے دادی نے اپنے پاس رکھ لی۔

"بستر مرگ پر پڑی ہے رقم برباد کرنے والی بات

ہے۔" تب وہ چھ سال کی تھی فوزیہ بیماری کے ہاتھوں ختم ہوگئی اس کا جنازہ اٹھا تو بڑی خالہ نے روتی سسکتی انو کو ساتھ لگالیا۔

"اماں......اسے ساتھ لے چلیں یہاں کون ہے اس کا نہ باپ نہ ماں دادی کب تک زندہ رہے گی؟" تب اماں نے گھور کر بیٹی کو دیکھا۔

"تو لے جائے گی ساتھ آسٹریلیا؟"

"آسٹریلیا کیوں اماں یہاں گھر میں رہے گی سب کا بچا کچا کھالیا کرے گی' میں اس کے اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتی رہوں گی...... مان جاؤ...... ابا کی روح کے سکون کے لیے۔" بڑی خالہ نے اسے ساتھ لگالیا تھا۔

"دیکھ لے فوزیہ اس عورت کی بیٹی تھی جس نے ہمارے حق پر ڈاکہ ڈالا تھا اور یہ فوزیہ کی بیٹی ہے وہاں اس گھر میں اس کے وجود کو میں تیری خاطر برداشت کرلوں گی مگر کل کو یہ جوان ہوگی اور کوئی مسئلہ ہوگیا ناں تب میں تجھ سے پوچھوں گی۔" اور اب اتنے برسوں بعد جیسے وہ مسئلہ ہوگیا تھا ثنا کے لیے آنے والا رشتہ اس کا طلب گار بن گیا خود بڑی خالہ اپنے احسن کے لیے ہما کی بجائے اسے بہو بنانا چاہتی تھیں نانی کی نفرت جائز تھی غالباً۔

❖......□❖□......❖

بڑی خالہ نے احسن کے سامنے دو نام رکھے تھے ہما اور انو اس نے فوراً انو کا نام لے دیا فی الحال خالہ نے یہ جواب سن کر خاموشی اختیار کرلی نانی کی خاموشی اور سرد مہری ان کی ناراضگی کی غماز تھی۔ رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا وہ ثناء کے ساتھ کچن میں مصروف تھی جب بڑی خالہ آکر وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"انو...... بیٹا بات سنو۔"

"جی خالہ۔" وہ جو سحری کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی ہاتھ صاف کرکے ان کے پاس آبیٹھی۔

"بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟" ثناء کے باہر جاتے ہی انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی خالہ کہیں کیا بات ہے؟" وہ جو سب سن کر ہر حقیقت سے آگاہ ہوچکی تھی ان کے سامنے کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"بیٹا تمہاری چھوٹی ممانی نے اماں کے سامنے تمہارے لیے اپنے کزن کا رشتہ رکھا ہے لڑکا پرائیویٹ جاب کرتا ہے اپنا گھر ہے مگر بیٹا وہ پہلے شادی شدہ تھا اولاد نہیں ہے اور بیوی کے ساتھ بنی نہیں اس لیے علیحدگی ہوگئی۔ اماں جی کا خیال ہے کہ ایک یتیم بچی کے لیے جس کے سر پر ماں بھی نہ ہو اور جو یوں دوسروں کے در پر زندگی گزار رہی ہو اسی طرح کے رشتے آتے ہیں۔ یہ سب کہتے ہوئے میرا بھی دل دکھ رہا ہے بیٹا مگر یہ زندگی ہے اور دنیا بہت ظالم ہے یہ سب باتیں میں تمہارا دل مضبوط کرنے کے لیے بھی تم سے کہہ رہی ہوں اور اس لیے بھی تاکہ تم سمجھ سکو کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی کا یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کرو فرض کرو اگر تم اس رشتے پر راضی ہوجاؤ تو جو شخص پہلی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکا اس کے بارے میں کیا گارنٹی ہے کہ وہ تمہیں خوش رکھ سکے گا ایسی صورت میں اگر شادی ٹوٹتی ہے تو تمہارے لیے اس گھر میں واپسی کے راستے ویسے ہی بند ہوجائیں گے جیسے فوزیہ کے لیے ہوئے تھے اب دوسری بات......" خالہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے انو کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے احسن سے ہما اور تمہارے بارے میں اس کی پسند پوچھی تھی ہما اچھی لڑکی ہے مگر انو تم مجھے شروع سے عزیز ہو اللہ نے سوتیلی ہی سہی مگر فوزیہ کی شکل میں میری بہن والی خواہش پوری کی تھی میری کچھ مجبوریاں تھیں انو ورنہ میں تمہیں ساتھ آسٹریلیا لے جاتی اب احسن نے بھی تمہیں پسند کیا ہے مگر اماں جی اعتراض کررہی ہیں اگر تم احسن کے لیے ہاں کروگی تو اماں جی اور تمہاری چھوٹی ممانی اپنی اپنی جگہ تم سے ناراض ہوجائیں گی اور اگر تم اپنی چھوٹی ممانی کے کزن کے لیے ہاں کروگی تو زندگی نئے امتحان لے گی یہاں تو سب ذمہ داری ادا کرکے اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوجائیں گے مگر وہاں تمہارے ساتھ جو ہوگا

تمہیں وہیں رہ کر برداشت کرنا پڑے گا۔" بڑی خالہ بہت الجھی ہوئی تھیں۔

"میں عید کے بعد سسرال جاؤں گی ناجیہ کی منگنی کی رسم کرنی ہے مگر اس سے پہلے میں تمہیں خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تو میں کیا کروں خالہ؟" وہ روہانسی ہوگئی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"وہی جو تم دل سے چاہتی ہو۔" خالہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"مجھے معاف کردینا بیٹا میں احسن کو ہما کے لیے منا لوں گی مگر اس رشتے پر میں دل سے خوش نہیں ہوں گی یہ رشتہ میں اپنی ماں کی خوشی اور اپنا میکہ راضی رکھنے کے لیے کروں گی بھائی کی دو بیٹیاں ہیں بھابی بھی یہی چاہتی تھیں کہ میں احسن کے لیے ہما یا ثنا میں سے کسی کا رشتہ مانگ لوں۔" وہ نظریں جھکائے شرمندہ سی تھیں جیسے خود کو مجرم سمجھ رہی ہوں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر دوپٹے میں جذب ہونے لگے۔

"تم بس اپنی خالہ کو مجبور سمجھ کر معاف کردینا بیٹا۔" وہ ہاتھ باندھے سسکنے لگیں۔

"نہیں خالہ آپ کا کیا قصور بس مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں ممانی والے رشتے سے کیسے انکار کروں؟" واقعی اس کے دماغ میں بس یہی الجھن تھی۔

"دیکھو بیٹا میں یہ نہیں کہتی کہ میں تمہارے لیے جو سوچ رہی ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ اتنا غلط بھی نہیں ہے مجھے ایک کوشش کرلینے دو اگر ایسا ہوگیا جیسا میں نے سوچا ہے تو کم از کم تم ان رنگ برنگ کے رشتوں سے بچ جاؤں گی اماں تو اب جلد از جلد تمہیں بیاہنے کا ہی سوچیں گی ہر آنے والا رشتہ تمہیں پسند کرلیتا ہے تم ہو بھی تو اتنی پیاری۔" خالہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے محبت سے کہا۔

"آپ نے کیا سوچا ہے خالہ؟" وہ کچھ نہ سمجھ سکی وہ اسے آسٹریلیا بھی نہیں لے جاسکتی تھیں پھر کیا تھا ان کے ذہن میں۔

"اگر تم مجھے اپنی ماں کی طرح قابل اعتبار اور قابل احترام سمجھتی ہو ناں بیٹا تو بس تھوڑا انتظار کرو اور مجھے ایک کوشش کرلینے دو۔ رمضان المبارک کے مہینے میں خوب دعا کرو اپنے اچھے مستقبل کی بس پھر جو اللہ نے چاہا۔" خالہ نے اس کی طرف دیکھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے خالہ جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" اس نے ان پر بھروسہ کرکے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جیتی رہو۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر چلی گئیں۔

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ تھا گھر میں سب ہی روزے رکھ رہے تھے۔ نانی کو اگرچہ شوگر تھی مگر وہ روزہ نہیں چھوڑتی تھیں انو نے اپنے آپ کو بہت مصروف کرلیا تھا۔ عصر کی نماز ادا کرکے وہ کچن میں افطاری کی تیاری کر رہی تھی جب خالہ فون پر کسی سے بات کرتی وہاں سے گزریں ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ اور نرماہٹ تھی وہ بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتی کام میں مصروف ہوگئی سموسے فرائی کرتے ہوئے ذہن یونہی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا خالہ آج کل احسن اور ہما کی منگنی کی تیاریوں میں تھیں احسن کا دو تین دن موڈ آف رہا پھر وہ بھی ٹھیک ہوگیا اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا اللہ بہترین کارساز ہے ثنا کے لیے بھی ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا لڑکا دبئی میں سیٹل تھا نانی نے تھوڑی بہت چھان بین کے بعد ہاں کردی اب افطاری کے بعد دونوں بہنیں یا تو شاپنگ کے لیے چلی جاتیں یا نت نئی جیولری اور ڈریس ڈیزائن سرچ کرتی رہتیں ایسے میں ساری ذمہ داری انو پر آگئی اس دوران چھوٹی ممانی نے رشتے سے متعلق استفسار کیا اس نے بڑی خالہ کے اشارے پر انکار کردیا وہی چھوٹی ممانی جو اس سے محبت جتاتی تھیں اس انکار کے بعد اس کی سمت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔

"آسمان سے شہزادہ اترے گا اس کے لیے۔" نانی بھی بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہتیں وہاں سے اٹھ گئیں۔


English
سر نہ کُھجائیں..
Healthy ہوجائیں!
English
English
SHAMPOO
اصل کی پہچان HOLOGRAPHIC PRINT
5
Sarwana & Sohzsihm
antilice
@SnScan

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنے اختتام کو تھا خالہ دو دن کے لیے شہر سے باہر گئی تھیں وہ رات گئے تک نوافل ادا کرتی دیر تک اپنے دل کے سکون اور آسانی کے لیے دعا کرتی۔ عیدالفطر کی تیاریاں چل رہی تھیں سب کے لیے نئے کپڑے بن رہے تھے خالہ نے اس کے لیے بھی ایک جوڑا اور مہندی خریدی چاند رات کو احسن اور ہما کی باقاعدہ منگنی کردی گئی عید کے روز خالہ کا دیا جوڑا پہن کر بھی اسے اچھا نہیں لگا سب ناراض...... سب نالاں...... خالہ شرمندہ...... عید کے دوسرے روز ثناء کا بھی نکاح ہوگیا خالہ ناجیہ کی منگنی کے سلسلے میں انہیں دعوت دے کر خود اپنے سسرال چلی گئیں۔ ان کا ارادہ وہیں سے واپسی کا تھا گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے وہ لمحہ بھر کو اس کے پاس رکی تھیں۔

"میں نے ایک چھوٹی سی کوشش کی تھی مگر شاید بے حسی ہر طرف گھر کرچکی ہے بس تم اب جو بھی رشتہ آئے ہاں کردینا۔" وہ بات مکمل کرکے گاڑی میں بیٹھ گئیں نہ جانے انہوں نے کیا کوشش کی تھی ایک ہفتے بعد سب لوگ ناجیہ کی منگنی میں جانے کے لیے تیار ہورہے تھے جب وہ تیار ہوکر نکلی تو نانی نے روک دیا۔

"تم نہیں جاؤ گی انو۔"

"کیوں اماں؟" بڑی ممانی نے حیرت سے ان کی سمت دیکھا۔

"منگنی والا گھر ہے سارے خاندان کے لوگ بھی ہوں گے اور ناجیہ کے سسرال والے بھی جب سب کو پتا چلے گا کہ ثنا اور ہما کا رشتہ ہوگیا مگر سوتن کی نواسی کا رشتہ نہیں کیا تو سب لوگ باتیں کریں گے اب کسی کو کیا بتائیں کہ خیر سے ہماری انو کے نخرے ہی بہت ہیں کوئی رشتہ اسے پسند ہی نہیں آتا۔" نانی کا غصہ پہلے سے سوا تھا وہ سر جھکا گئی۔

"ہاں کہہ تو اماں ٹھیک رہی ہیں۔" چھوٹی ممانی نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ٹھیک ہے چلو پھر۔" نانی نے اسے دوبارہ اندر جانے کا اشارہ کرکے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"انو کہاں ہے اماں؟" بڑے ماموں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی غیر موجودگی محسوس کی۔

"اس کا دل نہیں تھا جانے کو اور رات تک تو ہم لوگ واپس آہی جائیں گے فکر کی کوئی بات نہیں۔" نانی نے انہیں مطمئن کیا' وہاں پہنچے تو خالہ نے بھی اس کے متعلق پوچھا تھا۔

"سمجھا کرو...... لوگ باتیں بناتے......" نانی کی بات پر وہ بھی خاموش ہوگئیں۔

❖......◻❖◻......❖

وقت گزرتا رہا ایک سال میں ثنا کی شادی ہوگئی اور وہ دبئی چلی گئی' ناجیہ بھی آسٹریلیا سے فرانس چلی گئی احسن اور ہما کی شادی خالہ کے دوبارہ آنے تک ملتوی ہوگئی' چھوٹی ممانی نے انو سے بالکل قطع تعلق کرلیا تھا' نانی کا وہی رویہ کبھی نرم کبھی سخت' بڑی ممانی نے ثناء کی شادی کے بعد گھر کے کاموں کی ساری ذمہ داری اس پر ڈال دی' اس دوران اس کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا جسے یہ کہہ کر انکار کردیا گیا کہ فی الحال ثنا اور ہما کی شادی کی وجہ سے بہت اخراجات ہوگئے۔ بڑی ممانی نے تو صاف کہہ دیا۔

"بھئی ابھی چار پانچ سال تو کوئی انو کی شادی کا نام بھی نہ لے میں عادی نہیں اتنے کام کی بیٹیوں نے ملکہ بنا کر رکھا ہوا تھا عادت ہوگی کام کی تو انو کو رخصت کرنے کا سوچیں گے کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا تو میں انو کو کہیں جانے ہی نہ دیتی۔" اور بات کا یہ آخری حصہ انو کو خوشی نہ دیتا اب وہ لوگوں کے دوغلے رویے اور مطلب پرستی سمجھنے لگی تھی۔

❖......◻❖◻......❖

سال گزرا اور پھر رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کو تھا خالہ کا فون آیا اور وہ عید کے فوراً بعد آنے کا کہہ رہی تھیں' ان کا ارادہ احسن اور ہما کی شادی کا تھا۔ اس سال بھی رمضان المبارک کی تیاری شب برأت کے روز سے ہی شروع ہوگئی تھی اس نے چھوٹے ماموں کو لسٹ دے کر سارا سامان منگوالیا بڑی ممانی پہلے سے زیادہ آرام

پسند ہوگئی تھیں۔ رمضان المبارک اپنی رحمتیں اور برکتیں نچھاور کرتا گزر رہا تھا وہ اس سال بھی اپنے لیے آسانی اور بہتری کی دعائیں کررہی تھی‘ دوسرا عشرہ تھا وہ عصر کی نماز کے بعد تلاوت کررہی تھی جب گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا کچھ ہی دیر بعد ڈور بیل بجی تھی اس نے قرآن پاک جزدان میں لپیٹ کر رکھا اور گیٹ تک آئی تھی دروازہ کھولنے پر جو شخص نظر آیا وہ اس کے لیے قطعی انجان تھا اونچا لمبا قد‘ کسرتی جسم اور چہرے پر سنجیدگی۔

”یہ فیاض احمد صاحب کا گھر ہی ہے ناں۔“ اس نے بڑے ماموں کا نام لیا۔

”جی.....ان کا گھر ہی ہے۔“

”میں لاہور سے آیا ہوں‘ میرا نام سکندر ہے سکندر اعجاز۔“ اس نے تعارف کرایا اور اس نام سے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا یہ نام اس کے ماضی کا حصہ تھا جب وہ بہت چھوٹی تھی۔

”سکندر اعجاز.....؟“ اس نے اس کے چہرے کے نقوش کو غور سے دیکھا۔

”مجھے صالحہ آنٹی سے ملنا ہے۔“ اس نے بڑی خالہ کا نام لیا۔

”جی وہ تو یہاں نہیں ہوتیں وہ تو آسٹریلیا میں رہتی ہیں آپ کو کیا کام تھا ان سے؟“ وہ اسے پہچاننے کی کوشش کررہی تھی۔

”اوہ.....اچھا.....تو پھر میں انعم اعزاز سے مل سکتا ہوں۔“ وہ کچھ سوچنے کے انداز میں لحظہ بھر کو رکا اور پھر اس سے اسی سے ملنے کی اجازت لے رہا تھا۔

”جی میں ہی ہوں انعم اعزاز۔“ ایک عرصے کے بعد کسی نے اسے مکمل نام سے پکارا تھا اس کے خود کو متعارف کرانے پر مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

”انعم.....اوہ.....آجائیں امی۔“ وہ وہیں سے گردن گھما کر گاڑی میں بیٹھی شخصیت سے مخاطب ہوا اور ایک باوقار سی خاتون گاڑی سے اتر کر اب اسی طرف آرہی تھیں‘ وہ پہچان گئی تائی امی تھیں وہ ان کے چہرے پر بڑی نرم سی مسکراہٹ تھی۔ کچھ ہی دیر میں سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے بڑی خالہ کو فون ملایا گیا تھا۔

”آپا.....انو کی تائی اور اس کا بیٹا آئے ہیں انو سے اور آپ سے ملنے یہ کیا معاملہ ہے آپا اتنے سالوں بعد انہیں کیسے یاد آگئی؟“

”اچھا وہ لوگ آگئے؟“ ان کے لہجے سے خوشی نمایاں تھی۔

”کیا مطلب آپا؟“ بڑی ممانی نے مڑ کر نانی کو دیکھا۔

”ہاں بس یہی کہ ان لوگوں کو خیال آ گیا ذرا انو کو دینا فون۔“ ان کے اصرار پر بڑی ممانی نے اسے فون تھمادیا۔

”جی خالہ۔“

”انو غور سے میری بات سننا ان لوگوں کو پچھلے سال میں نے تمام حالات سے مطلع کیا تھا اور یہ ضروری تھا بعض اوقات ہم اپنے حالات اور مجبوریاں شرم کے مارے دوسروں سے چھپا کر خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں بہرحال وہ تمہارے اپنے ہیں انو خون کی کشش کبھی نہ کبھی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ تمہارے ابو کے خاندان والے ہیں وہ انہوں نے آنے میں دیر ضرور کردی مگر انو وہ تمہیں ساتھ چلنے کو کہیں تو ایک منٹ کی دیر نہ لگانا یہاں تمہارا مستقبل گھر کی ملازمہ بن کر رہنا ہی ہے اور اگر فیاض بھائی کے اصرار پر کہیں رشتہ ہو بھی گیا تو سوچ لو اماں یا بڑی بھابی کسی اچھی جگہ تو رشتہ ہونے نہیں دیں گی اگر وہ تمہارا بھلا چاہتیں تو جب میں نے احسن کے لیے تمہارا نام لیا تھا وہ خوشی سے اس رشتے کی حمایت کرتیں خیر جو ہونا تھا وہ ہوگیا تم انہیں بھی آزمالو۔“ خالہ کی ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

”میں نے بہت سال پہلے تمہاری دادی کے گھر کے ایڈریس پر کسی کے ہاتھ فوزیہ کے علاج کے لیے پیسے بھجوائے تھے اسی ایڈریس پر خط لکھا تھا۔ ایک کوشش کی تھی دیر سے ہی سہی مگر رنگ لے آئی آخر آ ہی گئے وہ لوگ۔“

خالہ خوش تھیں وہ بھی خوش تھی اور اس خوشی کی وجہ کیا تھی وہ

خود نہیں سمجھ سکی تھی۔
"مگر خالہ...... اس طرح واپسی کے دروازے بند ہوجائیں گے نانی مجھے احسان فراموش سمجھیں گی۔" وہ پھر الجھنے لگی۔
"فی الحال تم کچھ مت سوچو انو وہ میرے ایک خط پر آگئے انہوں نے میرا مان رکھا تم چلی جانا بس۔" خالہ نے سمجھانا چاہا۔
"جی خالہ۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔
وہ دوبارہ ٹی وی لاؤنج میں آئی تو وہاں کا منظر عجیب تھا نانی اور بڑی ممانی برہم نظر آرہی تھیں ماموں کو بھی بلالیا گیا تھا۔
"اتنے سال یاد نہیں آئی آپ کو انو کی۔"
"اب آ گئی یاد تو آگئے لینے اتنے سال ہم نے کھلایا پلایا پڑھایا تب کہاں تھے آپ لوگ؟" نانی کی بات پر سکندر اٹھ کھڑا ہوا۔
"آپ اخراجات کا سارا حساب لکھ کر دے دیں ہم کلیئر کردیں گے۔" جوان خون تھا غصہ آ گیا فیاض ماموں نے اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
"برخوردار میں معذرت چاہتا ہوں یقیناً ہم کسی ایک کی سزا سب کو نہیں دے سکتے انعم کے سر پر اس کی دادی نے ہاتھ نہیں رکھا اس کے لیے ہم لوگ آپ کو قصوروار نہیں کہہ سکتے انعم آپ لوگوں کا خون ہے پھر بھی اس بچی سے پوچھ لیں وہ اگر جانا چاہتی ہے تو ٹھیک ہے۔" ماموں نے معاملہ سنبھالا۔
"کیوں انو؟" نانی نے کٹیلی نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔
"میں کبھی اپنے ابو کی قبر پر نہیں گئی کبھی دوبارہ ابو کے گھر نہیں گئی ایک بار ہو آؤں اب یہ لوگ آگئے ہیں تو عید کے بعد آجاؤں گی۔" وہ بہت ڈرے سہمے لہجے میں بولی۔
"عید کے بعد...... گھر کون سنبھالے گا انو...... کمال کرتی ہو۔" بڑی ممانی نے سب کی پروا کیے بغیر کہہ دیا سکندر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔
"تم پیکنگ کرلو انو جاؤ بیٹا اپنے تایا ابا سے بھی مل آؤ یہ لوگ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت بیمار ہیں۔" ماموں نے اس کی الجھن آسان کی وہ پندرہ منٹ میں ہی بیگ لے کر آ گئی۔
"آپ لوگ افطاری کر کے جایئے گا کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔" ماموں نے مروتاً کہا ورنہ وہ جانتے تھے کہ آج تو اس سارے معاملے میں افطاری کی تیاری رہ ہی گئی ہوگی۔
"جی نہیں شکریہ ہم لوگ راستے میں افطاری کرلیں گے ہم لوگ آ تا تو رمضان سے پہلے جا رہے تھے بس اس کے والد کی بیماری کی وجہ سے دیر ہوگئی۔" تائی اپنا پرس سنبھالتیں اٹھ گئیں۔
"چلو بیٹا' سفر بہت لمبا ہے دیر ہوجائے گی۔" تائی امی نے اسے چلنے کا اشارہ کیا سب سے مل کر وہ ان کے ساتھ ہولی کیسے چند گھنٹوں میں وہ یہاں سے جا رہی تھی کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں آناً فاناً ٹھکانہ بدل جائے گا ماموں سے ملتے ہوئے وہ رو ہی پڑی۔
"تمہارا کزن تو بڑا شاندار ہے انو۔" ہما نے شرارت سے کان میں سرگوشی کی' تائی اور ممانی کے چہرے اڑی رنگتوں کے ساتھ دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔
"ایک مہینہ...... ایک مہینہ کیسے گزرے گا آپ نے جانے کیوں دیا' آگئے حق دار بن کر۔" ممانی نے ان کے جانے کے بعد اپنا غصہ نکالا۔
"کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہے انو کہ ہم حق ملکیت کا دعویٰ کریں اور نہ ہی ہماری ذاتی اولاد ہے کہ حکم چلا کر جانے سے منع کردیں اپنی خوشی سے گئی ہے۔" وہ غصے سے کہتے افطاری کا سامان لینے بازار چلے گئے اذان بس ہونے ہی والی تھی۔

❖......□❖□......❖

سکندر نے افطاری کے لیے گاڑی روکی' کھجوریں' پکوڑے اور پانی وغیرہ لے کر دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھا۔
"دیر بہت ہوگئی ہے فی الحال ایسے ہی افطاری کرلیں

نماز بھی عشا کے ساتھ ادا کرلیجیے گا۔" اس نے افطاری کا سامان تائی امی کو پکڑایا۔

"ہاں سفر تو ابھی باقی ہے گھر میں اطلاع کردی تم نے کہ انعم ہمارے ساتھ آرہی ہے۔"

"جی کردی۔" اس نے تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف مرکوز کردی دس منٹ بعد اذان مغرب ہوگئی روزہ گاڑی میں ہی افطار کیا گیا تھا۔

"اتنی خاموش کیوں ہو بیٹا لو اور کھاؤ...... ابھی بہت سفر باقی ہے اور تم روزے سے بھی تھی اوپر سے یہ ذہنی تناؤ خیر جو ہوا سو ہوا اب تم ٹھیک سے کھاؤ۔" تائی نے بات کے آخر میں گھر کا۔

"جی۔"

"سر میں بہت درد ہورہا ہے سکندر ذرا اچھی سی چائے بھی پلوادو۔" تائی نے ہلکا سا سر دبایا۔

"جی ضرور آگے سے لیتے ہیں۔" اس نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کردی تائی امی تسبیحات میں مصروف ہوگئیں وہ گاڑی سے باہر بھاگتے مناظر کو دیکھنے لگی پیچھے سب کیا سوچ رہے ہوں گے خالہ نے ایسا کیوں کیا یہ لوگ اتنے سال کیوں نہیں آئے سوچ سوچ کر سر دکھنے لگا تو اس نے آنکھیں موند لیں۔

"چائے۔" سکندر کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی باہر اچھا خاصا اندھیرا چھا ہوچکا تھا اس نے چائے کا کپ تھام لیا۔

"امی آپ کی بغیر چینی کی چائے۔" اس نے اب تائی امی کو مخاطب کیا۔

"ہاں بھئی بہت سخت ضرورت تھی چائے کی؟" انہوں نے مگ تھام لیا وہ لوگ جی ٹی روڈ کے راستے جارہے تھے اس راستے پر بہت ٹریفک تھی۔ رات گہری ہورہی تھی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس اور سڑک کی لیمپ پوسٹس اور گاڑیوں کے ہارنوں کی آوازیں انعم کی زندگی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

"تھک گئی ہو؟" چائے پی کر دوبارہ سفر کا آغاز ہوا۔

"جی کبھی سفر کیا نہیں پہلی مرتبہ گھر سے دور جارہی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"گھر سے دور نہیں گھر جارہی ہو بیٹی تم اپنے ابو کے گھر اپنے گھر جارہی ہو۔" تائی امی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"میرا گھر......؟" اس نے بے حد حیرت سے تائی امی کی طرف دیکھا سکندر نے بیک مرر سے پیچھے دیکھا اس کی آنکھوں میں کرب واضح تھا۔

"ہاں جب جاؤ گی تو سب سمجھ جاؤ گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا وہ خاموشی سے ایک بار پھر باہر دیکھنے لگی۔

تقریباً چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ لوگ شہر میں داخل ہوگئے سکندر نے فون کرکے کسی کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہا کچھ ہی دیر میں وہ لوگ پوش ایریا میں ایک شاندار سی عمارت میں داخل ہورہے تھے۔

❖......□❖□......❖

قورمہ شامی کباب اور تازہ روٹیاں وہ فریش ہوکر ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو کھانا تیار دیکھ کر بھوک چمک اٹھی۔

"آجاؤ بیٹا۔" تائی امی نے اشارہ کیا اس نے تایا ابا کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا مگر ڈائننگ ٹیبل پر سکندر تائی امی اور آخر میں وہ آنٹی جو کھانا سرو کررہی تھیں آبیٹھیں۔

"کیا ہوا کیا دیکھ رہی ہو بیٹا؟"

"تایا ابو کہاں ہیں؟"

"تمہارے تایا ابو اسپتال میں ہیں انہی کی خراب حالت کی وجہ سے ہم لوگ تمہیں لینے نہیں آسکے اور اب انہی کی خواہش تھی کہ تمہیں لے کر آئیں ثانیہ ہے اپنے بابا کے پاس میری بیٹی سکندر کی چھوٹی بہن ہم لوگ بھی صبح چلیں گے چلو آؤ اب کھانا کھاؤ۔" انہوں نے اسے ساری بات بتا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کھانا واقعی بہت مزے کا تھا کھانا کھا کر سکندر اسپتال جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"صبح چلے جانا بیٹا اتنا سفر کرکے آئے ہو تھک گئے ہوگے ابھی فون کرکر کے پوچھ لو۔" تائی امی نے فکر مندی

سے اس کی سمت دیکھا۔
"جی امی بس بابا کو دیکھ کر اور مظہر بھائی کو اسپتال ڈراپ کر کے آتا ہوں۔" اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اپنے بہنوئی کا ذکر کیا۔
"اللہ بھلا کرے مظہر کا بہت ساتھ دے رہا ہے ثانیہ کے میاں کی بات کر رہی ہوں۔" بات کے آخر میں وہ انو کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"ٹھیک ہے میں بس ایک گھنٹے تک آیا۔" وہ باہر نکل گیا۔
"آپا ایک کپ چائے مل جائے گی' گھر کی چائے کی اور ہی بات ہے۔" تائی امی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سے اٹھ کر ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئیں' دمبری آنٹی اثبات میں سر ہلاتی برتن سمیٹنے لگیں وہ شاید کوئی پرانی بااعتماد ملازمہ تھیں۔
"آجاؤ انعم بیٹی۔" تائی امی نے صوفے پر اس کے لیے جگہ بنائی۔
"چائے پی کر نماز پڑھ لو اور پھر سو جاؤ تھک گئی ہو گی سحری کے وقت بھی اٹھنا ہے۔"
"سحری کے وقت میں اٹھ جاؤں گی سحری بنانے کے لیے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"ارے نہیں آپا اور میں مل کر بنالیں گے تمہیں آتے ہی کام پر لگا دوں ہم دونوں کچن کا کام کر لیتی ہیں گھر کے باقی کاموں کے لیے ملازمہ آتی ہے جب تک چائے آتی ہے تم اپنی نانی یا ماموں کو اطلاع دے دو آنے کی۔" انہوں نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔
"جی تائی امی۔" اس نے ان کے اشارے پر فون اٹھا لیا' فون ماموں نے ہی اٹھایا تھا وہ شاید نماز تراویح پڑھ کر آئے تھے۔
"خوش رہو بیٹا جب دل چاہے فون کر دینا ہم لینے آجائیں گے۔" انہوں نے بہت شفقت سے بات کر کے فون رکھ دیا تھا خالہ کو صبح فون کرنے کا ارادہ تھا ان کا ٹائم یہاں سے پانچ گھنٹے آگے تھا وہ یقیناً اس وقت آرام کر رہی ہوں گی' چائے پی کر وہ تائی امی کے ساتھ کمرے میں آ گئی اس کا کمرہ بہت کشادہ' صاف ستھرا اور ہوادار تھا۔
"چلو بیٹا اب تم آرام کرو میں بھی نماز پڑھ لوں۔" وہ اسے کمرہ دکھا کر چلی گئیں یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا یہ لوگ اچانک اتنے مہربان کیوں ہو رہے تھے۔ اب لوگوں کو پہچاننا اور بھی مشکل لگنے لگا تھا۔

❖......□❖□......❖

سحری کے وقت آپا نے سحری لگا کر سب کو جگایا نماز فجر کی ادائیگی اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد تائی امی کسی ضروری کام سے کچن میں چلی گئیں شاید تایا ابو کے لیے سوپ وغیرہ وہ خود بناتی ہوں آپا گھر کی پرانی ملازمہ تھیں سکندر نے انہیں ایک گھنٹے تک تیار رہنے کو کہا تھا۔
"تم تیار ہو جاؤ بیٹا میں تمہارے تایا ابو کا کھانا اور کپڑے پیک کر لوں پھر چلتے ہیں۔" وہ کچن کے دروازے میں آ کر معروف سے انداز میں بولیں اسے یک دم ممانی کا خیال آ گیا آج انہوں نے کیسے سحری بنائی ہو گی؟
"جی تائی امی۔" وہ کمرے میں چلی گئی۔
کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ اسپتال میں تھے تایا ابو کی حالت اب کافی بہتر تھی اسے دیکھتے ہی وہ خوشی سے رونے لگے پھر اسے اشارے سے بلا کر سر پر ہاتھ رکھا' ثانیہ بھی بہت محبت سے ملی۔ اسے دیکھ کر انو کو ہما اور ثنا یاد آ گئی۔
"بہت انتظار کیا ابو نے تمہارا۔" ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر ان کے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا اس نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا ابو کی جھلک تو ہو گی ان میں وہ جیسے اس کی بات سمجھ گئے تھے۔
"بابا کی آنکھیں اور سمائل (مسکراہٹ) بالکل چاچو جیسی ہے مجھے چاچو تھوڑے بہت یاد بھی ہیں اور ہمارے پاس پرانی البم بھی ہے۔" سکندر نے جیسے دل کی بات پڑھ لی تھی تائی امی انہیں سہارے سے بٹھا کر سوپ پلانے لگیں۔
"اب میں یہاں رکوں گی تم ثانیہ اور مظہر کو گھر چھوڑ آؤ

انعم ابھی یہیں ہے پھر دو چار گھنٹے تک اسے بھی لے جانا۔" تائی امی نے سکندر کو ہدایت کی وہ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا دو گھنٹے تایا ابو اور تائی امی نے ڈھیروں باتیں کیں۔

"ہم لوگ بہت شرمندہ ہیں بیٹی! جب تک اماں زندہ رہیں ہم ان کی مرضی اور خوشی کے پابند رہے لیکن اندر ہی اندر یہ احساس ملامت کرتا تھا کہ ہم اعزاز کی بیٹی کا شرعی حق دبوچے بیٹھے ہیں کئی بار سوچا کہ تم سے رابطہ کریں معافی مانگیں مگر ہر بار یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے تھے کہ تم اپنے ننھیال میں خوش ہو ہم لوگوں سے یقیناً نفرت کرتی ہو اگر تمہیں ہمارے بارے تھوڑا بہت بھی خیال ہوتا تو تمہارے ننھیال والے کبھی تو فون پر بات کراتے' ملنے ملانے لاتے' اماں کی وفات کے بعد ہم نے وہ گھر کرائے پر دے دیا اور یہ نیا گھر بنالیا۔ ثانیہ کی شادی' سکندر کی جاب اور پھر تمہارے تایا ابو کی بیماری بس زندگی انہی جھمیلوں میں مصروف تھی' تمہارے تایا ابو زیادہ بیمار رہنے لگے سکندر کو بھی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہوتا تھا اس مکان کی حالت اب خراب ہوتی جارہی تھی ہم سب نے یہی سوچا کہ اسے بیچ کر تمہارا حصہ تمہیں دے دیا جائے تاکہ ہمارے سر سے بوجھ اترے مگر اس مکان کو ہم تمہاری مرضی اور قانونی کارروائی کے بغیر بیچ بھی نہیں سکتے تھے تمہارے تایا ابو کا کہنا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ہی ضمیر کا بوجھ اتارنا چاہتے ہیں' بھائی بھابی کی روح کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں' انہی دنوں کرایہ دار نے بتایا کہ آپ لوگوں کا خط آیا ہے۔ وہ خط تمہاری خالہ کا تھا انہوں نے وہاں کے تمام حالات سے آگاہ کر کے تمہیں اپنانے کی پہلی اور آخری درخواست کی تھی تمہاری خالہ چاہتی تو اپنوں کی کوتاہیوں پر پردہ ڈال کر تمہاری زندگی کو وقت کے ہاتھوں میں دے دیتیں مگر ہمیں خط لکھ کر انہوں نے نہ صرف ہمت سے کام لیا بلکہ ہمارا بھی امتحان لیا۔ فرض تو ہمارا تھا بہرحال ہم لوگ تو پہلے ہی اس انتظار میں تھے کہ تم سے رابطہ ہو تمہارے تایا ابو بہت خوش ہوئے ہم لوگ تو رمضان سے پہلے ہی آنے والے تھے مگر تمہارے تایا ابو کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ انہیں ایک لمحہ بھی اکیلے چھوڑنا مناسب نہ تھا تین ماہ پھر گزر گئے اب ڈاکٹرز نے تسلی دی ثانیہ اور مظہر چھٹی لے کر آئے تو ہمارے لیے آسانی ہوئی اسی لیے ہم ذرا دیر سے آئے تمہیں لینے۔" تائی امی آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے ساری کہانی سنانے لگیں تو وہ بھی رو دی۔

"ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ ایک ہفتے تک ڈسچارج کردیں گے انہیں پھر ہم لوگ مکان کا کام بھی نمٹالیں گے اور تم بھی آگے ایڈمیشن لے لینا۔" تائی امی کی بات پر وہ چونکی یعنی وہ لوگ اسے ہمیشہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے اس کی آنکھیں بھرا گئیں وہاں گھٹن بڑھنے لگی تو پیارے مہربان اللہ نے ایک بند دروازہ کھول دیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟ عید پر تم اپنے ماموں سے ملنے بھی جانا۔" انہوں نے ایک اور الجھن حل کی' بہرحال وہ اپنے ننھیال میں اتنے سال رہی تھی اگر نانی اور ممانیاں اس سے چڑتی تھیں تو ماموں' ہما' ثناء اور خالہ اس کے ہمدرد بھی تھے اگر خالہ ہمدردی نہ دکھاتیں تو آج وہ کسی کی دوسری بیوی بن گئی ہوتی یا پھر وہاں سب کی خدمت گزاری میں مصروف ہوتی۔

❖......□❖□......❖

وہ سکندر کے ساتھ گھر آ گئی وہ آفس جارہا تھا اس کے جاتے ہی وہ کچن میں آ گئی آپا کام میں مصروف تھیں۔

"کیا پکارہی ہیں آپا میں مدد کروں؟" وہ یوں بھی بور ہورہی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا تم ٹی وی دیکھو آرام کرو میں تو بھائی صاحب کے لیے دلیہ اور یخنی پکا رہی ہوں دوپہر میں اسپتال بھجوانا ہے کھانا پھر عصر کے بعد افطاری کی تیاری کروں گی بہت ٹائم ہے ویسے بھی میں ہفتہ وار کباب' سموسے' رول وغیرہ بنا کر فریز کردیتی ہوں بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔" آپا محبت سے اس کے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے تفصیل بتانے لگیں۔

"دن کو کون لے کر جائے گا کھانا؟" اس نے سکندر کی غیر موجودگی میں کسی اور مرد کو دیکھا نہیں تھا۔

"ثانیہ اور مظہر لے کر جائیں گے بس کچھ دن کی بات ہے بھائی صاحب گھر آ گئے تو سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر۔" آپا نے لہسن چھیل کر پلیٹ میں رکھا۔

"ثانیہ اور مظہر کہاں ہوتے ہیں اور اس وقت گھر پر ہیں کیا؟" اس نے حیرت سے باہر کی سمت دیکھا کیونکہ اتنے بڑے گھر میں اسے وہ دونوں صبح سے دکھائی تو نہیں دیے تھے۔

"وہ دونوں کراچی میں ہوتے ہیں بس ثانیہ سے باپ کی بیماری کا سن کر رہا نہیں گیا رمضان کے مہینے میں ہی آ گئی اور ابھی وہ لوگ اپنے ہی گھر پر ہیں مظہر کا آبائی گھر یہیں لاہور میں ہی ہے ثانیہ اور مظہر دونوں ہی جاب کرتے ہیں تو کم ہی آنا جانا ہوتا ہے۔" آپا تفصیل بتانے کے ساتھ ہاتھ بھی چلاتی رہیں۔

"اب تم پوچھو گی کہ میں کون ہوں؟ تو میں تمہارے ابا اور تایا کی دور کی رشتے دار ہوں جب تمہاری دادی بہت بیمار ہوئیں تو میں گاؤں آ گئی ان کی خدمت کے لیے میں شادی کے چار سال بعد ہی بیوہ ہو گئی تھی اولاد تھی نہیں میکے والوں پر بوجھ بننے کے بجائے یہاں آ گئی تھوڑی بہت نرسنگ جانتی تھی بس جب تک تمہاری دادی زندہ رہیں ان کی خدمت کرتی رہی بعد میں یہیں روک لیا بھابی نے وہ دن اور آج کا دن بس میں یہاں کی ہی ہو کر رہ گئی۔" بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔

"یعنی میری اور آپ کی زندگی میں ایک بات مشترک ہے ہم دونوں ہی اپنے ٹھکانے چھوڑ کر یہاں آ گئیں۔" وہ مسکرائی۔

"میں تو اب آخر دم تک یہیں ہوں تمہارا پتا نہیں دل لگتا ہے کہ نہیں۔" وہ اٹھ کر چولہے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں وہ پاس رکھا دلیہ اٹھا کر پکانے کی غرض سے ان کے پاس آ گئی۔

"دل تو لگانا پڑتا ہے آپا وہاں بھی لگا رکھا تھا جب ماں باپ کا سایہ نہ ہو تو ایسے ہی ٹھکانے ملتے ہیں۔" وہ سر جھکائے دوسرا چولہا جلانے لگی آپا نے اسے منع نہ کیا اور اس کے دکھ کو دل سے محسوس کیا تھا۔

❖……□❖□……❖

ایک ہفتے میں گھر کے لوگوں کے مزاج، طور طریقہ وہ کچھ تو سمجھ ہی گئی تھی تایا ابو گھر آئے تو جیسے سب نے سکون کا سانس لیا اس روز افطاری میں بھی خاص اہتمام کیا گیا تھا آس پڑوس میں بھی بھیجی گئی اس کے ہاتھ کے سموسے اور کباب سب کو ہی بہت پسند آئے تھے۔ اس رات اس نے ماموں ممانی کو بھی فون کیا نانی سے بات کرنی چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

"واپس کب آ رہی ہو؟" ممانی نے پوچھا شاید وہ کاموں سے گھبرا گئی تھیں۔

"واپس...... عید کے بعد شاید۔" وہ یونہی بلا سوچے سمجھے جواب دے رہی تھی عقب میں قدموں کی آواز سن کر مڑ کر دیکھا سکندر شاید تراویح پڑھ کر آیا تھا۔

"تم واپس جانا چاہتی ہو نا؟" وہ یوں بے تکلفی سے پہلی بار مخاطب ہوا تھا۔

"نن...... نہیں...... وہ تو یونہی کہہ دیا ان کی ناراضگی کے ڈر سے۔" اس نے سچ کہا۔

"دوسروں کی ناراضگی کا خیال اب دل سے نکال دو تو بہتر ہے زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب حد سے زیادہ خوش اخلاقی اور مروت سے انسان اپنا نقصان کرنے لگتا ہے اپنی ذات کو مقدم رکھ کر پھر دوسروں کا خیال رکھو عام انسان ہو عام ہی رہو۔" وہ نہ جانے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا وہ بس جی کہہ کر وہاں سے چلی گئی اپنے کمرے میں آ کر بھی وہ اس کی کہی بات پر غور کرتی رہی کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا عام انسانوں کی طرح اس کے بھی جذبات واحساسات تھے دوسروں نے کیا صلہ دیا اپنی بیٹیوں کے بہتر مستقبل کے لیے اس گھر میں اسے دیوار سے لگایا جا رہا تھا صحیح تو کہہ رہا تھا وہ خوش اخلاقی اور مروت میں ہم اپنا ہی نقصان کرنے لگتے ہیں۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا تایا ابو نے وکیل کو

بلا کر تمام کاغذات پر اس کے دستخط کرا لیے تھے وہ سکندر کے ساتھ جا کر اپنا اکاؤنٹ بھی کھلوا آئی تھی باقی رقم کی ادائیگی عید کے بعد ہونا تھی تائی امی نے اسے ثانیہ کے ساتھ بازار بھیجا تاکہ وہ عید کے لیے نئے جوڑے چوڑیاں، جیولری اور باقی سامان بھی لے آئی تھی۔

"بھئی اب تو تم لکھ پتی بن گئی ہو خوب شاپنگ کرو گھومو پھرو کھاؤ پیو۔" ثانیہ نے اسے چھیڑا۔

"مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ بے یقینی سے اپنی شاپنگ دیکھنے لگی، وہاں کبھی محسوس ہی نہیں ہوا تھا کہ اسے نئے کپڑوں کی ضرورت ہے یا اس کی بھی کوئی پسند ناپسند ہے ہما اور شاہی اس کے لیے کپڑے لے آتی تھیں اور بعض اوقات اپنے نئے کپڑے لاتیں تو ایک دو مرتبہ کے پہنے ہوئے اسے دے دیتیں اور وہ اسی میں خوش ہو جاتی کبھی اپنی مرضی سے شاپنگ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی سکندر نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

جن کے سر پر ماں باپ کا سایہ سلامت ہوتا ہے ان کے لیے یہ خوشیاں معمول کا حصہ ہوتی ہیں ماں باپ اپنی حیثیت کے مطابق بچوں کی خواہشات کا خیال رکھتے ہیں خصوصاً بیٹیوں کے نخرے تو ماں باپ ویسے بھی خوب اٹھاتے ہیں اسے یاد تھا شادی سے پہلے امی ابو ثانیہ کے خوب لاڈ اٹھاتے تھے اس کی عید کی شاپنگ ہی ختم نہیں ہوتی تھی مگر انو نے یہ خوشی شاید پہلی بار دیکھی تھی اور یہ خوشی اس کی آنکھوں اور چہرے سے عیاں تھی۔

❖......□❖□......❖

ماموں کے ہاں سے فون آیا تو اس نے خوشی سے ماموں کو مکان کے حصے، اکاؤنٹ کھلوانے اور شاپنگ والی بات بتائی ان کے پاس دینے کے لیے بس دعائیں تھیں اسی شام افطاری سے کچھ دیر قبل ممانی کا فون آ گیا۔

"تم تو وہیں کی ہو کر رہ گئی انو یاد بھی نہیں آتی ہم لوگوں کی ستائیس رمضان کو تمہاری افطاری ہے اب تم انکار نہ کرنا۔" انہوں نے کچھ اس طرح کہا کہ وہ انکار نہ کر سکی اس نے تائی امی سے بات کی تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"صرف افطاری پر کیوں بلا رہی ہیں وہ، کوئی تو گڑبڑ ہے بہر حال تم سکندر کے ساتھ چلی جانا اسے بھی کوئی کام ہے گجرات چلو تمہیں چھوڑ کر آنا تو پڑے گا...... خیر۔"

"میں اکیلی کیسے جاؤں گی تائی امی؟" وہ گھبرائی۔

"اکیلی کب ہوگی، سکندر کے ساتھ...... اوہ...... اچھا...... ہاں چلو میں ثانیہ سے بات کرتی ہوں۔" وہ اسے یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ وہ انکار کر دیتی اتنی دور محض افطاری کے لیے بلانا بات سمجھ سے باہر تھی وہ کچھ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں ایک خیال دل میں آیا مگر کہنے سے ڈرتی تھیں انو نہ جانے کیا سمجھے کہیں وہ یہ نہ سوچے کہ ایک طرف حصہ دیا اور دوسری طرف یہ بات کر دی مگر وہ دل کا وسوسا اپنے میاں کے سامنے ظاہر کر گئیں۔

"مگر وہاں تو کوئی لڑکا نہیں ہے بھلا لالچ میں کس کے ساتھ کریں گے انو کا رشتہ اور حصہ بھلا کروڑوں کا ہے بچی کے حصے میں چالیس لاکھ آئیں گے اور زندگی پڑی ہے اس کے سامنے تعلیم مکمل کرنی ہے، پیسہ تو چٹکیوں میں اڑتا ہے اللہ اس کے نصیب اچھے کرے میرا تو بس دل اور ضمیر مطمئن ہو گیا۔ میں نے حق دار تک حق پہنچا دیا خوامخواہ وہم نہ کرو۔"

"مگر ہم نے کہیں نہ کہیں تو سکندر کی بات چلانی ہے ناں وہ مسز الیاس کی دکھائی ہوئی فیملی ماڈرن ازم کے نام پر غیر اسلامی طور طریقے تھے ان لوگوں کے بھئی ہم لوگ کون سا تہجد گزار ہیں مگر آج انو کی ایک بات نے میرا دل چھو لیا سکندر اس کا تایا زاد ہے مگر پھر بھی وہ اس کے ساتھ جانے میں جھجک محسوس کر رہی تھی، ایسی بچیوں کے دل میں حیا ہوتی ہے، میں نے تو بس ایک خیال ظاہر کیا تھا اگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو اس کے بعد انو کو وہاں بھیجنا خطرے سے خالی ہوگا ورنہ جیسے ہم ددھیال والے ہو کر اسے یہاں روک سکتے ہیں وہ ننھیال والے ہو کر حق جتا سکتے ہیں۔" ان کی باتیں سن کر وہ سنجیدگی سے اس پہلو پر سوچنے لگے تھے۔

❖......□❖□......❖

انو کا فون آیا تھا ستائیس رمضان کی بجائے اٹھائیس کی افطاری پر مانی ہے کہہ رہی تھی کوئی ضروری کام ہے مکان کی فروخت کے سلسلے میں‘ میں نے بھی زیادہ بحث نہیں کی بس ایک بار آ جائے میں تو اب جانے نہیں دوں گی بہت ہو گیا شوق پورا کر لیا ددھیال والوں نے مکان کا حصہ بھی مل گیا بات ختم سال دو سال بعد جا کر مل آیا کرے گی اور اماں جی آپ کا جو ڈر تھا ناں کہ اس کی موجودگی میں ہما اور ثناء دبتی ہیں تو بھئی اب تو وہ بھی مسئلہ حل ہو گیا اب کا ہے کا ڈر میں نے تو سوچ لیا ہے کوئی خوب صورت سا محنتی اور ضرورت مند لڑکا ڈھونڈ کر جو انو کو بھی پسند آ جائے اس کی شادی کر دیں گے مگر شرط رکھوں گی گھر داماد کی سچ ہے بھئی انو کے بغیر اب گھر نہیں چل سکتا۔‘‘ ممانی نے پورا پروگرام بنا رکھا تھا۔

’’ہاں جیسے وہ تیس چالیس لاکھ کا حصہ لے کر گھر داماد بننے والے لڑکے پر راضی ہو جائے گی ناں حد کرتی ہو بھئی۔‘‘ نانی نے سر جھٹکا۔

’’لڑکا تو ہے میری نظر میں اور تیس چالیس لاکھ ہیں اماں‘ تیس چالیس کروڑ نہیں بنتا کیا ہے اتنے پیسوں میں..... ڈھنگ کا مکان تو مل نہیں سکتا یہاں رہے گی تو ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ بس اس مرتبہ خوب پیار سے میں اس کا ذہن تیار کر لوں گی جو کام مجھے پہلے ہی لاڈ و پیار سے کرنا چاہیے تھا وہ اب کروں گی۔‘‘ وہ بہت کچھ سوچے بیٹھی تھیں۔

’’ہاں بھئی کہتی تو تم ٹھیک ہو میری عمر اتنی ہو گئی مل کر پانی نہیں پی سکتی اور پروائی کو تو اپنے پارلر سے ہی فرصت نہیں ملتی اور تم کیا کیا کرو گی کچن دیکھو گی مجھے سنبھالو گی گھر کے باقی امور دیکھو گی بات تو تمہاری دل کو لگتی ہے۔‘‘ نانی بھی اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

’’بس اب دیکھتی جائیں اماں میں افطاری کے بہانے جو واپس بلا رہی ہوں اب نہیں جانے دوں گی۔ ساری زندگی ہم نے کھلایا‘ پلایا پہننے اوڑھنے کو دیا اور خدمتیں کرانے کے لیے لے گئی تائی اتنی خوشی سے کیوں دیں گی‘ حصہ پالنے پوسنے کے لیے یاد نہ آئی اب حصہ دینے کے لیے یاد آ گئی بڑی چالاک عورت لگتی ہے مجھے انو کی تائی۔‘‘ ان کی باتوں پر اماں اثبات میں سر ہلاتی رہیں۔

❖......□❖□......❖

روزہ رکھ کر ڈرائیو کرنا مشکل تھا مگر اس کی خوشی کی خاطر سکندر خوش دلی سے یہ فریضہ سرانجام دینے کو تیار تھا گاڑی میں ان سب کے لیے کچھ گفٹ رکھے تھے تائی امی نے عید کی مناسبت سے ایک دو چیزیں رکھی تھیں مٹھائی راستے سے لینے کی خاص تلقین کی تھی ثانیہ اور مظہر بھائی سسرال جا چکے تھے۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی تائی امی اور تایا ابو کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی میں آ بیٹھی۔

’’بیٹا کوشش کرنا رات کو ہی نکل آنا پہلے کی بات اور تھی اب تم مہمان بن کر جا رہی ہو‘ ہاں اگر رہنے کو دل چاہے تو کوئی زبردستی نہیں ہے تم رہ جانا اور سکندر بیٹا تم رات کو ہی نکل آنا۔‘‘ تائی امی نے تاکید کی اور پھر دعائیں اور قل شریف پڑھ کر ان کو سفر پر روانہ کیا‘ وہ بھی آنکھیں بند کیے سفر کی دعا پڑھنے لگی سکندر نے بھی دعا پڑھ کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

’’ویسے وہ لوگ عید پر بھی دعوت کر سکتے تھے اتنی محبت جاگ گئی کہ رمضان کے مہینے میں دوسرے شہر میں بلا لیا۔‘‘ سکندر نے کچھ اس طرح کہا کہ وہ بس دیکھ کر رہ گئی۔

’’بس مجھ سے انکار نہیں ہو سکا آخر اتنے سال میں اس گھر میں ان لوگوں کے ساتھ رہی ہوں انسیت ہو جاتی ہے۔‘‘ وہ گود میں ہاتھ رکھے سر جھکائے بولی۔

’’ہوں اسی لیے تو میں لے جا رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی روزہ رکھ کر سفر نہیں کیا مگر اس رمضان میں دوسری مرتبہ کر رہا ہوں۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولا اور پوری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مرکوز کر دی۔

’’آپ انکار کر دیتے پھر میں اکیلی تو جا نہیں سکتی تھی۔ وہاں سے کوئی لینے آ جاتا تو ٹھیک ورنہ نہ جاتی میری زندگی میں پہلے وہ ٹھکانہ تھا اب یہ بن گیا پہلے یہاں آنے کے

خواب دیکھے تھے اب وہاں جانے کا سوچتی رہتی۔" وہ باہر دیکھنے لگی گلابی رنگ کے شیفون کے سوٹ میں سر پر دوپٹہ اوڑھے وہ بہت سادہ اور بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"تم ایسے مت سوچا کرو انو ہم لوگ تم سے لاتعلق رہے اس پر شرمندہ ہیں مگر اب تم بے سہارا نہیں ہو اور نہ ہی تمہیں ٹھکانے کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنا پڑے گا۔" وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا اور دھیان سامنے سڑک پر مرکوز رکھا۔

گجرات سے مٹھائی لی تھی وہ گاڑی میں ہی بیٹھی رہی سکندر نے نماز کے لیے گاڑی روکی تو اس نے تائی امی کو فون ملا لیا وہ نماز ادا کرکے آیا تو اس نے موبائل اس کی سمت بڑھا دیا۔

"سوری! میں نے آپ کے موبائل سے تائی امی کو کال ملائی تھی۔" اس کی وضاحت پر وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"اٹس اوکے اور تم میرا موبائل پوچھے بغیر استعمال کرسکتی ہو۔" وہ دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔" وہ سر جھکائے درود شریف پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔

"تم جاؤ میں عشاء کی نماز کے بعد آجاؤں گا پھر جیسے تمہاری مرضی اگر رکنا ہوا تو رک جانا اور اگر چلنا ہوا تو......"

اسے گیٹ کے باہر اتار کر وہ دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"آپ نہیں آئیں گے کم از کم سب سے مل تو لیں۔" وہ سب کے گفٹ اور مٹھائی نکالتے ہوئے بولی۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے......" اس نے بات ادھوری چھوڑی اور اس کی مدد کے لیے گاڑی سے اتر آیا اس دوران انو نے ڈور بیل بجائی تھی۔

"کیسے مطلب؟" وہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ پائی۔

"جیسے میں اپنے سسرال آیا ہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔ انو نے شرم کے مارے منہ پھیر لیا۔ گیٹ کھول کر بڑی ممانی باہر آئیں۔

"انو......میری بچی۔" وہ آتے ہی اس سے لپٹ گئیں اس کا بہترین سوٹ' کانوں میں سونے کی بالیاں' ہاتھ میں پکڑا بیگ......وہ تو بدل ہی گئی تھی۔

"آجاؤ۔" وہ اسے لیے اندر بڑھنے لگیں اس نے مڑ کر دیکھا سکندر باقی سامان اٹھائے پیچھے آرہا تھا۔

"بھول ہی گئی ہو تم تو ہمیں میں نہ بلاتی تو کہاں یاد آتے ہم تمہیں میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھولنے لگے تھے یہ سوچ کر کہ میری انو واپس آرہی ہے۔" وہ مسلسل بول رہی تھیں اس دوران انہوں نے ایک بار مڑ کر سکندر کی سمت دیکھا تھا۔

"میں چلتا ہوں انو عشاء کے وقت میں آؤں گا۔" وہ سامان رکھ کر براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔

"کیوں آجاؤ گے عشاء کے وقت؟" ممانی نے گھوری ڈال کر اس کی سمت دیکھا سکندر نے بڑی مشکل سے غصے پر قابو پایا' انو کو بھی اچھا نہیں لگا تھا وہ اتنی دور سے اسے لے کر آیا تھا کم از کم وہ اسے افطاری کے لیے بھی روک لیتیں۔

"اسے لینے آنا ہے اسی لیے خیر انو تم جیسے چاہو۔" وہ واپس مڑ گیا اس وقت انو کو اپنے آپ پر بے حد غصہ آیا وہ آئی ہی کیوں اب پتا نہیں وہ کہاں جائے گا افطاری کہاں کرے گا اس کی وجہ سے اچھی خاصی بے عزتی برداشت کرنی پڑی تھی اسے۔

"آجاؤ' اندر اماں بھی تمہارا انتظار کررہی ہیں اور آج تو تمہاری چھوٹی ممانی بھی نیچے ہی افطاری کریں گی۔" (ماشاء اللہ بڑی پیاری لگ رہی ہے) چھوٹی ممانی نے نیچے آتے ہوئے سوچا مگر کہہ نہ سکیں بڑی ممانی نے ان کی نظروں میں ستائش دیکھتے ہوئے پہلے ہی جملہ داغ دیا۔

"کتنی کمزور ہوگئی ہو انو۔" اسے شانوں سے تھام کر سامنے کھڑا کیا سچ تو یہ تھا کہ اس کی دمکتی رنگت اور بدلا ہوا روپ انہیں اندر ہی اندر بے چین کررہا تھا نانی بھی بڑی محبت سے ملی تھیں اچانک سے بدلے ہوئے یہ رویے

بڑے بناوٹی لگ رہے تھے وہ بچپن سے جن رویوں کی عادی تھی وہ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔
افطاری میں بہت اہتمام کیا گیا تھا زیادہ تر سامان باہر سے منگوایا تھا سموسے اور کباب چھوٹی ممانی اوپر سے بنا لائی تھیں افطاری کے دوران اسے سکندر کا خیال آتا رہا مغرب کی نماز کے بعد ماموں نے اس سے سکندر کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی صاف کہہ دیا۔
''ممانی نے روکا ہی نہیں افطاری کے لیے۔'' اور اس کی اس بات کے جواب میں بھی اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے مسکرانے لگیں۔
''میں تو اپنی بچی کو دیکھ کر اتنی خوش تھی کہ کسی بات کا کوئی ہوش ہی نہیں رہا۔'' اور ان کی اس اوور ایکٹنگ پر ماموں بس گھور کر رہ گئے تھے کھانے پر بھی خوب اہتمام تھا اسی دوران ممانی مدعا پر آ گئیں۔
''بھئی اب عید کے بعد گھر میں شادی بھی ہے تمہاری بڑی خالہ بھی آ رہی ہیں اور سچ پوچھو تو تمہارے بغیر گھر میں بالکل بھی رونق نہیں ہے اب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی بس کرلیا ان لوگوں نے شوق پورا۔'' وہ اس کی پلیٹ میں لیگ پیس ڈالتے ہوئے بولیں۔
''ممانی میں......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تو نانی نے روک دیا۔
''صحیح تو کہہ رہی ہیں تمہاری ممانی ویسے بھی تمہارے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے اب ہم تمہاری ایک نہیں سنیں گے اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل گیا تو بعد میں پچھتاؤ گی۔'' ان کی اس بات پر اس نے بے اختیار ہی بیرونی دروازے کی طرف دیکھا پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا قدرت کی طرف سے کوئی دعا قبول ہونے کا وقت اسی وقت سکندر اندر داخل ہو رہا تھا شاید اس نے بھی یہ بات سن لی تھی ہما جو گیٹ کھولنے گئی تھی وہ بھی سکندر کو آ کر بیٹھنے کا نہ کہہ سکی۔
''السلام علیکم۔'' اس نے ماموں کو سلام کیا۔
''وعلیکم اسلام بیٹا بھئی میں بہت شرمندہ ہوں تم آئے بھی اور افطاری کے لیے نہیں روکا تمہیں آؤ کھانا کھالو۔'' ماموں واقعی شرمندہ تھے۔
''جی نہیں شکریہ میں کھا کر آیا ہوں انو کیا ارادہ ہے تمہارا؟'' وہ سہولت سے انکار کرتا انعم سے مخاطب ہوا وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھ گئی سب نے ہی حیرت سے دیکھا چھوٹی ممانی تو دل ہی دل میں اتنے اہتمام کا خرچہ نقصان میں جانے کا درد بھی محسوس کر رہی تھی۔
''جی چلیں کافی دیر ہو گئی ممانی یہ سب تائی امی نے آپ لوگوں کے لیے عید کے گفٹ بھیجے تھے اور یہ مٹھائی ہے۔'' اس نے صوفے پر اسی طرح رکھے تمام شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔
''کیا مطلب تم جا رہی ہو؟'' وہ بھی کرسی گھسیٹ کر اٹھ گئیں۔
''جی ممانی' آپ لوگوں سے ملنا تھا آپ نے افطاری کا کہا تو میں انکار نہیں کر سکی وہاں تایا ابو بھی بیمار ہیں اور میں رہنے کے ارادے سے نہیں آئی تھی۔'' وہ دوپٹا درست کرتی بیگ اٹھانے لگی۔
''رات کے وقت یوں اکیلے سفر کرنا ٹھیک نہیں تم اسے جانے دو اب دو دن رہ گئے عید میں' عید کے بعد چلی جانا' جانا ہوا تو......ویسے بھی عید کے بعد شادی بھی ہیں پھر تمہارا رشتہ......'' ان کی بات پر سکندر کو بولنا ہی پڑا۔
''یہ رشتے کا کیا معاملہ ہے انو......تم نے انہیں بتایا نہیں۔''
''معاملہ یہ ہے میاں کہ ہم نے انو کا رشتہ دیکھا ہے بس اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے اور برا مت ماننا بیٹا اس وقت رات کو ہم انو کو تمہارے ساتھ سفر پر نہیں بھیج سکتے۔'' وہ ذرا نرمی سے بولیں۔
سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی اس کی اس مسکراہٹ پر انہوں نے شکی نظروں سے انو کی سمت دیکھا۔
''ممانی میں شادی پر ضرور آؤں گی مگر ابھی میں واپس جاؤں گی اور ہاں میں بھی آپ کو شادی کا کارڈ بھیجوں گی۔ ستائیس رمضان کو یعنی کل شام ہمارا نکاح ہوا تھا سکندر کو ئی

غیر نہیں ہیں ان کے ساتھ سفر کرنا میرے لیے بھی مناسب بات نہیں تھی مگر کل شام رشتہ ہی بدل گیا۔" وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ سکندر کی سمت دیکھتے ہوئے بولی اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"ایسے کیسے نکاح ہوگیا میاں...... ہم بھی کچھ لگتے ہیں انو کے؟" مارے خفت کے وہ اور کچھ نہ کہہ سکیں ماموں نے گھور کر دیکھا۔

"وہ چھوٹی بچی نہیں ہے اس کی رضامندی سے ہی نکاح ہوا ہوگا...... خوش ہے ماشاءاللہ۔" ماموں نے انہیں خاموش کرالیا۔

وہ سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھی اسے الوداع کہتے ہوئے وہ گرم جوشی مفقود تھی جو استقبال سے لے کر اب تک تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہیں شادی پر انوائٹ کریں گے؟" وہ راستے میں زیرلب مسکراتے ہوئے بولا۔

"وہ ناراض ہوگئی ہیں سکندر ہمارا نکاح بھی تو اتنی عجلت میں ہوا ناں۔" وہ رو دینے کو تھی سکندر کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ تم ایک دم سے نکاح کے لیے راضی کیسے ہوگئی جیسے کہ پہلے سے ہی تیار بیٹھی تھی کہ کب امی تم سے پوچھیں اور......" وہ شرارت سے بولا۔

"میں کوئی آپ سے شادی کے لیے مری نہیں جارہی تھی وہ تو امی (تائی امی) نے جب مجھ سے بات کی تو میں سوچ میں پڑگئی ایک وہ لوگ تھے جو خالہ کو میرا رشتہ کرنے سے منع کررہے تھے میرے لیے دوسری شادی والے رشتے دیکھے جارہے تھے اور ایک تائی امی تھیں جنہوں نے مجھے جانے بغیر میری عادات کو پرکھے بغیر مجھے بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کے دل میں ایک ڈر تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ سوچیں کہ جائیداد کا حصہ گھر میں ہی رہے اسی لیے بہو بنا لیا تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ لوگ تو ہر صورت باتیں بناتے ہیں میرے حصے کا پیسہ میرے اکاؤنٹ میں ہوگا آپ کا ضمیر مطمئن ہے تو پھر آپ کو لوگوں کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں، بس تائی امی کا خلوص دیکھ کر ہی مجھے اس رشتے کے لیے ماننا پڑا میں اب اس ٹھکانے کو چھوڑ کر اور کہیں جانا نہیں چاہتی۔" وہ بات کے آخر میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی چہرے پر سکون اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"یعنی ہم یونہی خوش فہمی کا شکار ہورہے تھے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ انعم کو اس کا یوں کہنا بہت اچھا لگا تائی امی کے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی تھی مگر سکندر نے اور خود تائی امی نے اس میں کچھ تو دیکھا تھا سب سے بڑھ کر سکندر نے اسے پہلی بار میں ہی پسند کرلیا تھا اور دل و جان سے نکاح کے لیے رضامند تھا' رات گہری ہورہی تھی سڑک پر ٹریفک کی جلتی روشنیاں ماحول کو بڑا خواب ناک بنارہی تھیں وہ رمضان کا احترام کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا اقرار کرنے کے بجائے درود شریف پڑھنے لگی سکندر کو اس کی یہی بات تو پسند آئی تھی اس کے ہلتے لبوں کو دیکھتے ہوئے اتنی نیک بیوی پر فخر محسوس ہوا تھا۔

"چائے پیوگی؟" اس نے گاڑی روکی۔

"ہوں...... ذرا اسٹرونگ سی۔" اس نے سر کو دباتے ہوئے کہا۔

"یعنی تم وہاں ٹینشن لینے بھی گئی تھی اور دینے بھی۔" وہ گاڑی سے اتر کر چائے لینے چلا گیا۔

راستے میں جگہ جگہ چوڑیوں اور مہندی کے اسٹال لگے تھے دو دن ہی تو رہ گئے تھے عید میں اور یہ بھی عین ممکن تھا کہ کل ہی چاند رات ہوجاتی وہ چائے لے کر آیا تو انو بڑی محویت سے باہر چوڑیوں کے اسٹال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے اس کی طرف چائے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"یونہی عید کی رونق۔" اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور پھر چائے تھام لی۔

"اب دیکھو چاند کب نظر آتا ہے پھر لے چلوں گا

تمہیں بھی تم بھی چوڑیاں اور مہندی لے لینا۔" وہ چائے پینے لگا۔

"میری عید کا چاند تو میرے سامنے ہے کل کا انتظار کون کرے۔" اس نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

"مطلب...... یعنی کہ......!" وہ بے اختیار اس کی سمت دیکھنے لگا' اتنا خوب صورت اعتراف کل رات سے وہ منتظر تھا کہ انو کچھ تو کہے نکاح کے بعد۔

"اوہ...... ہاؤ لکی آئی ایم۔" وہ ہنستا چلا گیا۔

"تمہیں پتا ہے انو محبت نکاح کی محتاج ہوتی ہے' اس سے پہلے جو ہوتی ہے وہ محبت ہوتی ہی نہیں' تم مجھے پہلی نظر میں ایک اچھی سلجھی ہوئی' خوشیوں کو ترسی ہوئی لڑکی لگی تھی مگر جب امی نے نکاح کی بات کی تو مجھے لگا اللہ نے تمہیں میری زندگی میں شامل کرنے کے لیے ہی یہ سب حالات پیدا کیے اور پھر میں نے ہاں کردی بنا مہلت مانگے اور پھر کل رات نکاح نامے پر دستخط کرکے کلمے پڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جب میں نے تمہیں شرعی طور پر اپنایا تب مجھے احساس ہوا کہ محبت ہوتی کیا ہے' کیا تم بھی یہی سب محسوس کررہی ہو انو؟" وہ سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"کل رات نکاح کے بعد مجھے اپنا آپ بہت محفوظ لگ رہا ہے' یوں جیسے میں کسی مضبوط قلعے کے حصار میں آ گئی ہوں۔" اس کا اعتراف دل کو خوش کر گیا۔

"ایک منٹ۔" وہ اتر کر سامنے چوڑیوں کے اسٹال پر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چوڑیاں اور مہندی لے آیا تھا۔

"دیکھو کیسی ہیں؟"

"بہت اچھی اور بہت شکریہ مجھے پہلی مرتبہ کسی نے یہ سب اتنی محبت سے لے کر دیا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی سکندر نے محبت سے یہ تحائف اس کے نذر کیے اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"ہو گئی ناں چاند رات آج رات ہی۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"میں نے کہا تھا ناں میری عید کا چاند تو میرے سامنے ہے۔" وہ چوڑیوں پر ہاتھ پھیرنے لگی زندگی بہت خوب صورت ہونے والی تھی۔

"میں نے زندگی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو خوشی سے قبول کیا ہے' وہ رب جو کرتا ہے ہمارے لیے بہت اچھا کرتا ہے' ہم کبھی کبھی اپنوں کے رویے سے دل برداشتہ بھی ہوجاتے ہیں جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے' تمہارا ابھی دل دکھا سب کے رویوں سے مگر ان حالات میں تمہاری خالہ نے ہمیں یاد کیا' ہمیں بھی احساس ہوگیا کہ کچھ فرض ہمارا بھی بنتا ہے' یوں تم وہاں سے یہاں آ گئی میری زندگی میں آ کر میری زندگی کا حصہ بن گئی۔ اللہ کے فیصلے بہت پیارے ہوتے ہیں انو۔" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بڑے دھیمے لہجے میں محبت سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ پُرسکون سانس لے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی رمضان کے اسی مہینے میں وہ پہلی بار اتنے عرصے بعد ملا تھا اور اسی بابرکت مہینے کے آخر میں وہ اسے ہمیشہ کے لیے مل گیا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا مہربان رب اتنا کچھ اس کے دامن میں ڈال دے گا' سکون سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار اپنے چاند کی سمت دیکھا اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

"اللہ کے فیصلے واقعی بہت پیارے ہوتے ہیں۔" وہ چوڑیاں پہننے لگی یہ عید زندگی کی پہلی خوب صورت عید تھی ابھی تو اس نے مہندی سے سکندر کا نام بھی اپنے ہاتھ پر لکھنا تھا بس آسمان کے چاند کا انتظار تھا۔

ذات دی کوڑہ کرلی

یاسمین نشاط

تہہ بار سنگ گراں ہے دل کہ ہے خاک اتنا ہوا
کہیں فرد فرد سے رابطے کہیں شہر بھر سے کٹا ہوا
مجھے بھیجتے ہو سمندروں کے سفر پہ کس لیے دوستو
میری ناؤ بھی ہے چھدی ہوئی میرا باد بان بھی پھٹا ہوا



سب بچے بشمول نجمہ شاہدہ کی درگت بنتے دیکھ کر گنگ تھے اماں کی چپ بھی بیڈ کے نیچے سے نکل آئی تھی اور اب چیخ رہی تھی' کنگنا کا جن قابو ہی نہ آرہا تھا اور تبھی اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ پڑا وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکی اس سے پہلے کہ کچھ کہتی دوسرا پھر تیسرا گھونسے' لاتیں' عجب تماشا ہی شروع ہوگیا تھا' اب وہ شاہدہ کے بال چھوڑ کر اپنا بچاؤ کر رہی تھی اور ساتھ میں مغلظات بک رہی تھی مبشر کب اندر آیا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ مبشر تھک گیا کنگنا کو گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکالا۔

"دکھادی اوقات اپنی' عزت راس نہیں آئی تجھے۔" دھکا دے کر ایک اور ٹھوکر رسید کی اور واپس بہن کی دلجوئی کرنے چلا گیا' نجمہ بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی' کنگنا وہیں پڑی سسکتی رہی کوئی اس کے قریب نہ گیا' صبح ہوتے ہی جو پہلا شور مچا وہ یہ کہ کنگنا چلی گئی مبشر کو چپ لگ گئی' ڈھونڈنے گیا پر نہیں ملی وہ اپنے کسی بھی ٹھکانے پر نہیں تھی اس کا دل افسردہ ہوا لیکن زیادہ دن نہیں رہا۔ نظر التفات پھر سے نجمہ پر مرکوز ہوگئی کھڑی کیوں ہو' بیٹھی کیوں ہو؟ نمک زیادہ' چینی کم' ماں کی خدمت' بچوں سے الغرض سارے الزامات مزید شدت سے چمکتے دمکتے واپس آگئے۔

حکم ہوا بچوں کو لے کر واپس نیچے آجاؤ اس کا دل نہیں مانا انکار کردیا وہ مطمئن تھی وہ اس بستر پر کیسے سوسکتی تھی جہاں اس کے شوہر کی محبت سوتی رہی تھی کانٹے نہ اگ آتے اس کے وجود میں سیلن زدہ وجود تو گوارہ تھا مگر۔

وقت کچھ اور گزر گیا بچے بڑے ہوگئے اور خودسر بھی کسی کے کہنے میں نہ تھے بڑی آپا بیوگی کی چادر اوڑھے اپنے چھ بچوں کے ساتھ چار سال پہلے یہیں آ کر آباد ہوگئی تھیں' اب اس پر نظر عنایت اور بڑھ گئی تھی اماں' مبشر اور شاہدہ اس کا دل کرتا تھا کانوں میں انگلی ڈال لے اپنے آپ کو کہیں پھینک آئے لیکن گھر بچوں کی چیخ و پکار سے میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ چاروں آپس میں لڑتے ہلکان ہو رہے تھے۔

بیڈ پر لیٹی ساجدہ چیخ و پکار سن کر انہیں چپ کرانے میں ناکام ہوگئی تھی۔ تانیہ نے لڑتے ہوئے بھاگتی ردا کی فراک کھینچی تو وہ ادھڑتی چلی گئی۔ اس نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اب ردا جوتا اٹھا کر تانیہ کے پیچھے پیچھے اس کمرے سے اس کمرے پھر صحن اور کچن میں بھاگتی پھر رہی تھی۔ پھر جیسے ہی وہ نشانے پر آئی ردا نے جوتا کھینچ مارا' تانیہ تو جھک گئی اور جوتا سیدھا داخلی دروازے سے اندر آتے مبشر کے سینے پر جالگا۔ وہ دونوں تو ڈر کر اندر بھاگ گئیں۔ اس شاندار استقبال پر وہ دھاڑے بنا رہ نہ سکا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" نجمہ جو چھت پر کپڑے پھیلا کر نیچے آرہی تھی' پھنس گئی۔ مبشر نے باآسانی توپوں کا رخ ادھر موڑ دیا۔

"کوئی تمیز' کوئی سلیقہ سکھا بھی سکتی ہو تم ان بچوں کو کہ نہیں' ہر وقت بدتمیزی' ہر وقت اچھل کود' دیکھو یہ دیکھو ذرا باپ کو سلام کے بجائے جوتے پیش کیے جارہے ہیں۔ یہ اوقات ہے میری' اس گھر میں۔ اس اولاد کے لیے سارا دن دھکے کھا کر گھر آتا ہوں میں' لیکن تم...... تم کیا سکھاؤ گی ادب آداب' تم تو خود ناواقف ہو۔" وہ بکتا جھکتا اندر چلا گیا۔ جب کہ نجمہ کا ایک پیر سیڑھی اور دوسرا ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے گیلے وجود کو سمیٹا اور کپڑوں کی ٹوکری لے کر واشنگ مشین کی طرف بڑھ گئی۔

مبشر کو بھوک لگی ہوگی۔ اس نے سوچتے ہوئے مشین آف کی' رہ جانے والے کپڑے باسکٹ میں ڈالے اور ہاتھ دھو کر اندر آگئی' جیسا کہ اسے امید تھی مبشر کا گولہ بارود ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور بیڈ پر پڑی بیمار ماں بھی کھانس کھانس کر اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔

"کھانا کھائیں گے یا چائے لاؤں؟" دوپٹہ کے پلو سے اس نے پہلے ہاتھ اور پھر منہ پونچھا۔ اس کا ایک ایک عضو مبشر کی طرف متوجہ تھا' جب کہ اب وہ ہولے ہولے ماں کی ٹانگیں دباتے ہوئے اسے یکسر نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے دوبارہ پوچھا اور جواب نہ پاکر بچوں کا پھیلایا سامان سمیٹنے لگی۔ بچے شرارتی بھی بہت تھے۔ سارا دن اودھم مچائے رکھتے اور گھر کے سارے کام نمٹاتے ہوئے جب اسے پھیلاوا بھی سمیٹنا پڑتا تو جیسے بس ہی ہوجاتی۔ پھر وہ بڑبڑاتی پھرتی۔

"اے نجو...... یہ سمیٹنا ضروری ہوگیا۔ جب سارا دن گھر میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتا رہتا ہے تو دو گھنٹے اور سہی۔ شوہر باہر سے دھکے کھاتا آیا ہے۔ اس کو کھانا پانی تو دے دے۔" اماں نے ہمیشہ کی طرح تیل والا کام کیا۔ مبشر کی آنکھوں میں آگ بھڑکی اور اس سے قبل کہ الفاظ کے شعلے اسے اپنی لپیٹ میں لیتے۔

"لاتی ہوں" کہہ کر فوراً نکل گئی۔ کھانا گرم کرتے اس نے سنک میں پڑے چائے کے برتن بھی دھو لیے' مبشر کے ساتھ ساتھ اس نے اماں کے کھانے کی بھی ٹرے تیار کی۔ ابھی اس کا بہت کام باقی تھا کرنے والا۔ یہ دونوں کھانے سے فارغ ہوجاتے تو وہ اطمینان سے سمیٹ لیتی۔ خود اس نے دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ بچوں کو کھلا کر اس نے مشین لگائی تھی۔ اس دوران شام کی چائے کے ساتھ ساتھ اس نے بچوں کو ہوم ورک کروایا اور ابھی بہت سا کام اور بھی تھا جس کے متعلق سوچ کر اسے وحشت ہورہی تھی۔ تھکن سے اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا اور جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ چھوڑ کر پڑ کر سو جائے۔ بچے اب سکون میں تھے۔ اس نے اماں کے کھانے کی ٹرے تپائی پر رکھی اور مبشر کے لیے لانے کے واسطے مڑی ہی تھی کہ مبشر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بڑی آپا اور ان کے بچے آرہے ہیں۔ کھانا ادھر ہی کھائیں گے کھانا پکالو...... گوشت رکھا ہے یا لادوں؟" اس نے بتا کر پوچھا۔ مبشر کے الفاظ چابک کی طرح برستے محسوس ہوئے۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور اس کا قطعاً موڈ نہیں تھا اتنے لوگوں کا کھانا نئے سرے سے پکانے کا۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔

"کیا ہوا...... سانپ کیوں سونگھ گیا آپا کے آنے کا سن کر؟" مبشر کی عقابی نظروں سے اس کی بیزاریت چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"نہیں' وہ میں کہہ رہی تھی کہ آج مشین بھی لگائی تھی' صفائی بھی کی۔ تھکاوٹ...... تھکاوٹ محسوس ہورہی ہے تو......"

"تو کیا منع کردوں؟" وہ تیکھے چتونوں سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا مبشر۔ بہت تھکاوٹ ہوگئی...... میں کہہ رہی تھی کھانا اگر باہر......" بات اب بھی پوری نہیں ہونے دی گئی۔

"تو کون سا انوکھا کام کیا؟" اماں کا بھڑکتا اعتراض آیا۔ "مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آئی یہ غریب گھروں میں کولہو کے بیل کی طرح جتی لڑکیاں اچھے خاندانوں میں آتے ہی اپنی اوقات کیوں بھول جاتی ہیں۔ یہ سب تو تم اپنے گھر بھی کرتی آئی ہو' کون سے نوکر تھے وہاں' یہاں دو کام کرکے تمہاری تھکن بڑھ جاتی ہے۔ کھانا' صفائی' دھلائی تو ہم چٹکی بجاتے کرلیا کرتے تھے' تم سے دو دو گھنٹے سبزی نہیں پکائی جاتی۔ دو مہمان آجائیں تو واویلا شروع کردیتی ہو۔ سیدھی طرح کہو میری بیٹی کا آنا کھلتا ہے۔ ہائے مبشر میں مر کیوں نہیں جاتی؟ سب سے بڑا بوجھ تو میں ہی ہوں اس کے لیے۔" اماں جی کے بین شروع ہوگئے۔ مبشر نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا اور "دفع ہوجاؤ" کا اشارہ دیا اور خود مبشر فوراً اماں کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دبانے لگا۔

"کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں آپ' کیا کچھ کہا اس نے' آپ کی خدمت میں کوتاہی کی؟" وہ پوری امید سے پوچھ رہا تھا اور ماں نے اس کی امید توڑی نہیں۔

"ارے نہ بھی کہے تو اس کا ایک ایک عمل گواہی دیتا ہے کہ معذور کو سنبھالتے ہوئے اسے کتنا غصہ آتا ہے۔ ایسی ایسی شکلیں بناتی ہے کہ الامان۔" وہ کہہ کراہنے لگیں۔ نجمہ جو کہ منتظر کھڑی تھی اگلے حکم کے لیے' مزید سہہ نہ سکی' اس حالت میں بھی بہتان طرازی سے باز نہیں آتی تھیں۔ اللہ گواہ تھا اس نے کبھی ان کی خدمت میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے خوش و مطمئن نہیں تھیں۔

دل کی سیلن زدہ دیواروں پر کچھ اور پانی گرا تھا اور ذات کی سفیدی پورے وجود پر بکھر گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے ٹرے اٹھائی اور واپس کچن میں آگئی۔ مبشر نے کب تک اور کیسے ماں کے دکھے دل کی تسلی و تشفی کی۔ اسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بستر تک آتے ہوئے اسے رات کے تین بج گئے تھے۔ بڑی آپا بھی دیر سے گئیں۔ ان کے جانے کے بعد سارے برتن سمیٹنے' کچن صاف کرنے' اماں کو دوائیاں کھلانے کے بعد وہ صرف اتنا ہی کرسکی کہ اوپر سے جاکر کپڑے اتار لائی۔ استری کرنے کی ہمت نہیں بچی تھی۔ کھانا بھی تو فرمائشی پکا تھا۔ اچار گوشت' سندھی بریانی' کوفتے اور ٹرائفل تیار کرتے ہوئے آنکھوں میں ڈھیر سا پانی جما تھا۔

"بیٹیاں تو بس اپنے گھر میں ہی مہارانیاں ہوتی ہیں' چاہے غریب ہوں چاہے امیر' سسرال میں آکر تو وہ ماہانہ تنخواہ لینے والی ملازمہ سے بھی کم حیثیت کی بنادی جاتی ہیں۔ سسرال والوں کا دل جیتنے کی خاطر ایک ایک کی خدمت کرتیں' کیا ان پر مفت کی ملازمہ کا لیبل لگ جاتا ہے۔ وہ خود جان

نہیں باتیں۔" بستر پر لیٹ کر اسے نیند لانے میں زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی۔ دو منٹ میں بے سدھ پڑی تھی' آنکھ مبشر کے چلانے پر کھلی' صبح ہو چکی تھی' الارم بج بج کر خاموش ہو گیا تھا اور بچے اسکول سے لیٹ' وہ جتنی بھی جلدی کرلیتی ان کو وقت پر اسکول نہیں لے جاسکتی تھی۔ یونیفارم پریس کرنا تھا' ناشتہ لنچ اوپر سے ابھی ان کو جگانے کی مغز ماری۔ رات کو تو اس کی ہمت نہیں رہی تھی' یونیفارم پریس کرنے کی' سوچا تھا صبح جلدی اٹھ کر کرلے گی مگر تھکاوٹ نے اسے ہوش ہی کہاں لینے دیا تھا۔ مبشر چلا رہا تھا' اماں ہائے ہائے کررہی تھیں' صبح چھ بجے والی چائے جو مس ہوگئی تھی۔ وہ فٹافٹ اٹھی' منہ پر پانی کے دو چار چھینٹے مار کر کچن میں آئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر مبشر کے کپڑے استری کیے۔ انڈا توس' دودھ کا گلاس مبشر کے آگے رکھا۔ اماں کو چائے بسکٹ دے کر وہ مکرم اور معظم کے لیے پراٹھے پکانے لگی کہ پھر سے صور پھونکا جانے لگا۔ وہ ہاتھ میں بیلن لیے کچن کے دروازے میں آئی کہ دیکھے یہ کیا ہوا۔ تو مبشر کے آگے دھری ناشتے کی پلیٹ اس کے قدموں میں آگئی۔ انڈا توس' پلیٹ سب کچھ بکھر گیا۔ کتنی بے حرمتی کرتا ہے یہ شخص رزق کی۔

"دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔ زہر کردیتی ہو کھانا' ابا نے نمک کی کان خرید لی ہے جو یوں ہاتھ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ ایک دن ڈھنگ سے کھانا نصیب نہیں ہوا' جب سے تم آئی ہو میری زندگی میں' جانے کس گناہ کی سزا ہو تم۔" وہ بُرے پرے دھکیلتا دھپ دھپ کرتا باہر نکل گیا۔ اماں کے دل میں حلوئی کی دکان کھل گئی تھی۔

"ارے نجو...... ارے نجو......" حلاوت زبان تک آگئی تھی۔ "دھیان رکھا کر۔ شوہر کو ڈھنگ سے کھانا تو دے دیا کر' اے سارا دن خوار ہوتا ہے تم لوگوں کے لیے اور سن ایک پیالی چائے کی اور لادے بہت اچھی بنائی آج تو۔" اس نے ٹکڑے سمیٹ کر ڈسٹ بین میں ڈالے اور جب اماں کی خالی پیالی لے کر کچن میں آئی تو پراٹھا توے پر پڑا جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ کچن کا دھواں اس کی آنکھوں میں ہی بھر گیا۔ آٹے کا آخری پیڑا تھا اور دونوں میں سے جس کو پراٹھا نہ ملتا اس نے مشکل کردینی تھی۔ اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا۔ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہیں زمین پر بیٹھ کر بے آواز رونے لگی۔ غریب گھر کی تھی ناں' اونچی آواز میں رونا زیب نہیں دیتا تھا۔

وہ رو سکتی ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

مبشر سے جب اس کی امیر کبیر خالہ زاد نے شادی کے ساٹھویں دن بعد طلاق مانگی تو سب ہکا بکا رہ گئے۔ وہ مبشر کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مبشر ست رنگی تتلیوں کا دلدادہ تھا۔ آوارہ منش' اماں نے بھانجی سے بیاہ دیا کہ اکلوتی تھی' دولت جائیداد ہاتھ لگے گی لیکن مبشر سید ھا ہو کے نہ دیا۔ سمیکا میکے جا کر بیٹھ گئی' مبشر کو ساری دنیا کی عورتوں میں دلچسپی تھی' سوائے اس کے' وہ کوئی غریب خاندان کی تو تھی نہیں جو چپ چاپ برداشت کرلیتی شور مچا دیا۔ ساجدہ کو اپنی عزت بچانی مشکل ہوگئی۔ دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر مفاہمت کے لیے گئی۔ بہن' بہنوئی نے تو سنائیں سو سنائیں۔ سمیکا نے بھی خوب بے عزت کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی زندگی برباد کرنے میں خالہ کا ہاتھ ہے۔ جب وہ اپنے بیٹے کے متعلق اچھی طرح جانتی تھیں تو انہوں نے کیوں دھوکے میں رکھ کر اس کی شادی کروائی۔ ساجدہ نے بہتری تسلی' دلاسے دیے لیکن سمیکا نے انہیں گھر سے چلے جانے کا کہہ دیا۔ ساجدہ بیگم تو تڑپ ہی اٹھی' ان کی سگی بھانجی گھر سے نکال رہی تھی اور بہن بہنوئی خاموش تھے۔

گھر آتے ہی انہوں نے مبشر کے خوب کان بھرے اور کہا کہ وہ سمیکا کو فون کرے اور اسے دھمکائے کہ اگر وہ گھر واپس نہ آئی تو وہ اسے طلاق دے دے گا۔ جیسے ہی مبشر نے فون کیا تو وہ تو جیسے پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔ فوراً شروع ہوگئی۔

"تم کیا طلاق دو گے؟ میں خود تمہیں نوٹس بھجوا چکی ہوں...... انتظار کرو کچھ دن۔" اس نے کھڑاک سے ریسیور رکھ دیا۔

ساری تدبیریں الٹی ہوگئی تھیں۔ دولت کی باندی دروازے سے آکر مڑ گئی۔ ساجدہ بیگم کا تڑپنا لازمی تھا۔ انہوں نے مبشر کو خوب برا بھلا کہا۔ بھائی بھاوج کے پاس گئیں' بہن سے معافیاں مانگیں مگر سمیکا کے دل کو جانے کیا بات لگی تھی کہ وہ مبشر کے ساتھ بسنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ خود مبشر بھی کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا اور یوں یہ شادی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اماں کو تو ایسا صدمہ پہنچا کہ چارپائی پر ہی پڑگئیں۔ ہاتھ آتی دولت الگ گئی اور بہن سے رشتے داری بھی ختم ہوگئی۔

چند دن بعد ہی مبشر ایک لڑکی کی تصویر اٹھائے چلا آیا۔ پرانا عشق تھا۔ اماں کی جلد بازی کی نذر ہو گیا تھا۔ جان چھٹی تو رابطے پھر بحال ہو گئے۔ بڑی مشکل سے ساجدہ کو منایا اور رباب کے گھر لے گیا۔ رباب کے بھائی تو مبشر کو دیکھ کر ہی آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک تو گن نکال لایا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے۔ رباب کی بھی اچھی خاصی خبر لی اور اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ساجدہ نے مبشر کے وہ لتے لیے کہ اگلے چھ ماہ مبشر کو کسی عشق کے کیڑے نے نہیں کاٹا لیکن ساجدہ ماں تھی۔ بیٹے کا گھر تو بسانا ہی تھا۔ پھر سے لڑکیاں دیکھنا شروع کیں۔ خاندان، برادری میں تو کوئی ان کو رشتہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ باہر سے بھی جو ساجدہ کو پسند آتیں وہ مبشر کو ریجکٹ کر دیتیں، تبھی بڑی آپا نے اماں کو راہ سجھائی۔ اب کی بار لڑکی غریب گھر سے لائی جائے، وہی ایڈجسٹ کرے گی مبشر کے ساتھ اور پھر جو مرضی کر لو اس کے ساتھ۔ نہ وہ بول پائے گی نہ اس کے گھر والے۔ کچھ "فوائد" اماں کو یاد تھے۔ کچھ مزید ان کو "ازبر" کرا دیے گئے۔ یوں قرعہ فال نکلا نجمہ کے نام اور...... واقعی آپا کی "دور اندیشی" صحیح ثابت ہوئی تھی۔ نجمہ کو انہوں نے جو بنانا چاہا تھا، وہ بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

مبشر کے کاٹ دار جملے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے تو نجمہ کی قوت برداشت کم ہوتی جا رہی تھی۔ برتن بھر گیا تو چھلک جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے اور نجمہ اب اسی کیفیت میں مبتلا رہنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا۔ اپنی ماں کی "ایک چپ، سو سکھ" والی نصیحت پر لات مار دے اور مبشر کو کھری کھری سنا ڈالے، اس کی ہمت وہ مسلسل سوچتے رہنے کے باوجود بھی خود میں نہیں پاتی تھی۔ سیلن زدہ دیواریں بہت خستہ ہو چکی تھیں۔ آنکھیں خشک تو دل نم رہنے لگا تھا۔ پتہ نہیں اماں نے اس کا بیاہ ان اونچے چھتیروں (شہتیروں) والے گھر میں کیوں کیا تھا؟ ابا نے کتنی مخالفت کی تھی، اعتراض کیا تھا کہ جس نے سگی خالہ کی لڑکی نہیں بسائی وہ غریبوں کی لڑکی کو کیا اہمیت دے گا۔ لیکن اماں کے لیے یہ رشتہ نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ اماں کی تو آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں، پوری برادری، خاندان میں کسی کا اتنی اونچی جگہ سے رشتہ نہیں آیا تھا۔

"تجھے تو بے کار کے وہم ہیں۔" اماں نے سر جھٹکا تھا۔

"دیکھ مجھے خیر دین نے بھی بتایا، اس کا آنا جانا ہے مراد صاحب کے ہاں۔" ابا راضی نہ تھے۔ "کوئی غریبوں میں رشتہ لیتے ہی تب آتا ہے جب انہیں اپنے دھتکار دیتے ہیں یا پھر کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ لڑکے کے لچھن ٹھیک نہیں سنا ہے میں نے، مت جھونک آگ میں بیٹی۔" ابا جتنا سمجھا سکتے تھے سمجھایا۔ لیکن اماں کے بقول سب ان سے جل رہے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ لڑکی بلا کی خود سر تھی۔ مارا تھا اس نے خالہ کو، کسی رشتے کا لحاظ نہ تھا۔ لوگ یونہی باتیں کرتے۔ وہ تو ساجدہ بیگم کے رکھ رکھاؤ سے اور مبشر میاں کی وجاہت سے بری طرح گھائل ہو چکی تھی۔ اتنی اچھی قسمت تو مقدر والوں کو ملتی ہے لیکن وہ بھی سمجھ نہ سکی، دلہن بن کر مبشر کے گھر آنے کے بعد اس کی اچھی قسمت ابا کی پاکٹ میں ہی پڑی رہ گئی۔ وہ پاکٹ جس میں ابا اس کے لیے ٹافیاں، کبھی مونگ پھلی، کبھی برفی چھپا کر لایا کرتا تھا۔ یہاں دولت کی فراوانی تھی، خوشیاں، بینک بیلنس میں تھیں۔ کسی کی وہ پاکٹ تھی ہی نہیں جہاں اس کی خوشیاں سما سکیں۔ اس کی شادی کے کچھ دن بعد ساجدہ باتھ روم میں پھسل کر گری اور کولہے کی ہڈی تڑوا بیٹھی، بڑی آپا نے نحوست کا تاج نجمہ کے سر پر رکھ دیا اور گلے میں ملازمہ کا طوق پہنا دیا۔ وہ طوق جو ماہانہ تنخواہ لینے والی بھی اپنے گلے میں نہیں پہنتیں۔ ان کے بھی سو نخرے ہوتے، عزت نفس ہوتی، لیکن بیویوں کو یہ سب کرنے کی اجازت نہیں ملتی، نہ اجرت نہ تمغہ نہ سال بعد تنخواہ میں اضافہ۔ نجمہ کے ذمے بیمار ساس کو سنبھالنا، اس کی خدمت، دیوروں کا خیال رکھنا، نند آئے تو اس کے آگے بچھ بچھ جانا، ان کاموں کے علاوہ تھا جو اس نے روٹین میں کرنے تھے، صفائی، کپڑوں کی دھلائی، استری، کھانا، ناشتہ، بچے اور ایک بد مزاج شوہر جس کے ماتھے پر ہر وقت بل اور زبان پر انگارے دھرے رہتے تھے، اس کو بھی اچھی طرح نبھانا تھا۔ جتنے کام اس کے ذمے تھے۔ اسے ضرورت ہی کہاں تھی کہ رک کر دو منٹ سوچے۔ عجب بھاگ دوڑ سی اس کی زندگی تھی۔ بچوں تک کو دیکھ نہیں پاتی تھی۔ جلدی جلدی انہیں کھانا کھلاتی، ہوم ورک بھی بھاگ بھاگ کر ہو رہا ہوتا اور رات کو مبشر کے گھر آنے سے پہلے بچوں کو سلا دینے کی کوشش تاکہ اس کو اعتراض کرنے کا موقع کم سے کم ملے۔ پھر بھی گھر آتے ساتھ ہی اس کا پہلا اعتراض یہ ہی ہوتا کہ وہ اماں کا خیال صحیح طرح سے نہیں رکھتی۔ اس کی ذات، اس کے خاندان کی وہ دھجیاں اڑاتا کہ وہ سوچتی اس نے کب

کہاں اور کس کا خیال نہیں رکھا..... کب کرم اور معظم ہو کر گئے گھر سے؟ کب بڑی آپا آئیں تو اس نے ان کا شایان شان استقبال نہیں کیا؟ کب ان کے بچوں کے ناز نخرے نہیں اٹھائے؟ اس کے جسم کا ہر عضو دکھ رہا ہوتا' جب وہ بستر پر آ کر لیٹتی تھی اور ابھی وہ پوری طرح تھکن اتار بھی نہیں پاتی تھی کہ صبح کاموں کی لمبی فہرست پھر اس کی منتظر ہوتی تھی۔ باقی ساری چیزوں کی طرح اس کا سکون بھی شاید ابا کی پاکٹ میں پڑا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ان دنوں وہ عجیب سی تکلیف میں تھی۔ ہر وقت جسم دکھتا تھا۔ طبیعت گری گری سی تھی۔ کوئی کام کرنے کو جی نہیں کرتا تھا۔ تھکاوٹ اترتی نہیں تھی اور کام ختم نہیں ہوتے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلی جائے۔ کام کرنے کا خیال ہی اسے جانکنی جیسے عذاب میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ بچوں کے امتحانات بھی شروع ہونے والے تھے اور وہ بچوں کو ذرا بھی ٹائم نہیں دے پا رہی تھی۔ ثانیہ تو کوشش کر ہی لیتی تھی خود سے' مگر ردا کو پکڑ کر بٹھانا پڑتا تھا۔ اسکول سے پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کا نوٹس بھی آیا ہوا تھا۔ اس کا جانے موڈ نہیں تھا۔ دوسرا اس کے پاس ڈھنگ کا ایک جوڑا بھی نہیں تھا جو وہ پہن کر اسکول جاتی۔ پچھلی بار بھی ثانیہ نے اسے ٹوکا تھا کہ وہ ہر بار ایک ہی سوٹ پہن کر اسکول کیوں آتی ہے۔ سب کی ماما اتنے اچھے اور فیشن ایبل کپڑے پہنتی ہیں۔ اس نے نوٹس مبشر کے آگے رکھا اور بتا دیا۔ اس بار وہ اسکول نہیں جا سکے گی۔ حسب عادت وہ پیچ پا ہوا مگر پھر چلا گیا۔ واپس آیا تو پھٹنے کو تیار تھا۔ ردا کی ٹیچر نے اس کی خوب شکایتیں کی تھیں۔ اس کی توجہ پڑھائی پر بالکل نہیں تھی۔ کلاس میں ہر دوسری لڑکی سے اس کا جھگڑا چل رہا تھا۔ ٹیچر کی چیئر پر ایلفی گرا دی' کسی کا لنچ باکس چھپا دیا اور تو اور اسکول بیگ سے بکس کی جگہ جوتے اور گھر کے برتن نکلتے ہیں۔ وہ اس سے اس کی "مصروفیت" پوچھ رہا تھا اور "وجہ" جاننے کے درپے تھا کہ وہ کیوں بچوں کی طرف سے اتنی لاپروا ہے۔ وہ چپ تھی بتانے کو بہت کچھ تھا مگر سمجھنے والا دماغ کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس کی خاموشی نے مبشر کے غصے کو مزید ہوا دی۔

"تمہیں کچھ خبر بھی ہے تمہاری اولاد کیا کرتی پھر رہی ہے' کون سے کام ہیں تمہارے جو بچوں کی تربیت کے لیے وقت نہیں تمہارے پاس تربیت..... لیکن تم کیسے کر سکتی ہو تربیت' تمہاری تو خود کسی نے تربیت نہیں کی..... گھروں' سڑکوں پر پلنے والیاں' پتہ نہیں اماں نے تمہیں میرے لیے باندھا کیوں' شکل صورت' عقل' ہے کیا تمہارے پاس؟ تمہاری کلاس کی لڑکیوں کو بس ایک ہی شوق ہوتا ہے' کسی طرح امیر مرغا پھنس جائے اور وہ مہارانیاں بن کر زندگی گزاریں۔ ہونہہ' ذات دی کوڑھ کرلی' تے چھتراں نوں جپھے۔" وہ ساری بمباری اس پر کرتا رہا۔ وہ خاموشی سے بیڈ کی پائتی پر سر جھکائے دونوں ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھی رہی۔ بہت کچھ بولا تھا اس نے' بہت کچھ سنایا' اپنے نصیبوں کو کوسا۔ جو اس جیسی عورت اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اپنی ماں پر خفا ہوا اس نے ایک غریب عورت کو لا کر اس کے عالی نسب خون میں گندا خون شامل کر دیا تھا۔ نجمہ کا وجود تڑخ رہا تھا۔ سیلن زدہ وجود پر جمی کائی ایک بار پھر سے ہری ہو رہی تھی اور وہ مرجھانے لگی تھی۔

دن تو جیسے تیسے بیت گیا۔ رات آتے ہی اس نے صبح کی بچی بے عزتی اس کے سپرد کی۔ پتہ نہیں سارا دن یہ سب اندر کیسے رکھا تھا۔ وہ بولتا رہا..... بولتا رہا' پتہ نہیں وہ اتنا کیسے بول لیتا تھا۔

"مبشر میں اب تھک جاتی ہوں۔ مجھ سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ کوئی ملازمہ رکھ لیں تو....." وہ جواب میں صرف اتنا بولی۔ وہ تڑپ ہی تو گیا۔

"ہاہاہا..... ملازمہ چاہیے محترمہ کو' میری ماں بوجھ لگتی ہے تجھے۔ ہاں اصل بات تو یہی ہے۔" اس کا ڈھکن پھر کھل چکا تھا اور جلدی بند ہونے والا نہیں تھا' وہ تکیہ اٹھا کر بچوں کے کمرے میں آ گئی۔ مبشر بچوں کو اپنے کمرے میں سلانے پر آمادہ نہ تھا۔ اسے ان کے آدھی رات میں اٹھ کر رونے پر اعتراض تھا اور جو ساری رات ساتھ پڑے روتی تھی اس کی سسکیاں بھی نہ سنائی دیں۔ مبشر صبح بھی چپ نہ ہوا' اسی طرح بکتا جھکتا آفس گیا اور اماں کو فکر پڑ گئی۔

"کیوں دکھی کر رکھا ہے اسے۔ جب سے بیاہ کر آئی ایک دن کا سکون نصیب نہیں ہوا اسے۔ پتہ نہیں کون سا برا وقت تھا جو میں شاہدہ کی باتوں میں آ گئی۔ ڈھیر لگا تھا رشتوں کا اور....."

"تو کیا کیوں نہیں؟" وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ساجدہ نے ہکا بکا اسے دیکھا۔ وہ بول رہی تھی اور ان کے

مقابل کھڑی تھی۔

"بتایئے ناں..... اتنے اچھے رشتے موجود تھے تو پھر کیوں چنا مجھے اپنے راج بیٹے کے لیے؟" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ کل سے جتنی باتیں وہ مبشر کی سن رہی تھی اس نے نجمہ کا دماغ کھولا کر رکھ دیا تھا۔

"مت ماری گئی تھی میری..... ہائے..... یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ اے مکرم، معظم، ذرا مبشر کو فون لگا بتا اسے اس کی بیوی پوچھ رہی ہے کہ ہم اسے کیوں بیاہ کر لائے۔ ارے تجھے اس جھونپڑی سے نکال کر اس محل میں رکھا اور تو اپنی اوقات بھول گئی۔ تیرا قصور نہیں، کھانے کو پیٹ بھر اور عیش و آرام مل رہا ہے۔ ہاں اس لیے پیٹ پھٹنے کو ہے تمہارا۔" ساجدہ بھی کہاں کم تھی، ماں بیٹا جانے کسی کی تربیت کے زیر اثر تھے۔

"پھٹ جائے پیٹ، دماغ کی نس پھٹ جائے چاہے..... آپ لوگوں کی جان تو چھوٹے مجھ سے۔" وہ بھی اونچا نہیں بولی تھی، عادت نہیں تھی اسے، لیکن حالات اور ان کے لہجوں کا زہر اس کی رگ رگ میں پھیل گیا تھا۔ وہ باہر آئی اور صحن میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ آج وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ذرا ان لوگوں کو پتہ چلے آخر یہ گھر چل کس طرح رہا ہے۔ ساجدہ بولتی رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا بولنا چلانا پر آ گیا مگر وہ چپ ہی رہی، پھر اس نے ماں کا نمبر ملایا اور پوچھنے لگی۔

"ایک بات بتا ماں، ایک آدمی گھر میں جانور رکھتا ہے، تو اسے کھانا دیتا ہے، خیال رکھتا ہے، آتے جاتے پیار سے تھپکی بھی دیتا ہے۔ تو ایک عورت جو سارا دن گھر کے کام کرے، شوہر اور ساس کی خدمت کرے، بچوں کو سنبھالے، شوہر کے بہن بھائیوں کا خیال رکھے، کیا اس کو پیار محبت کی ایک تھپکی کی ضرورت نہیں ہوتی؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ شوہر بھی کبھار اس کو محض استعمال نہ کرے، صرف پیار کے دو بول بول دے۔ انسان نہیں تو جانور ہی سمجھ کر۔" اس کے اندر کی بھوک تڑخنے لگی تھی۔ ماں زور سے ہنس دی۔

"جھلی نہ ہو تو، انسان انسان ہوتا ہے، جانور جانور۔"

"نہیں ماں..... انسان جانور سے بھی نچلے درجے پر ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی کا اختیار کسی ایسے کے ہاتھ میں آ جائے جو اپنے اور خدا کے اختیارات میں فرق نہیں رکھتا۔" اس کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیوں ایسی باتیں کر رہی ہے آج؟" ماں کو تشویش ہوئی۔

"تو انہی جانوروں میں رہ رہ کر ذرا اندر کا انسان کچوکے لگا رہا تھا۔" وہ ہنس دی۔ ان کی تشویش کم نہیں ہوئی۔

"اس وقت اس طرح کی بات کیوں کرتی ہے۔ تو عورت ہے تیرا فرض ہے، شوہر ساس کی خدمت کرنا، بچے سنبھالنا، تیرا گھر ہے وہ۔" ماں سمجھانے لگی، خوف زدہ ہو گئی تھی، بیٹی کی ایسی باتیں سن کر۔ "غریبوں کو کب زیب دیتی ہیں آگہی شعور والی باتیں۔ غریب اور جانور تو ایک برابر ہوتے ہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔

"جس گھر میں تو نے بیاہا ناں مجھے، اس کی چھتروں دن بدن اونچی اور اونچی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ماں مجھے خوف آنے لگا ہے۔ ماں ان چھپروں میں گھٹ کر میرا دم نہ نکل جائے۔" آواز روندھ گئی۔

"پاگل نہ بن نجو، کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہے تو، مبشر کی بیوی ہے تو اور جو بھی تو کر رہی ہے یہ تیرا فرض ہے۔"

"بیوی کا دل نہیں ہوتا ماں؟" ایک اور کرلاتا سوال کیا۔

"نہیں ہوتا۔" ماں نے بات ختم کی لیکن اس کے سوال تو شروع ہی اب ہوئے تھے۔ وہ کیسے ان پر پہرے لگاتی۔

مبشر رات کو گھر آیا تو ایک ڈومنی ساتھ تھی۔ اٹھارہ انیس کی ہو گی، ناک میں نتھنی، سر پر پیلے پھولوں والا جامنی دوپٹہ، رنگ گورا اور نین نقش تیکھے۔ جس انداز سے مبشر اس کو اندر لایا نجمہ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ نیچے اترتے معظم نے پاس آ کر بغور جائزہ لیا۔ پھر بھائی کی طرف منہ کر کے بولا۔

"دوسری دفعہ بھی چول ہی ماری۔" نجمہ پھر مٹی ہو گئی۔

"بکواس بند کرو۔" وہ ڈانٹتا بیڈ روم کی طرف چلا گیا۔

ڈومنی لٹک مٹک کر اس کے پیچھے ہی چل دی۔

پھر اسی رات اسے اور بچوں کو اوپر والے کمرے میں شفٹ ہونا پڑا۔ کسی نے نہ پوچھا۔ وہ کس کو لے آیا گھر اور کیوں؟ سب خاموش، مبشر میاں کی ساری تنی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ سارا دن اس چھمک چھلو کے آگے پیچھے گزر جاتا۔ صبح وہ دروازے پر چھوڑنے آتی تو نک سک سے تیار، شام کو مبشر گھر آتا تو کمرے میں بند، ہی ہی ہاہا، عجیب طرح سے ہنستی تھی۔ سارے گھر میں ہر وقت قہقہے بکھرے رہنے لگے۔

نجمہ اپنی ذات میں ڈومنی ہو گئی۔ ماحول بدل گیا۔ گھر

سے بک بک جھک جھک ہی ختم ہوگئی۔ ساجدہ کی ہائے ہائے چیپ کی بکل مارے بیڈ کے نیچے ہی کہیں چھپ گئی۔ اس کی مصروفیت میں یک لخت کمی واقع ہوگئی تھی۔ وہ آرام سے سب کا ناشتہ بنا کر کچن میں رکھتی اور بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد خود اوپر آجاتی۔ ڈومنی اپنے کھلونے کے ساتھ باتیں کرتی باہر نکلتی‘ ناشتہ کرتے ہوئے ٹھمکے چلتے‘ مبشر آفس اور ڈومنی ساس کے پاس بیٹھی اپنی ویلیو کی داستانیں سنائے جاتی‘ شادیوں کے قصے‘ جھگیوں کی لڑائیاں اور ساجدہ کا دل کرتا‘ اس کی گڑوی اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ لیکن یہ نجمہ نہیں تھی‘ ’’کنگنا‘‘ تھی۔ بھلے مبشر اس کو بازار سے پکڑ کر لایا تھا لیکن لایا تو مبشر ہی تھا ناں اپنی پسند سے‘ اسے کوئی کیسے کچھ کہہ سکتا تھا۔ شاہدہ آئی تو گھر کا ماحول دیکھ کر سر پیٹ لیا۔

’’یہ کیا کردیا مبشر نے‘ گھر کو بازار بنادیا۔‘‘ وہ تو پاگل ہی ہوگئیں‘ فوراً مبشر کو فون گھمایا۔ ادھر خوشگواری سے کال اٹینڈ ہوئی شاہدہ شروع ہوگئی۔ جو منہ میں آیا کہہ ڈالا۔ مبشر میں لاکھ برائیاں سہی‘ بڑی بہن کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ خاموشی سے سب سنا اور شام کو گھر آکر بات کرنے کا کہہ دیا۔

’’اور اماں‘ آپ نے کیسے خاموشی سے یہ سب برداشت کرلیا۔‘‘ روئے سخن ماں کی طرف ہوگیا۔ ’’نجو غریب سہی عزت دار گھر سے تو تھی۔ پر یہ...... کیا اترا لے رہے ہیں بچے اس کے کپڑوں پر نظر ڈالیں۔ اتنے چست‘ کہاں گئی مبشر کی غیرت‘ اوپر سے ہر وقت منہ میں پان‘ غنڈوں کی طرح بات کرتی ہے۔ استغفر اللہ‘ بھول گیا گھر میں بچیاں ہیں۔‘‘ شاہدہ کا تو غصہ ہی کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ ’’کنگنا‘‘ کو بڑی نند کے غصے کی بھنک مل گئی تھی۔ سن بھی لیا تھا سب‘ اور اب غصے کے اظہار کے طور پر کمرے میں بند تھی۔ نجمہ نے ہی کھانا‘ چائے دیا شاہدہ کو۔

’’سب اس کی کمزوری......‘‘ اسے دیکھتے ہی شاہدہ نے سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا۔ ’’اس سے نہ ہوسکا کچھ ساری عمر شوہر کو سکون نہ دے سکی۔ اٹھا کے لے آیا حرافہ۔‘‘ ہاں سب قصور اس کے اس نے سوچا۔

’’اے...... حرافہ کس کو بولا رے تنے۔‘‘ چپڑ چپڑ پان چباتی وہ شاہدہ کے روبرو تھی۔ شاہدہ نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ وہ کچھ اور قریب آگئی۔

’’میں کچ پوچھیاں باجی۔‘‘ دونوں بازو کمر پر ٹکائے بڑے تیور لیے وہ بولی۔

’’میں تمہیں جواب دینے کے پابند نہیں‘ نکلوں یہاں سے‘ یہ نخرے جا کر اس کاٹھ کے الو کو دکھاؤ اور......‘‘ شاہدہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ کنگنا نے آگے بڑھ کر شاہدہ کے سر کے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیے‘ زوردار طریقے سے جھٹکے دیے اور بعد میں کس کر منہ پر تھپڑ مارے۔ شاہدہ کو تو سمجھ ہی نہ آئی اس کے ساتھ ہوا کیا۔ کنگنا نے بہت مضبوطی سے بال پکڑے ہوئے تھے۔ مارے حیرت کے وہ ششدر تھی وہ یا کوئی اور اس کے ساتھ ایسا کیسے کرسکتا تھا۔ اس نے اپنا آپ چھڑانا چاہا مگر اس کی موٹی موٹی باہوں سے وہ اپنا آپ چھڑا نہ سکی۔

سب بچے بشمول نجمہ شاہدہ کی یہ درگت بنتے دیکھ کر گنگ تھے۔ وہ ’’کنگنا‘‘ نہیں تھی جو بھاگ جاتی۔ بھاگ سکتی ہی نہیں تھی اس کے پیروں میں بچوں کی زنجیریں تھیں اور سب سے بڑی زنجیر تو وہ گالی تھی جو وہ شروع دن سے سنتی آئی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ مبشر یا باقی گھر والوں کی بات کو سچ ثابت کرے۔ مکرم اور معظم عرصہ ہوا دبئی چلے گئے تھے۔ وہیں شادیاں کرلی تھیں اور سکون میں تھے۔

ہمیشہ کی طرح وہ اس رات بھی بہت تھکی ہوئی تھی۔ سب کو کھانا دے کر وہ کچن سمیٹ رہی تھی۔ مبشر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اب دل اس کی طرف سے واہموں میں نہیں گھرتا تھا۔ فکر دل کو نہیں جکڑتی تھی۔ اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ اس گھر سے عزت‘ محبت اس کو مل سکتی تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ تھک چکی تھی اور سونا چاہتی تھی۔ سو آپا کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ ٹی وی میں مگن تھیں۔ سارے ڈرامے بھگتا کر سوتی تھیں۔

’’مبشر نہیں آیا ابھی؟‘‘ اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

’’نہیں‘ وہی میں کہنے آئی تھی‘ میں اوپر جارہی ہوں‘ آپ سعد سے کہیے گا کہ مبشر آئے تو گیٹ کھول دے۔‘‘ اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

’’دو منٹ رک کر شوہر کا انتظار نہیں کرسکتیں تم‘ کھانا کون دے گا اسے؟‘‘

’’وہ جب لیٹ آتے ہیں تو کھانا کھا کر آتے ہیں۔ آپ بس سعد سے کہیے گا کہ گیٹ کھول دے۔‘‘ وہ کہہ کر مڑی‘ کہ

آپا کی آواز پھر سے کانوں میں پڑی۔

"ایک کپ اسٹرانگ سی چائے کا بنا کر دیتی جاؤ' سر پھٹ رہا ہے......" وہ چپ چاپ کچن میں آ گئی۔ چائے کا پانی ابھی رکھا تھا کہ ڈور بیل چیخ اٹھی۔ وہ آنچ آہستہ کرتی باہر آئی۔ تو سعد گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ وہیں رک گئی۔ مبشر اندر آیا تو اس کے چہرے سے لگ رہا تھا تیور آج کچھ زیادہ ہی ٹھیک نہیں۔ کیا ہوگا کنگنا کے پیچھے سنا دی ہوں گی اس نے۔ کنگنا واپس اس گھر میں نہیں آئی تھی لیکن مبشر نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس سے ابھی تک ملنے جاتا تھا اس کو خرچہ دیتا تھا۔ کافی عرصے بعد وہ اسے دوبارہ مل بھی تو گئی تھی۔ چائے آپا کو تھما کر وہ جیسے ہی سیڑھیاں چڑھی' مبشر بھی لپک کر پیچھے آ گیا۔ آج خیر نہیں اس نے سوچا اور خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگی اور آ کر اس نے خوامخواہ خود کو مصروف ظاہر کیا۔ وہ مبشر کے پھٹ پڑنے کی منتظر تھی۔

"ردا کہاں تھی شام میں؟" اس نے پوچھا۔ ذرا پرے پنک بیڈ پر لیٹی تانیہ اور ردا دونوں نے کان کھڑے کیے۔ ردا کا دل بھی دھڑک اٹھا تھا۔

"ردا سے ہی پوچھ لو۔" اس نے الماری کے اندر منہ گھسیڑے کہا۔ مبشر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کیا۔

"تم ماں ہو اس کی' سارا دن تمہاری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں اور تمہیں نہیں پتہ کہاں تھی وہ؟" وہ غرایا۔

"ردا میرے کہنے میں نہیں بلکہ ردا کیا' آپ کی ساری اولاد میرے کہنے میں نہیں۔" اس نے ایک نظر ان دونوں پر ڈال کر کہا۔

"تو کس کا قصور ہے یہ؟" وہ چیخا۔

"میرا نہیں۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر کیا میرا ہے؟ میں ہوتا ہوں سارا دن' تربیت کرنا ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تمہارا فرض ہے تم ان پر نظر رکھو۔"

"رکھتی ہوں نظر مگر وہ کہتی ہیں جب ہمیں ہمارا باپ کچھ نہیں کہتا تو آپ کیوں منع کرتی ہیں۔" اتنا ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں۔

"تو یہ زبان چلانا کس نے سکھایا انہیں' بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں انہیں' کہیں سے بھی لگتا ہے کہ یہ اچھے خاندان سے بی لونگ کرتی ہیں۔"

"تربیت صرف ماں کا ہی تو فرض نہیں' بچے اپنے ماحول سے زیادہ سیکھتے ہیں مبشر اور ان بچوں نے آج تک جو کچھ گھر میں دیکھا ہے وہی تو اپنایا ہے۔ دیکھو تو' بالکل تمہارے خاندان کے لگتے ہیں۔ اسی طرح کسی کا ادھار نہ رکھنے والے۔ بات بات پر لڑنے جھگڑنے والے' ہر ایک کو بے عزت کرنے والے۔ میں نے تو آج تک ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں نچلے خاندان سے تھی مگر میری ماں نے مجھے عزت کرنا سکھایا تو میرے باپ نے مجھے اعتماد دیا۔ اگر میں نے کچھ غلط کیا اور میری ماں نے مجھے ڈانٹا تو میرے باپ نے کبھی میری سائیڈ نہیں لی۔ ہمیشہ سمجھایا اور بتایا کہ اگر ڈانٹ پڑی ہے تو میں نے ہی کچھ غلط کیا ہوگا۔ ماں کی تربیت تبھی پر اثر ہوتی ہے مبشر جب باپ پورا ساتھ دے۔ یہ نہیں کہ ماں اچھا برا بتا رہی ہو اور باپ بچوں کے سامنے ہی ماں کو جھاڑ پلا دے۔ اس کا مذاق اڑائے' اسے بے عزت کرے۔"

"اوہو......تو اب تم اپنے گناہ ہمارے سر تھوپنا چاہتی ہو؟" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"ہر ایک کو اپنے اپنے گناہ کا بوجھ خود ہی ڈھونا ہوتا ہے۔ مبشر صاحب' چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ سارے حساب رکھتا ہے اگر ہمیں وہ بساط سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا تو یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ ہم مسلسل اس کی مخلوق کا دل دکھائیں اور وہ ہمیشہ ہم پر عنایتوں کی بارش رکھے۔ وہ رسی دراز کرتا ہے تو کھینچنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ جب چاہے کھینچ لے اور منہ کے بل گرا دے۔"

"بڑے مروڑ اٹھ رہے ہیں پیٹ میں' بہت باتیں آ گئیں تجھے اب' ذہنی اذیت بنی ہوئی ہے میرے لیے۔ پچھلے پندرہ سال سے۔ بیٹھ کر وعظ سناتی ہے مجھے کم ظرف......" مبشر نے آگے بڑھ کر نجمہ کی چوٹی ہاتھوں میں پکڑتے جھٹکا دیا تھا تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جانے کس گناہ کی سزا ہو تم؟" اس نے جھٹکا دے کر چھوڑا لیکن دل تو جیسے جھٹکا کھا کر جاگ اٹھا تھا۔

"میں بھی یہی پوچھتی ہوں کس گناہ کی سزا ہیں آپ۔ کچھ نہ کچھ تو جواب ہوگا آپ کے پاس بھی۔" وہ دوبدو بولی' اب کہ مبشر کو ٹھٹکنا پڑا' آج وہ نجمہ نہیں تھی۔ یہ کوئی اور نجمہ تھی۔ اس نجمہ کی تو آواز نہیں نکلتی تھی۔ اور یہ نجمہ آئینہ لے کر اس کے

سامنے کھڑی تھی۔ اس سے سوال کررہی تھی' جواب مانگ رہی تھی۔

"میں..... 'ذات دی کوڑھ کرلی' نے چھتیراں نوں چھپے' یہی کہہ رہے ہیں ناں آپ کئی سالوں سے مجھے؟" اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "میں میلی' گندی' کریہہ..... میں تو غریب تھی ناں' آپ نے کیوں چنا مجھے' آپ تو اچھے خاندان سے تھے۔"

"کیا بکواس کررہی ہو۔ میں نے صرف یہ پوچھا روا کہاں تھی شام کو؟ اور اگر نہیں پتا تو میں بتاتا ہوں۔ یہ شام کو ایک گروپ کے ساتھ شیشہ پینے گئی ہوئی تھی۔ کیا عمر ہے اس کی تیرہ سال اور اس عمر میں......" روا نے فوراً سر پر لحاف تان لیا۔ اس کا راز کھلا بھی تو کس کے سامنے۔ نجمہ نے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

"میں نے جب بھی آپ کو بچوں کے متعلق کچھ بتانا چاہا' آپ نے نہیں سنا۔ الٹا آپ نے مجھے بچوں کے سامنے ڈانٹ کر رکھ دیا۔ وہ شیشہ پینے جاتی ہے۔ بڑی نیٹ کیفے جاتی ہے' سہیلیوں کے ساتھ کبھی میکڈونلڈ' کبھی کے ایف سی...... میں انہیں روک ہی نہیں سکتی۔ ان کے باپ کا پیسہ ہے وہ جہاں چاہے اڑائیں' میں کون ہوتی ہوں انہیں روکنے والی۔ بچپن سے دیکھتی آرہی ہیں وہ اس گھر میں میری حیثیت......"

"اوہ میرے خدایا۔" وہ چیخا۔ "اللہ کے لیے بس کرو' بند کرو اپنی بکواس۔ میری حیثیت' میری حیثیت۔" اس نے منہ بگاڑ کر نقل اتاری۔ "کیا ہے تمہاری حیثیت' کیا ہے تمہاری اوقات۔ تم بھول رہی ہو کس سے مخاطب ہو' زبان کاٹ کر رکھ دوں گا تمہاری۔" مبشر کو لگا 'کوڑھ کرلی' چھت سے چھلانگ لگا کر اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی ہو اور اسے کاٹنے کو پر تول رہی ہو' وہ پُرسکون رہی۔

"آپ نے ساری عمر مجھے یہی سنایا مبشر' کس گناہ کی سزا ہو' کس گناہ کی سزا ہو؟ غور کریں تو آپ جان جائیں گے۔ ہر ایک کو انعام اس کی حیثیت کا ملتا ہے۔ مبشر صاحب' کچھ نہ کچھ تو آپ سے سرزد ہوا ناں کہ میں آپ کی قسمت میں لکھی گئی' آپ کو تو اچھی عورت بھی ملی تھی' مرتبے والی اسٹیٹس والی' آپ کی ہم پلہ' کیوں ٹھوکر ماری آپ نے؟ کیوں ایسا گناہ کیا آپ نے کہ آپ کو میرے ساتھ زندگی گزارنی پڑ گئی؟ میں بھی یہی سوچنے لگی ہوں اب کہ مجھ سے ایسا کیا گناہ ہوا تھا مبشر جو مجھے آپ ملے؟" مبشر کو کرنٹ لگا۔ مرد کی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔

"دفع ہو یہاں سے' تمہارا دماغ الٹ گیا ہے۔ جو بہکی بہکی باتیں کررہی ہو۔" اب کہ وہ جلال میں آیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی مسلسل اس کی بے عزتی کررہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔

نجمہ ہنس دی۔ پہلی بار تو اس نے ہمت مجتمع کی تھی اس چھتیر (شہتیر) کو چھپاڑ لینے کی۔

"میں 'کوڑھ کرلی' ہی تھی مبشر' تب ہی تو چھت سے چپکی رہی' سب کچھ برداشت کیا۔ جوتے' پتھر' زہر آلود جملے' روح کو مار ڈالنے والے طعنے' ہم عورتیں اگر 'کوڑھ کرلیاں' نہ بنیں ناں مبشر' تو آپ جیسے مردوں کے ساتھ کون گزارا کرے؟ کسی بھی عورت کو اونچے چھتیر نہیں چاہییں۔ ہماری مائیں ہماری تربیت کرکے بھیجتی ہیں' ہمیں سارے گن سکھاتی ہیں۔ خدمت' محبت' وفا...... یہ تینوں چیزیں ہمیں گھٹی میں ملتی ہیں۔ مبشر صاحب...... اور سزا کوئی ایک نہیں کاٹتا دونوں کاٹتے ہیں مبشر' آپ ہی اکیلے نہیں ہیں' میں بھی سزا کاٹ رہی ہوں۔ میرے گناہ آپ سے زیادہ ہیں شاید' اس لیے میرے مقدر میں سزا بھی بڑی لکھی گئی ہے آپ کی صورت' کبھی نہ ختم ہونے والی۔" وہ بات مکمل کرکے سیڑھیوں کی طرف بڑھ آئی۔ سیلن زدہ وجود چٹخنے لگا تھا اور اس میں دراڑیں ابھر آئی تھیں۔ ہمیشہ روتا رہنے والا دل آج چپ تھا۔ مطمئن تھا' اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ مگر جانتی تھی' کوڑھ کرلی نے اپنا زہر 'چھتیر' پر تھوک کر اسے بھی نیل و نیل کردیا تھا۔

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرا صغیر احمد

میں نے چاہا تجھے عید پہ کچھ پیش کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے تراشے ہوئے موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو میرے قلب کی دھڑکن دھڑکن



گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید سودہ کے ہمراہ مدثر صاحب سے ملنے کی غرض سے آتا ہے وہیں صالحہ بیگم اور مدثر ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ باپ کے بے یقین انداز پر زید کو بے حد شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اتنا عرصہ اپنے پرخلوص رشتوں سے محروم رہا۔ شاہ زیب بھی زید کے خوشگوار تاثرات دیکھ کر سودہ کے حوالے سے بات کرتا ہے لیکن زید ماں کے خلاف جا کر یہ رشتہ نہیں بنانا چاہتا' اسی لیے سہولت سے انکار کردیتا ہے۔ مائدہ اور عمرانہ رضوانہ کے گھر سے جھگڑے کے بعد چپ چاپ لوٹ جاتی ہیں' ایسے میں عفرا اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کرتی ان کو منانے کی بات کرتی ہے۔ رضوانہ کو بھی عفرا کی بات پسند آتی ہے' جب ہی وہ عمرانہ کے سامنے عروہ کی جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے بات کو نظر انداز کرنے کا کہتی ہے۔ لیکن عمرانہ' عروہ کی تلخ باتوں کو بھلانے پر آمادہ نہیں ہوتی اور بہن سے خفا ہو کر گھر لوٹ آتی ہے۔ زید گھر پہنچتا ہے تو عمرانہ سے ملاقات نہیں ہو پاتی ایسے میں مائدہ بھی زید سے تمام باتیں چھپا جاتی ہے۔ دوسری طرف زید بھی انہیں یہ حقیقت نہیں بتا پاتا کہ وہ مدثر صاحب اور صالحہ بیگم سے تعلقات بحال کرچکا ہے۔ سب گھر والے بھی زید کے فیصلے سے بے حد خوش نظر آتے ہیں لیکن اپنی ماں کے رویے کو لے کر وہ خدشات میں گھر جاتا ہے۔ یوسف نوین سے محبت کے دعویٰ دار تو ٹھہرتے ہیں لیکن اولاد کی بابت جان کر وہی رویہ اپناتے ہیں جس کا خوف جہاں آرا کو پہلے سے ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ نوین کو دھمکاتے اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے جانے کا کہتے ہیں لیکن نوین اس بات پر آمادہ نہیں ہوتی' جب ہی یوسف دولت کے نشے میں چور انہیں راستے سے ہٹا دینے کا ارادہ کرلیتے ہیں۔ سامعہ لاریب کی مشکوک سرگرمیوں پر خائف نظر آتی ہیں اور لاریب سے پوچھ گچھ کرتی ہیں تو لاریب ان کے سامنے نہایت بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔ جس پر وہ اس کی پاکٹ منی بند کرنے کا کہتی اسے مزید طیش میں مبتلا کردیتی ہیں۔ نوفل انشراح کے رویے پر بے حد خائف ہوتا ہے' اسے انشراح کے اس رویہ کی وجہ سمجھ نہیں آتی' جب ہی وہ بابر اور عاکفہ سے بھی ذکر کرتا ہے۔ ایسے میں عاکفہ انشراح کو سمجھاتی اسے معافی مانگنے پر مجبور کرتی ہے۔ انشراح بھی اتنی جلدی اس معاملے کو ختم نہیں کرنا چاہتی جب ہی پلان کے مطابق اپنے رویے پر شرمندگی کا اظہار کرتے نوفل سے دوستی کرلیتی ہے۔ ساریہ نوفل اور انشراح کی باتیں سن کر مشتعل ہوجاتی ہے اور نوفل کے کردار کو مشکوک بنادیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

ساریہ کی آمد سے وہ بے خبر تھا۔ اب اچانک اس کی انٹری اور اس پر ایک شرمناک الزام کا حملہ اس نے موبائل ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"یہ تم کیا کررہی ہو؟" وہ جتنی تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس نے ساریہ کے ہاتھوں کو جھٹکا تھا' جن سے وہ کپڑے پھاڑنا چاہتی تھی اس جھٹکے سے وہ کارپٹ پر گر پڑی تھی۔

"دماغ درست نہیں ہے تمہارا تم ہوتی کون ہو چھپ کر میری باتیں سننے والی؟"

"دماغ درست نہیں ہے تب ہی تو آپ سے پیار کر بیٹھی ہوں اور آپ تو چھپے رستم نکلے' ایک طرف بے زاری و سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

وہ غصے میں کہہ رہی تھی نوفل سینے پر بازو باندھے اطمینان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی نازیبا حرکت پر غصہ و اشتعال عود کر آیا تھا مگر لمحے بھر میں اس نے اپنے غصے پر قابو پالیا تھا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں آنٹی' انکل اور باقی لوگوں کو آپ نے بے وقوف بنایا ہوا ہے یہ کہہ کر کے آپ کو لڑکیوں میں کوئی

انٹرسٹ نہیں' آپ کبھی شادی نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ...... لیکن آپ مجھے بدھو نہیں بنا سکتے' میں نے آپ کی چوری پکڑ لی ہے۔" اس کی خاموشی اسے شیر کر گئی تھی وہ بے خوف وخطر بول رہی تھی۔

"تم نے میری چوری پکڑ لی کیا کرلوگی تم میرا؟"

"میں...... میں سب کو بتاؤں گی آپ کی اصلیت کہ کس طرح سے آپ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں' باہر گرلز سے افیئر ز کرتے ہیں اور گھر میں ڈھونگ کرتے ہیں پارسائی ولا پروائی کا گویا آپ کو کسی کی ضرورت ہی نہیں۔" نوفل کی سنجیدگی وسپاٹ انداز لحہ بھر میں اس کی بے خوفی ہوا کرنے لگا۔

"آف کورس...... تم جیسی گھٹیا لڑکیوں کی پرچھائی سے بھی مجھے کراہیت آتی ہے۔تم نے چند لمحوں قبل جو گھٹیا حرکت کرنے کی کوشش کی ہے مجھے رسوا کرنے کی...... تمہاری اس ذلیل حرکت سے معلوم ہوگیا ہے کہ تم اسی گھمنڈی وبے حیا عورت کا خون ہو...... جو بدقسمتی سے میری ماں تھی۔" اس بار اس کے لہجے میں بادلوں کی گھن گرج تھی۔سار یہ اس کی سرخ آنکھیں اور بھڑکتی ہوئی آواز سن کر اپنی ساری تیزی وطراری بھول کر رہی۔

"اب تمہاری خیریت اسی میں ہی ہے کہ جتنا بھی جلد ممکن ہو یہاں سے دفع ہوجاؤ میں تمہارے گھٹیا وجود قطعی برداشت نہیں کرسکتا۔" بڑے حقارت بھرے لہجے میں تنبیہہ کی۔

"پلیز...... نوفل......"

"شٹ اپ...... منہ بند کرو۔" وہ بات قطع کرکے دھاڑا۔

"میں سب برداشت کرسکتی ہوں مگر یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ...... آپ کسی دوسری لڑکی کو چاہیں' کسی اور لڑکی کا نام آپ کے ساتھ لگے۔" اسے لگا وہ اسے کھونے لگی ہے اور یہ کھونے کا ہی درد تھا کہ وہ خوف ودہشت کو پس پشت ڈال کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہی فیلینگز میری تمہارے لیے ہیں میں یہ کبھی نہیں برداشت کروں گا کہ تم مجھے چاہو' تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جڑے نو نیور......" وہ موبائل اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔

❁......❁......❁

"اماں...... اماں...... کیا دیکھ رہی ہو کیا ہے وہاں؟" نوریہ نے ماں کو حیرت وخوف سے باہر دیکھتے ہوئے دیکھا تو اس کے قریب پہنچ کر باہر کھڑکی کے پار دیکھا اور وہاں کا منظر دیکھ کر وہ بھی خوف ودہشت سے متوحش ہوگئی تھی۔اس کی پیاس اڑ گئی تھی۔لان کے عقبی حصے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کدال سے زمین کھود رہا تھا وہ زمین خاصی گہرائی وچوڑائی میں کھودی جارہی تھی' ساتھ ہی یوسف کھڑا معائنہ کرنے کے ساتھ کچھ ہدایت بھی دے رہا تھا۔اس وقت اس کے چہرے پر سفاکی و بربریت چھائی ہوئی تھی۔

"ماں...... وہ ملازم زمین کیوں کھود رہا ہے؟" وہ کھڑکی سے دور ہوئی اور جہاں آرا کا ہاتھ پکڑ کر خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"وہ ہماری قبر کھود رہا ہے......"

"اوہ ہو...... نہیں نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتی...... میں مرنا نہیں چاہتی۔" موت کا خوف اسے ہراساں کرگیا تھا۔

"مجھے کیا کہہ رہی ہو...... اپنی موت کا سامان تم نے خود کیا ہے کتنا سمجھایا تھا اس کی باتوں میں نہیں آنا ان مردوں اور سانپ کی ذات ایک ہی ہوتی ہے سانپ کو کتنا بھی دودھ پلاؤ وہ اپنا نہیں ہوتا موقع پاتے ہی ڈس لیتا ہے اور مرد بھی ایسی فطرت رکھتا ہے۔"

"کچھ لوگ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں جو ٹھوکر کھا کر نہیں سنبھلتے بلکہ گر کر ہی سنبھلتے ہیں...... لیکن اب ہوگا کیا وہ درندہ ہمیں مارنے کے درپے ہے کسی صورت معاف کرنے والا نہیں ہے۔"
"میں کہتی ہوں اس کی بات مان لیتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں یہ سرزمین اور کسی ایسی جگہ جا بستے ہیں جہاں ہمیں کوئی جاننے پہچاننے والا نہ ہو۔" مایوسی کے گھپ اندھیرے میں انہیں ایک ہی کرن دکھائی دے رہی تھی۔
"کیا کسی جنگل ویرانے میں چلی جاؤں کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں ہم سب سے دور ہو کر غاروں والی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
"غار ہو یا صحرا زندگی تو ہوگی......"
"نہیں...... وہ زندگی موت سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوگی۔" نوریہ کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا بہت عجیب حالت ہو رہی تھی۔
"تم بیٹھ جاؤ سکون کا سانس لو۔"
"سکون کا سانس کس طرح آئے گا اماں موت سر پر کھڑی ہے اور تم سکون کا سانس لینے کی بات کر رہی ہو یہاں میری جان پر بن رہی ہے۔"
"جان تو تمہیں دینی ہوگی اس جان پر ایک اور جان کا بوجھ لے کر جی رہی ہو یہ بہت ظلم ہے تم پر جو میں برداشت نہیں کر سکتا۔" اسی لمحے یوسف دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولا۔
"آپ جو چاہتے ہیں وہ ہم کرنے کے لیے تیار ہیں یوسف صاحب ہم یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانے کو تیار ہیں...... بس آپ ہمیں جانے کی اجازت دیں۔" جہاں آرا ہاتھ جوڑ کر لجاجت بھرے لہجے میں گڑگڑانے لگی تھیں۔
"معذرت خواہ ہوں اب میرا ارادہ بدل گیا ہے میں آپ کو جانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم یہ ملک چھوڑ کر جانا چاہ رہے ہیں اور آپ......"
"میں نے کہا ناں اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں تم لوگوں کی اصلیت جان گیا ہوں آج یہاں سے چلی جاؤ گی اور کچھ عرصے بعد بھرپور طریقے سے بلیک میل کرو گی تم لوگوں کو باہر نہیں اوپر جانا ہوگا اوپر......"

❁......❁......❁

"میری بات درست لگی آپ کو میں اسی ہفتے بارات لے کر آ جاؤں گا میں صوفیہ ممانی پر اعتبار نہیں کر سکتا اتنے پاپڑ بیلنے کے بعد انہوں نے حامی بھری تھی جس پر وہ اب پھر ڈانواڈول ہو رہی ہیں۔" پیارے میاں زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہے تھے۔
"ہوں...... درست ہے تمہاری بات اس معاملے کو طول دینا فضول ہی ہے اس ہفتے یہ کام ہو جانا ہی چاہیے۔"
"بالکل درست ہے پھر آپ رضامند کرلیں گے ممانی جان کو؟"
"تم نے کہا ہے ناں یہیں جاب کرو گے؟"
"میں وعدہ کرتا ہوں...... بلکہ قسم کھاتا ہوں کہ سودہ کو دبئی لے کر نہیں جاؤں گا اپنے ملک اور اپنے شہر میں ہی کام کروں گا۔"
"میں بھی پھوپو کو منانے کی مکمل کوشش کروں گا......"
"کوشش نہیں...... کوشش نہیں آپ وعدہ کریں کہ ممانی کو ضرور منائیں گے؟ کیونکہ ایک آپ ہی ہیں جن پر مجھے پورا

اعتبار ہے' بھروسہ کرتا ہوں آپ پر آپ میں یہ خوبی ہے کہ جو کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔"

"ہونہہ..... کتنا قابل ہوں میں..... جو شخص اپنی پہلی اور آخری تمنا' اپنا دل اور اپنی محبت اور محبت بھی وہ جس سے میں اور میرا رب واقف ہے..... تمہیں سونپ رہا ہوں..... اگر مجھ میں اتنی ہی قابلیت ہوتی تو سودہ..... سودہ زید کہلاتی پھر تمہاری پرچھائیں بھی اسے چھو نہیں سکتی تھی۔" تاسف زدہ سوچیں دماغ میں گردش کرنے لگیں۔

"زید بھائی..... کہاں کھو گئے آپ؟ میری بات آپ سن نہیں رہے ہیں۔" وہ اسے ایک دم سے گم صم دیکھ کر بے قراری سے بولا۔

"میں سن بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں' تم اب حوصلہ کرو میں آفس سے جا کر پہلے پھوپو جان سے ہی بات کروں گا....."

"صرف بات ہی نہیں ممانی جان کو راضی بھی کرنا ہے۔" حسب عادت بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آئی نو آئی نو' ان سے صرف بات ہی نہیں کرنی انہیں راضی بھی کرنا ہے۔" ایک تکلیف دہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"سوری آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے میں کیسا آدمی ہوں بار بار آپ کو پریشان کرنے آ جاتا ہوں' دراصل مما ممانی سے خاصی کبیدہ تھیں۔ وہ سودہ کو بہو بنانے کو تیار نہ تھیں اور اتفاق سے چندا کے سیل فون میں میں نے سودہ کی کئی تصویریں دیکھی تھیں اور..... تب ہی دل نے فیصلہ کرلیا تھا مما کی بہو فقط سودہ ہی بنے گی۔" وہ اپنی داستان اسے سنا رہا تھا اور وہ سننے پر مجبور تھا۔

"مما کو جس طرح راضی کیا وہ بہت سخت مرحلہ تھا اور جب مما راضی ہوئیں تو اب کہتی ہیں دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے مگر میری بہو سودہ ہی بنے گی۔"

"کیا لو گے..... کیا آڈر کروں؟" خاطر و مدارت کے بہانے ہی ٹاپک بدلنا چاہا وگرنہ سودہ..... سودہ کی گردان اس کے حوصلوں کو ریزہ ریزہ کرنے لگی تھی اس کی بات پر پیارے میاں معذرت کرتے ہوئے ایک بار پھر اسی ہفتے بارات لانے کا یقین دلاتا چلا گیا تھا۔

"محبت روح کا عذاب ہے پل پل زندگی کا تاوان ادا کرنا پڑتا ہے یہاں۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کرسی کی بیک سے ٹیک لگالی۔ رات بھی سکون کی نیند نہیں آئی تھی اب ذہنی تناؤ کے باعث آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

❁.....❁.....❁

دیکھ کر کہیں اور تیرے پیار کی برسات
خشک سالی سی اتر آئی ہے دل کی زمین پر

جب سے نوفل کو فون پر بات کرتے سنا تھا اور جواباً اس کے سوال کرنے پر جس طرح اس نے اسے لفظوں کی مار ماری تھی' نفرت کی آگ سے جھلسایا تھا وہ سب اسے تکلیف و اذیت میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ ساری رات درد و کرب میں مبتلا رہی تھی بار بار یاد آ رہا تھا وہ کسی لڑکی سے کس طرح خوش مزاجی و شوخی سے بات کر رہا تھا..... اس نے کبھی اسے اتنے ریلیکس انداز میں بات کرتے نہ سنا تھا۔ وہ ہمیشہ بدمزاجی کی حد تک سنجیدہ و خاموش رہتا تھا۔ کم از کم اس نے کبھی اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ رات اس کی باتوں..... بلکہ طعنوں پر وہ کمرہ بند کرکے بیٹھ گئی تھی' صبح ناشتہ اور لنچ بھی اپنے کمرے میں ہی کیا تھا اور اس کی اس غیر حاضری پر زرقا بیگم کو تشویش ہوئی تھی جب وہ شام کی چائے پر بھی کمرے سے نہ نکلی تو وہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''ساریہ بیٹا..... کیا بات ہے آج سارا دن روم سے باہر نہیں آئیں' طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ شفقت سے کہتی ہوئیں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ساریہ نے غصے سے دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

''کیا ہوا بات کیوں نہیں کررہی ہیں آپ؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے..... لیکن یہاں کسی کی ایسی جرأت نہیں جو آپ کو کہنا تو درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھ بھی سکے۔'' نوفل اور اس کے مابین ہونے والے تنازعے سے بے خبر وہ اس کی سرد مہری دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''کسی کی جرأت کے آگے آپ کے ایک لاڈلے کی جرأت ہی کافی ہوتی ہے۔ وہ جو دل چاہے کرسکتے ہیں نہ انہیں ڈر ہے کسی کا نہ خوف۔''

''نوفل کے متعلق کہہ رہی ہیں؟'' وہ متحیر ہوئیں۔

''جی..... ان کے علاوہ بھی کوئی لاڈلہ ہے آپ کا..... انہیں ہی آپ نے اتنا سر چڑھا رکھا ہے کہ باقی سب انہیں گرے پڑے دکھائی دیتے ہیں نہ کسی کو عزت دیتے ہیں۔'' نوفل نے جو ماں کے کردار کے حوالے سے اسے طعنے دیئے تھے وہ کسی نشتر کی طرح اسے گھائل کرگئے تھے وہ اب کسی لحاظ ومروت کے زرقا سے گفتگو کررہی تھی حالانکہ وہ سراسر لاعلم و بے قصور تھیں۔

''اب جب تک آپ مجھے ساری بات نہیں بتائیں گی تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ آپ کے اور نوفل کے درمیان کیا بات ہوئی ہے؟'' اس کی کڑوی کسیلی باتوں پر بھی ان کی پُرشفیق مسکان کم نہ ہوئی تھی۔

''چوری پکڑی ہے میں نے ان کی جو آپ تو کبھی پکڑ ہی نہ سکیں۔'' وہ جتانے والے انداز میں انکشاف کرتی ہوئی بولی۔

''چوری.....! کیسی چوری پکڑی ہے؟'' وہ سخت متعجب ہوئیں۔

''کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر سیل فون پر بات کررہے تھے اور.....''

''یہ چوری نہیں ہوئی وہ تو عموماً پڑھائی کے حوالے سے کلاس فیلوز یا اساتذہ سے بات کرتا رہتا ہے آپ نے شاید پہلی بار سنا ہے نوفل کو کسی سے بات کرتے ہوئے۔'' ان کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا اور یہ اعتماد ساریہ کے بھڑکتے ذہن کو مزید بھڑکانے لگا تھا۔

''یہی تو آپ کی بھول ہے آنٹی' وہ آپ لوگوں کے اعتماد کو مٹی میں رول رہے ہیں۔ آپ کی نظروں میں معصوم بننے کا ڈھونگ کرتے ہیں.....''

''کیا ہوا ہے ساریہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار لگ رہی ہیں..... میں نے کہا ناں نوفل کالز کرتا ہے اور کالز آتی بھی ہیں.....'' اس کے انداز ولہجے میں کچھ ایسا تھا کہ انہیں سنجیدہ ہونا پڑا۔

''مان گئی بہت انوسینٹ ہیں آپ اور وہ آپ کی اسی معصومیت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں' باہر لڑکیوں سے فلرٹ کرتے ہیں اور گھر میں ظاہر کرتے ہیں انہیں لڑکیوں سے نفرت ہے اور نفرت اس لیے ہے کہ ان کی ماں بدچلن عورت تھی' اسی حوالے سے وہ صنف مخالف کو بدچلن سمجھتے ہیں۔''

''ماضی جو راکھ بن گیا ہے میں نہیں چاہتی اسے کرید کر دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دی جائے کیونکہ چنگاری کب شعلوں کا روپ دھارے پتہ نہیں چلتا آپ بھی آئندہ کبھی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی۔'' وہ خاصی سنجیدگی سے اسے تنبیہ کرنے لگیں۔

''مجھے کبھی شوق نہیں رہا اس ٹاپک پر بات کرنے کا ہمارے گھر میں شعوانہ آنٹی کا نام لینا بھی کوئی پسند نہیں کرتا لیکن

یہاں رات ان کے حوالے سے طعنے نوفل نے مجھے دیئے ہیں۔"
"آپ نے بھی کچھ ایسا ہی کیا ہوگا ورنہ میں جانتی ہوں نوفل شعوانہ کا نام لینا پسند نہیں کرتا..... اس کے حوالے سے طعنے دینا دور کی بات ہے۔" نوفل کو انہوں نے ماں بن کر ہی پالا تھا جس طرح ایک ماں اپنے بچے کی اچھی و بری عادات سے مکمل واقفیت رکھتی ہے۔ وہ بھی اس کی نیچر سے آگاہ تھیں اور ان کی اس آگاہی پر ساریہ ششدر رہ گئی تھی۔
نمک مرچ لگا کر ہر بات وہ انہیں بتاتی چلی گئی تھی ماسوائے اپنی اس حرکت کے جس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں وہ نوفل کی وجہ سے ہی قاصر رہی تھی اور جس کے سبب ہی اسے شعوانہ کے طعنے سننے کو ملے تھے۔
"آج کل وہ ایگزامز میں بزی ہے فری ہوتے ہی میں اس سے آپ کے سامنے بات کروں گی۔ آپ اس کی باتوں کو مائینڈ مت کیا کریں۔" حسب عادت ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر وہ اسے بہلا کر کمرے سے باہر لانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔
"آنٹی..... آپ نوفل کو کچھ مت بتائیے گا کہ میں نے آپ کو ان کے بارے میں سب بتادیا ہے۔" زرقا نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

❁......❁......❁

یوسف کے لہجے میں بے رحمی ہی بے رحمی تھی اس کا اٹل انداز بتا رہا تھا۔ وہ انہیں ذرا بھی رعایت دینے کا روادار نہیں ہے۔ نوریہ بیٹھتی ہی چلی گئی جبکہ جہاں آرا اس کے قدموں میں بیٹھ کر گڑگڑانے لگی تھیں۔
"جو آپ سوچ رہے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ہم ماں بیٹی یہ ملک ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے اور کبھی بھول کر بھی یہاں کا رخ نہیں کریں گے..... اللہ کے واسطے آپ ایک بار صرف ایک بار ہماری جان بخشی کردیجیے۔"
"کس طرح یقین کرلوں جہاں آرا بیگم..... بہت سنا ہے تمہارے بارے میں بہت بڑی کھلاڑی ہو اس میدان کی بہت کہانیاں سن چکا ہوں۔"
"کہانیاں پھر کہانیاں ہوتی ہیں یوسف صاحب' لفظوں کے ہیر پھیر انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں اور سنی سنائی باتیں پورا سچ کہاں ہوتی ہیں۔" وہ بڑے کروفر سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا بے حد رعونت تھی اس وقت اس کے چہرے پر گویا ہر شے اس کے اختیار میں دے دی گئی ہو ان دونوں کا وجود اس کے لیے کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر تھا۔
"پورا سچ نہ سہی آدھا سچ پھر بھی ہوتی ہیں ناں؟"
"ہاں..... ہاں بالکل میں نے کب انکار کیا ہے جو آپ نے کہا وہ سچ ہے۔" موت کا خوف انہیں ہر بات ماننے پر مجبور کررہا تھا۔
"پھر یہ بھی سچ ہے..... جان بخشی کے بعد تم اپنا اصل روپ ضرور دکھاؤ گی۔ بلیک میل ضرور کرو گی؟"
"نہیں صاحب..... مجھے میرے مرے ہوئے ماں و باپ کی قسم..... میں خواب میں بھی آپ کے سامنے کبھی نہیں آؤں گی....."
"اوہ..... تم نہیں آؤ گی..... مگر اسے بھیجو گی؟" وہ چہرہ جھکائے گم صم بیٹھی نوریہ کی جانب اشارہ کرکے گویا ہوا تھا۔
"نہیں..... نہ خود آؤں گی نہ نوریہ کو بھیجوں گی میں نے اتنی بڑی قسم کھالی ہے پھر بھی آپ کو یقین نہیں آرہا..... آپ ہی بتائیں پھر ایسا کیا کروں جس سے آپ کو یقین آجائے؟"
موت کے خوف نے جہاں آرا کو بے بس و کمزور کردیا تھا ورنہ وہ کسی طرم خان کو بھی خاطر میں لانے والی عورت نہ تھی

بڑے مشکل مراحل میں وہ کامیابی سے مقابل کو جل دے کر نکل جایا کرتی تھی مگر یہاں بے خبری میں ماری گئی تھی اور راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ نویرہ اور اس کا بچہ بنے تھے۔ پہلی بار کسی کی منت دساجت کررہی تھی نخرے اٹھارہی تھی۔

''یقین آجائے گا مجھے..... اگر میری ایک بات مانو تو.....؟'' اس کی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھیں گردن جھکائے بیٹھی نویرہ پر تھیں جو ایسی بے حس وحرکت ہوگئی تھی گویا بے جان مورتی ہو۔ ''مانو گی میری بات.....؟''

''ہاں..... جو آپ کہیں گے وہ ہم مانیں گے آپ ارشاد کیجیے۔''

''میں تم سے نہیں نویرہ سے اقرار چاہتا ہوں..... بولو نویرہ..... مانو گی میری بات..... زندگی عزیز ہے تو میری بات ماننی ہوگی۔'' اس کے بار بار کہنے پر بھی نویرہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا بولنا تو تمہیں ہوگا۔''

''بولنا نویرہ کہ ہم ہر بات مانیں گے۔'' وہ نویرہ کو جھنجھوڑ کر بولیں اس نے نگاہ اٹھا کر یوسف سے سخت لہجے میں کہا۔

''جان دے دوں گی ابارشن نہیں کرواؤں گی یہی بات منوانا چاہتے ہیں آپ..... جو نہیں مانوں گی۔''

۞.....۞.....۞

''مجھے اچھی آپا کی نیت پر پہلے ہی شک تھا کہ وہ کسی اچھے ارادے سے میری سودہ کے لیے رشتہ لے کر نہیں آئی ہیں اور وہ اچھی نیت سے آتی ہی کیوں بھلا جس عورت نے میری زندگی جہنم بنا کر رکھی وہ میری بیٹی کو خوشیاں دینے کا دل کہاں رکھ سکتی تھی۔'' زید کے سمجھانے پر وہ گردن ہلاتی ہوئی کہنے لگیں۔

''پھوپو جان..... پرانی باتیں بھول جائیں آپ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ پلیز اچھی آپا کی نیت اور محبت پر اعتبار کریں..... وہ بدل گئی ہیں اور سودہ کو محبت سے بہو بنا کر لے جانا چاہتی ہیں۔''

''جو گزر گیا..... وہ گزر گیا کہنا آسان ہے میرے بچے اس کا پتہ تو اسے ہی چلتا ہے جس پر یہ گزرتا ہے.....'' وہ آبدیدہ ہوئیں۔

''میں آپ کی ساری پریشانیوں سے واقف ہوں پھوپو جان، جو انسان خود سے نہیں سیکھتا ہے اسے وقت سکھا دیتا ہے اور وقت کا دیا ہوا سبق انسان کبھی بھولتا نہیں ہے اچھی آپا کو بھی وقت نے کہاں معاف کیا ہوگا۔'' پیارے میاں سے کیے گئے وعدے کی پاسداری اسے ہر صورت کرنی تھی سودہ نیک ارادے سے آپا تھا جانتا تھا صوفیہ بھی ضد کی پکی تھیں جو فیصلہ ایک بار کرلیں وہ پتھر کی لکیر ہوجاتا تھا اور اس لکیر کو مٹانے کی سعی اسے کرنی تھی وہ بھی پوری کامیابی کے ساتھ کہ اس نے بڑے یقین کے گمان میں اس پر یہ ذمہ داری ڈالی تھی۔

''صوفیہ بیٹی..... زید میاں کہہ تو ٹھیک رہے ہیں اچھی آپا نے کبھی تمہارے ساتھ خیر خواہی نہ کی ہمیشہ خود کو افلاطون ہی سمجھتی رہی تھیں..... پھر دیکھو نہ وقت نے کیسا جھکایا انہیں بیٹے کا رشتہ مانگنے تم ہی سے آئیں اور پھر تم نے کون سی فوراً ہی حامی بھرلی..... سو سو چکر لگوائے تھے ناک گھستی ہوئی آئی تھیں..... وہ تو نہ منور بیٹے کو ان پر رحم آتا نہ یہ رشتہ ہوتا۔'' بوا نے پان چباتی ہوئی کہا۔

''منور بھیا کی وجہ سے ہی میں مانی تھی پراب ماننے والی نہیں ہوں۔ زید میرے بچے تم اس معاملے سے دور ہوجاؤ تو بہتر ہوگا۔ دنیا کی ہر چیز سدھر سکتی ہے مگر اچھی آپا نہیں.....''

''ارے تم اچھی کو کیوں دیکھتی ہو صوفیہ؟ لڑکے کو دیکھو وہ ہماری سودہ کو بہت چاہتا ہے..... جس دن تم نے انکار کیا تھا ناں رونے جیسا منہ ہوگیا تھا اس کا..... موقع پاتے ہی کچن میں میرے پاس آیا تھا۔'' زید کو آمادہ دیکھ کر بوا کو بھی بولنے کا مواقع مل گیا۔

''کیا کہنے آیا تھا آپ کے پاس وہ؟'' وہ حیران ہوئیں۔
''یہی کہ میں تمہیں مناؤں وہ وہی کرے گا جو تم اسے کہو گی خود سوچو اس دور میں ایسے داماد کہاں ملتے ہیں جو ساس کے اشاروں پر چلنے کے لیے تیار ہوں......ورنہ داماد تو اشاروں پر چلاتے چلاتے بھی اکڑفوں دکھاتے رہتے ہیں۔''
''یہ صرف چار دن کی باتیں ہیں بوا! پھر اندھیری رات ہی رات ہوگی۔''
''ایسا کچھ نہیں ہوگا میں گارنٹی دیتا ہوں آپ کو......''
''زید میاں کی بات پر میں آنکھیں بند کرکے اعتبار کرتی ہوں اور تمہیں بھی کرنا ہوگا ویسے یہ نیک شگون بھی نہیں ہے کہ شادی کی ساری تیاریوں کے بعد شادی ہی ہونے سے پہلے ٹوٹ جائے' لوگ تو باتیں بنا کر ہماری بچی کو رسوا کردیں گے' پھر کوئی رشتا آنے والا نہیں۔'' بوا کی باتیں سچائی سے بھرپور تھیں۔

❁......❁......❁

نوفل نے اسے اتنی جلدی معاف کردیا تھا کہ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ چند جلے کٹے جملوں کے بعد وہ اس کی حرکت معاف کرچکا تھا اور اس نے حیرت سے جب یہ سب بالی کو سنایا تو وہ رسانیت سے سمجھانے لگی۔
''جو محبت کرتے ہیں وہ زیادہ دن خفا کہاں رہ سکتے ہیں...... یہ ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ تمہاری اتنی بڑی مجرمانہ حرکت کو بھی وہ اتنی آسانی سے معاف کرگئے ہیں۔''
''مجرمانہ حرکت؟'' متعجب انداز میں شا نے اچکا کر استفسار کیا۔
''وہ جرم ہی کہلائے گا جو ہنگامہ تم نے برپا کرنے کی سعی کی تھی۔''
''آئی ڈونٹ مائنڈ ڈیئر...... میں آج بے حد خوش ہوں اور اسی خوشی میں میں تمہاری کسی بھی اسٹوپڈ بات کا جواب نہیں دوں گی۔'' اس نے شوخی سے کہتے ہوئے بالی کو گھما کر رکھ دیا۔ بالی نے اس کے خوشی سے دمکتے حسین چہرے کو دیکھا جہاں کوئی عزم تو جنم لے چکا تھا ساتھ ہی اس کی بلی جیسی چمک دار آنکھوں میں بڑی پراسراری چمک بھی ابھری تھی۔
''بہت خوش دکھائی دے رہی ہو نوفل بھائی کے معاف کرنے پر؟''
''ہوں بہت خوش ہوں۔'' وہ راکنگ چیئر کو تیز تیز حرکت دیتے ہوئے جھولنے لگی دو دن قبل والی بیزاری و کوفت ہوا ہوگئی تھی۔
''اگر وہ معاف نہیں کرتے پھر تم کیا کرتیں؟''
''وہ معاف نہیں کرتا...... ہونہہ۔ وہ کیا اس کا تو باپ بھی معاف کرتا' تم ابھی میری صلاحیتوں سے واقف ہی کہاں ہو میری جان۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔
''تمہارا یہ روپ دیکھ کر لگ رہا ہے میں تم سے بھی واقف نہیں ہوں۔ آج بہت بدلی اور نئی نئی سی لگ رہی ہو...... بالکل ماسی کی طرح حرکتیں' ماسی کے انداز میں باتیں ماسی کی روح تو حلول نہیں کرگئی ہے تم میں؟'' بالی کے انداز میں افسردگی تھی۔
''ہاہاہا...... کیسی باتیں کرتی ہو بالی' نانی زندہ ہیں ابھی ان کی روح پھر کس طرح مجھ میں سما سکتی ہے تم بھی کمال کرتی ہو یار......'' آج بات بے بات اس کی ہنسی کے جلترنگ بج رہے تھے اور بالی کو وہ ہنسی نوحہ لگ رہی تھی۔ اس ہنسی میں خوشی نہیں آہ و بکا تھی۔
''تم اب ان کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ وہ ایک ایسے بے خبر پرندے کی مانند ہیں جو خود ہی تمہارے جال میں پھنس گیا ہے۔''

"ابھی سوچا نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے..... مگر جو بھی کروں گی..... اس کے بڑوں کو زندگی بھر مزہ چکھانے کے لیے کافی ہوگا۔ وہ جب بھی اسے دیکھیں گے خون کے آنسو روئیں گے۔"

"پھر تم کیا کرو گی اَشی؟ کسی کو دکھ دینے والے خود بھی کبھی سکھی نہیں رہتے..... یہ جو تم نوفل بھائی کے ساتھ دل لگی کرنے جارہی ہو ناں عموماً دل لگی..... دل کی لگی بن جاتی ہے یہ ایسی آگ ہے جو بجھتی نہیں ہے زندگی کو جلا کر راکھ کردیتی ہے۔"

"بالی پلیز..... تم کیوں میرے ارادے کمزور کرنے پر کمر بستہ رہتی ہو۔"

"اس لیے کہ انتقام و بدلے کی باتیں کمزور لوگ ہی کرتے ہیں..... بہادر لوگ معاف کردیا کرتے ہیں ان کی سرشت میں بدلہ ہوتا ہی نہیں۔"

"میں بہادر نہیں ہوں' ٹھکرائے جانے والے لوگ انتقامی بن سکتے ہیں' بہادر نہیں جہاں بات وجود کی نفی کی آئے وہاں جواباً بدلہ وانتقام ہی رہ جاتا ہے۔"

"پھر وہی غلط بات کررہی ہو تم' اگر سبق ہی سکھانا ہے تو پھر سیدھی طرح جاکر یوسف صاحب کو سکھاؤ' گناہ انہوں نے کیا ہے سزا بھی انہیں ہی ملنی چاہیے کسی بے قصور کو کیوں سزا ملے۔"

"جس شخص نے دنیا میں آنے سے قبل ہی بے شناخت کردیا تھا وہ اب کس طرح مانے گا کہ میں اس کی اولاد ہوں....." اس کا مسکراتا چہرہ یک دم سنجیدہ ہوا' لہجے میں سرد مہری ابھر آئی تھی۔

"اب وہ مان بھی لے گا تو مجھے کوئی فرق پڑنے والا نہیں' میرے خزاں رسیدہ وجود میں اب کوئی بہار آنے والی نہیں' میں جیسی ہوں..... اپنے لیے ہوں' کسی دوسرے کی میری زندگی میں گنجائش ہی کہاں ہے۔"

"تم اس طرح کی باتیں کرتی ہو میرا دل بند ہونے لگتا ہے اَشی' اس طرح مایوسی والی باتیں مت کیا کرو' تم تنہا نہیں ہو میں ہوں تمہارے ساتھ ہر دم صرف موت ہی تم سے دور کرسکتی ہے۔" بالی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"تم بھی عجیب ہو بالی' کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ..... مگر یاد رکھنا تم نے نوفل کی فیور کی تو اچھی بات نہیں ہوگی۔" سخت لہجے میں تنبیہ کی۔

❁.....❁.....❁

سامعہ کی لگائی گئی پابندی نے چند ہفتوں میں ہی اسے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اب سر پر پڑی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ وہ پانی کی طرح پیسہ بہانے کا عادی تھا اور یہ عادت اس قدر پختہ ہوگئی تھی کہ سامعہ کی طرف سے پاکٹ منی کے نام پر دی گئی چند لاکھ کی پاکٹ منی سے اس کا گزارا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا جارہا تھا۔ سامعہ خود ہی اسے ہینڈل کررہی تھیں اور اس کے پاپا کی ہمت نہیں تھی کہ وہ بیوی سے اس کے لیے کچھ رعایت وصول کرلیں یا چھپ چھپا کر اس کی مدد کردیں کہ سامعہ گھر ہی نہیں بزنس میں بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ پیسہ ختم ہوتے ہی سارے فرینڈز اور گرل فرینڈز برساتی پروانوں کی مانند غائب ہوگئے تھے اور سب سے زیادہ حواس باختہ اسے جہاں آرا کی بدلتی نگاہوں نے کیا تھا جو بہت جلد ہی اس کی خالی جیب کا بھید پاگئی تھیں۔

"آپ تو کہتے تھے آپ کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ سات نسلیں بھی بیٹھ کر کھائیں گی تو کم نہیں ہوگا اور یہاں تو آپ خود ہی کنگلے ہوگئے ہیں۔" اس کی بات ہی نہیں لہجہ بھی کاٹ دار تھا۔

"میں نے بتایا ناں..... یہ صرف چند دن کی کڑکی ہے ممی کا موڈ اچھا ہوتے ہی سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"ماؤں کے موڈ خراب ہی رہتے ہیں اس کا مطلب ہوا میری بچی کی زندگی کڑکی میں ہی گزرے گی؟ آپ تو ابھی تک اپنے ماں وباپ کے آسرے پر پڑے ہیں عجیب وغریب رئیس زادے ہیں آپ؟"

"آپ ایک بار انشی کو میری زندگی میں لا کر تو دیکھیں...... اسے ہیروں موتی میں نہ تول دیا تو میرا نام بدل دیجئے گا۔" انشی کے نام پر وہ جوش وخروش سے کہنے لگا۔

"ارے بہت دیکھے ہیں ایسے ہیرے موتیوں میں تو لنے کے دعوے کرنے والے۔" ماضی کی کئی کڑوی یادیں ذہن میں اجاگر ہو کر منہ بھی کڑوا کر گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے...... آپ مجھے جھوٹا سمجھ رہی ہیں؟" اس کا موڈ لمحے بھر میں بگڑا۔

"ہاں یہ سب جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔" وہ نڈر لہجے میں گویا ہوئیں۔ "مطلب نکالنے کے بعد آپ لوگوں کے مزاج ہی بدل جاتے ہیں۔"

"آنٹی...... مطلب کہاں نکالنے دیں گی آپ ایک جھلک سے بھی انشی کی ترسا کر رکھتی ہیں جب بھی آتا ہوں اس سے ملوانے کے بجائے کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے ٹرخا دیتی ہیں۔"

"جب تک آپ فل پیمنٹ نہیں کریں گے انشراح کی پرچھائیں بھی آپ کو نہیں ملے گی۔" وہ بھی سارے لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر بولیں۔

"سمندر سے بھی زیادہ گہرا پیٹ ہے آپ کا جو کبھی بھرتا ہی نہیں...... بے حساب دولت میں یہاں لٹا چکا ہوں اور بدلے میں ایک بار بھی قریب سے اسے دیکھنے کی پرمیشن نہیں ملی۔" وہ بھی بدلحاظی میں نمبرون تھا۔ "یہاں میں یہ بوڑھی میک اپ شدہ صورت دیکھنے نہیں آتا ہوں۔"

"جوان چہرہ دیکھنے سے قبل تمہیں یہ بڑھا چہرہ ہی دیکھنا پڑے گا بلکہ اب کے پیسے ہوں تو یہاں تشریف لائیے گا ورنہ ابھی سے بائے بائے کنگلوں اور ماں کے ذریکٹیل لوگوں کی گنجائش نہیں ہے یہاں۔"

"تم اس طرح نہیں مانو گی مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" شدید جھنک پر وہ تلملاتا ہوا اٹھا۔

"ارے جاؤ جاؤ بہت دیکھے ہیں تم جیسے کچھ کرنے والے جہاں آرا ڈرنے والی نہیں تم جیسے کاغذی شیروں سے۔"

بالآخر کئی بار کی طرح اس بار بھی پیسے کی خاطر جہاں آرا نے اسے بے عزت کرکے نکالا تھا اور وہ چیختا چلاتا چلا آیا تھا۔

"صاحب...... یہ لالچی عورت ہر بار آپ کو بے عزت کرتی ہے...... ایک بار اسے بتادیں کہ بے عزتی کیا ہوتی ہے۔" مراد جو اسے پکڑ کر کار تک لایا تھا اس کے کار میں بیٹھنے کے بعد اپنی سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کرتا ہوا غصے سے بولا۔

"اس کم ذات کی کیا عزت اور کیا بے عزتی ابھی نوٹوں کی چند گڈیاں اس کے منہ پر لا کر ماروں گا پھر سے میرے قدموں میں بیٹھ جائے گی۔" وہ بگڑے موڈ سے بولا۔ مراد پھر سارا راستہ چپ رہا۔

گھر آ کر پھر اس نے سامعہ بیگم سے تکرار شروع کردی تھی غصہ جہاں آرا کا تھا جو وہ ماں پر نکال رہا تھا۔ پیسوں کا تقاضا کر رہا تھا۔

"میں تمہیں ایک پائی بھی دینے والی نہیں ہوں۔"

"پائی کی مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میری چیک بک واپس کریں۔"

"ہرگز واپس نہیں کروں گی تمہیں پتہ چلنا چاہیے پیسوں کی اہمیت کا۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے پلیز میری چیک بک دے دیجئے۔"

"چیک بک ہرگز نہیں ملے گی۔" وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔ وہ بیڈروم سے نکل کر باہر آئیں لاریب بھی غصے سے

تلملاتا پیچھے آیا تھا۔ نوفل جولاسٹ پیپر دے کر آرہا تھا۔ ان کی تکرار ہوتے دیکھ کر رک گیا۔ بڑی ناگواری تھی اس کے انداز میں۔

''مما..... میرا دماغ مت خراب کریں ورنہ بہت برا ہوگا۔''

''کیا برا ہوگا.....؟'' وہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ ''کیا کرلو گے چیک بک میں تمہیں دینے والی نہیں ہوں۔''

''آپ مجھے جذباتی مت کریں۔'' وہ دونوں نوفل کی آمد سے بے خبر تھے اور اندر آتا نوفل دیکھ رہا تھا۔ لاریب کے انداز میں شدید جارحانہ پن کسی بھی لمحے کسی انہونی ہونے کا موجب بن سکتا تھا وہ حواسوں سے بیگانہ لگ رہا تھا۔

''اور تم جو ایک عرصے سے ہمارے جذبات کے ساتھ کھیلتے آرہے ہو۔''

''اس میں میری غلطی نہیں ہے آپ لوگوں نے مجھے روکا کیوں نہیں؟''

''اب روک رہی ہوں..... پانی ابھی سر سے نہیں گزرا.....''

''گزر چکا ہے مما اب آپ شرافت سے میری چیک بک مجھے واپس کردیں میرے غصے کو مت بڑھائیں۔'' وہ ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بدتمیزی سے گویا ہوا۔

''لاریب..... آنٹی کا ہاتھ چھوڑو.....'' نوفل کی آواز کسی دھماکے کی مانند لاریب کے کانوں میں گونجی اور بے ساختہ وہ ہاتھ چھوڑ کر دور ہوا تھا۔ اس اثناء میں نوفل ان تک پہنچ گیا تھا۔

''تمہاری اتنی جرأت کہ تم آنٹی سے اس انداز میں بات کرو۔'' اس نے آتے ہی لاریب کے رخسار پر زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

''تم..... ہمارے معاملے میں نہ بولو تو بہتر ہے تمہارے لیے۔'' اندر سے خوف زدہ ہوتے ہوئے بھی اس نے ہمت کرکے اس کا سامنا کرنے کی سعی کی مگر تب ہی کئی تھپڑ اس کے چہرے پر پڑ چکے تھے۔

❁.....❁.....❁

گھر میں شادی کی گہما گہمی شروع ہوچکی تھی۔ صوفیہ کو زید کے ساتھ مل کر سب نے منالیا تھا اور حقیقی بات یہ تھی کہ وہ بھی بوا کے سمجھانے پر ڈر گئی تھیں کہ شادی سے چند روز قبل شادی ٹوٹ جانے سے سودہ کی جگ ہنسائی ہوگی پھر نہ جانے کس کس انداز میں لوگ اسے رسوا کریں گے اس کے مستقبل پر سیاہ دھبہ لگ جائے گا پھر کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔

پیارے میاں میں ایک اس بات کے علاوہ کوئی خامی نہ تھی کہ وہ اچھی آپا کا بیٹا تھا اور اچھی آپا وہ عورت تھی جس کی تیزی وطراری پر کبھی بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا مگر زید نے یہاں پیارے میاں سے کیے گئے وعدہ کی لاج نبھائی تھی۔ پیارے میاں نے بھی جو کہا وہ کرکے عملی ثبوت بھی دیا تھا۔ ایک ہفتے میں ہی بارات لانے کے سارے انتظامات کرلیے تھے اچھی آپا اور چندا بہت خوش تھیں ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں آج سودہ کی مایوں تھی کیونکہ لان خاصا وسیع وعریض تھا مایوں کی رسم کی تمام ارینجمنٹ وہاں کیے گئے تھے۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا گیندے کے پھولوں کی لڑیوں سے دلہن کے لیے اسٹیج تیار کیا گیا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی ہر جگہ بہار آئی ہوئی تھی۔ وہ دور سے ہی جائزہ لے رہا تھا کہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ دل میں ہونے والی تباہ کاریوں کے باوجود وہ اپنی ذمے داریاں پوری سچائی ولگن سے نبھا رہا تھا۔ ان ذمے داریوں میں اس کا ساتھ شاہ زیب برابر دے رہا تھا مگر موقع ملتے ہی وہ اس پر طنز کے وار کرنا نہیں بھولتا تھا جن کو وہ خندہ پیشانی سے اگنور کررہا تھا جانتا تھا..... یہ اس کی محبت ہی ہے اس نے آخری حد تک کوشش کی کہ سودہ اس کی ہوجائے مگر وہ ماں سے کیے گئے وعدوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا شخص تھا جو اپنے ہاتھوں دل کی دنیا خاک کرسکتا تھا لیکن

ماں کے اعتاد وفخر کو شرمندہ ہوتے نہ دیکھ سکتا تھا۔

جب سے شادی کی گہما گہمی شروع ہوئی تھی تب سے اس نے قصداً سودہ کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وعدوں کی پاسداری ایک طرف مگر دل کے تقاضوں سے جنگ کرنا بھی اتنا سہل نہیں ہوتا۔

''زید بیٹے......'' باوقار انداز میں تیار زمرد بیگم اس کے پاس آئیں۔ ''سودہ کے سسرال والے مہندی لے کر پہنچنے والے ہیں' سودہ کو ابھی تک کوئی پارلر سے لینے ہی نہیں گیا۔ شاہ زیب منور کے ساتھ کیٹرنگ ہاؤس گئے ہیں۔ آپ کو جانا ہوگا سودہ کو لانے کے لیے کال کی تھی وہ ویٹ کررہی ہے۔'' انہوں نے آتے ہی پریشان کن لہجے میں کہا۔

''زید..... طبیعت ٹھیک ہے بیٹا؟'' اس کی خاموشی پر وہ پریشان ہوئیں۔

''جی..... جی تائی جان میں ٹھیک ہوں میں جاتا ہوں اسے پک کرنے...... پارلر کا نام بتادیں' میں لے آتا ہوں۔'' کس قدر کٹھن مرحلے میں وہ اسے پھنسا بیٹھی تھیں کہ سن کر ہی اعصاب شل ہونے لگے تھے۔ وہ اس کے ڈوبتے دل کی کیفیت سے بے خبر پارلر کا ایڈریس بتانے لگیں۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی یلو اینڈ گرین کلر کے غرارہ سوٹ میں ملبوس پھولوں کی جیولری پہنے وہ عام دنوں کی نسبت منفرد و بہت دلکش لگ رہی تھی۔ ایک تو پہلے ہی وہ اس ڈریس میں الجھن محسوس کررہی تھی پھر شاہ زیب کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ پر زید کو براجمان دیکھ کر اس کا ازلی جھجک و تکلف عود کرآیا تھا۔ اسے قدم اٹھانے دشوار ہوگئے تھے۔ بے ساختہ اٹھنے والی نظر پر اس نے بھی قابو پایا تھا اور وہ اس کی سراسیمگی و گھبراہٹ محسوس کرکے سیٹ سے اترا اور فرنٹ ڈور اس کے لیے کھول دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے غرارہ سنبھالتی سیڑھیاں اتری اور حسب عادت سیٹ پر بیٹھتے ہی فرنٹ ڈور سے چپک گئی۔ زید نے دیکھا اور اس کے دل میں ہوک سی اٹھی...... اس کی کئی خاموش اداؤں میں ایک یہ ادا بھی اسے ازحد پسند تھی کہ وہ بیٹھنے کے بعد فاصلہ رکھا کرتی تھی...... مگر اب سب ختم تھا وہ کسی اور کی ہونے جارہی تھی۔

''آہ......'' انجانے میں اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور کار اسپیڈ بریکر پر اس بری طرح اچھلی کہ الٹتے الٹتے بچی تھی' قسمت سے ٹریفک کم تھا۔

''آر یو رائٹ؟'' سودہ کا سر ڈیش بورڈ سے بری طرح ٹکرایا تھا اور درد سے کراہ نکل گئی تھی۔ اس نے کار ایک طرف روکی اور سودہ کی طرف جھکا جو سر ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔

''دکھاؤ خون تو نہیں نکلا؟'' سر اتنی زور سے ٹکرایا تھا کہ وہ چکرا کر رہ گئی تھی وہ محسوس کرکے آگے بڑھا اور دیکھا تو اس کی پیشانی سرخ ہوگئی تھی۔

''شکر ہے خون نہیں نکلا مگر تمہیں چوٹ بہت زیادہ لگ گئی ہے۔'' وہ اس کی بندیا سیدھی کرتا ہوا اطمینان بھرے لہجے میں گویا ہوا۔ زید نے اس کی پیشانی پر پھولوں کی بندیا بے ساختگی میں سیدھی کی جو ٹکرانے کے باعث ترچھی ہوگئی تھی۔ مگر اس کا یہ عمل سودہ کو ایک بہت عجیب و نافہم سی کیفیت میں مبتلا کرگیا تھا۔ وہ کانپ سی گئی تھی۔

''پین بہت زیادہ ہے تو ہاسپٹل چلیں؟'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا فکرمندی سے بولا۔

''ہاسپٹل جانے کی ضرورت نہیں...... مجھے پانی پینا ہے۔''

''ہوں پانی بھی مل جائے گا...... سچ سچ بتاؤ کیسا فیل کررہی ہو درد کو مجھ سے چھپا تو نہیں رہی؟'' اس نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

''معمولی درد ہے پین کلر سے ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''کیا کارنامہ انجام دیا ہے پارلر والوں نے؟ مجھے تو کوئی چینج دکھائی نہیں دے رہی ہے خوامخواہ یہاں آکر ٹائم

ویسے کیا چوٹ علیحدہ لگ گئی۔" وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا گویا اپنے جذبوں کی نفی کر رہا تھا اور وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی زید بھائی آج اتنے بدحواس وڈسٹرب کیوں لگ رہے ہیں؟

❁......❁......❁

جہاں آرا کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اس گڑھے کے پاس ہی موجود پایا تھا پہلے وہ غنودگی کے زیراثر بے تاثر انداز میں پڑی رہیں پھر جیسے ہی شعور بیدار ہوا وہ اٹھ بیٹھی تھیں اور بیٹھتے ہی بڑا ہولناک منظر ان کے سامنے تھا۔ نویرہ بے ہوشی کی حالت میں اس گڑھے میں پڑی ہوئی تھی۔

"نویرہ...... نویرہ...... یہ کیا کر رہے ہو...... میری بیٹی کو زندہ دفن کر رہے ہو...... ظالموں رحم کرو...... یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ اٹھ کر ان دو جلاد نما مردوں کی سمت بڑھی تھیں جو نویرہ پر مٹی ڈالنے لگے تھے۔ انہوں نے بنا کچھ کہے صرف گھور کر ان کی طرف دیکھا تھا ہاتھ نہیں روکا تھا وہ مسلسل اس پر مٹی ڈال رہے تھے۔

"ارے ظالموں بے رحموں یہ کیا کر رہے ہو...... باز آ جاؤ...... اللہ کے لیے باز آ جاؤ میں تمہارے پیر پڑتی ہوں ہاتھ جوڑتی ہوں......" وہ ان کے پیروں میں گر کر دہائیاں دینے لگی...... مگر ان کی آہ و بکا کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اسی طرح اپنے کام میں منہمک تھے جہاں آرا کسی زخمی چڑیا کی مانند پھڑپھڑا رہی تھیں کبھی ایک کے پاؤں میں گر رہی تھیں کبھی دوسرے کے پیروں کو پکڑ کر منتیں کر رہی تھیں کہ کسی طرح ان جلادوں کو رحم آ جائے جو تیزی سے مٹی ڈالتے رہے تھے۔ وہ اس قدر سخت دل بے رحم تھے کہ ان کی پروا کیے بغیر اپنا کام کیے جا رہے تھے معاً اندر سے یوسف نکل کر اس طرف آئے تھے اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی اور اس کے قدموں سے لپٹ کر نویرہ کی زندگی کی بھیک مانگنے لگی تھی دکھ خوف سے ان کی آواز پھٹنے سی لگی تھی۔

"میری بیٹی کی جان بخش دیجیے...... میں اسے لے کر بہت دور چلی جاؤں گی...... اتنی دور کہ کوئی ڈھونڈ ہی نہ سکے گا۔"

"تمہیں کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں...... میں نے خود اس کا انتظام کرلیا ہے تم اور تمہاری بیٹی بہت دور چلی جاؤں گی...... تم بہت جلدی ہوش میں آ جاؤ گی اس کا مجھے آئیڈیا نہیں تھا ورنہ میں اور زیادہ اسپرے کرواتا مگر اب تمہاری قسمت کہ تمہیں ہوش میں ہی دفن کرنا پڑے گا۔" بے حد سفاکی و درندگی تھی لہجے میں تھری پیس سوٹ میں گردن اکڑائے کھڑا بڑی رعونت سے وہ کہہ رہا تھا دولت و اقتدار کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ نویرہ کے ابارشن سے انکار پر وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ باہر آتے ہی ملازم سے بے ہوش کرنے والے اسپرے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔ اس کے حکم پر پندرہ منٹ بعد ملازم ان کے ہوش و حواس سے عاری وجود کو وہاں لے آئے تھے۔

"اچھا چلو رحم کھا لیتا ہوں تم پر پہلے ایک وعدہ کرو......" معافیاں مانگ کر جب وہ نڈھال ہو گئی تو وہ پہلے ان ملازموں کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اشارہ کرتا اس سے گویا ہوا تھا اور وہ دونوں ملازم جو اس کی ایک نہ سن رہے تھے یوسف کے اشارے پر ساکت ہو گئے تھے۔ نویرہ کا پورا وجود ماسوائے چہرے کے مٹی میں چھپ گیا تھا۔ وہ اس مختصر عرصے میں اتنا روئی و چلائی تھیں آواز خراب ہو گئی تھی۔ یوسف کی بات پر صرف گردن ہلا کر رہ گئی تھیں۔

"ابھی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو لو اور ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ وہ گاؤں چھوڑ آئے گا چند دنوں میں میں تم دونوں کا یہاں سے جانے کا بندوبست کرواتا ہوں تب تک حویلی میں رہنا غلطی سے بھی کوئی چالاکی کی تم نے تو پھر لمحے بھر کی بھی زندگی نہیں ملے گی۔"

"آپ کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا جان بخشی کے لیے شکریہ۔" وہ ہچکتی ہوئی بھاری آواز کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی جواباً وہ اسی طرح گردن اکڑائے وہاں سے چلا گیا تھا۔

نوریہ کو اس دوران ہوش آ گیا تھا' خود کو زندہ دفن دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی' ان دونوں ملازموں نے ہی اس کوٹھی سے نکالا تھا جہاں آرائنے اس کے مٹی مٹی وجود کو سہارا دے کر کار تک پہنچایا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ گم نام سفر شروع ہو گیا تھا جس کی منزل و راستوں کی خبر انہیں نہ تھی۔ یوسف نے ٹیرس سے کار کو اس وقت تک دیکھا تھا جب تک وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی تھی کار کے جاتے ہی ان کے تنے ہوئے اعصاب نارمل ہونے لگے تھے۔ وہ ٹیرس سے کمرے میں آئے تھے۔ جہاں ملازم نے اس کی ڈرنک تیار کی ہوئی تھی۔ وہ پیتے ہوئے ملازم کو کئی ہدایتیں دیتا رہا اور جب اپنے شغل سے فارغ ہوا تو ریلیکس تھا۔ یہ سوچ کر اس نے راہ میں آنے والی رکاوٹ دور کر دی ہے۔ دو چار دن بعد وہ انہیں کسی ایسے ملک میں بھجوائے گا جہاں سے آنا بھی چاہیں گی پر آ نہیں پائیں گی' اسے بخوبی علم تھا نوریہ کی کوکھ میں پلنے والا بچہ ان ہی کا ہے وہ اس کے شب و روز سے واقف تھا..... مگر نوریہ کو بیوی کی حیثیت دینا خاندان کی ناک کٹوانے کے مترادف تھا۔ پھر اس کے والد کسی صورت یہ قبول کرنے والے ہی نہ تھے اس نے صرف انہیں خوف زدہ کر کے مصنوعی قبر بنوائی تھی' جب کہ وہ حقیقتاً انہیں کسی ایسی جگہ دفن کرواتے کہ کسی کو کبھی خبر نہ ہوتی تھی۔

وہ صبح کا انتظار کیے بنا ہی وہاں سے نکل گیا' حمہ میکے گئی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے سو گیا اور دوسرے دن گاؤں سے ملازم نے خبر سنائی تھی کہ رات کے ہی کسی پہر وہ دونوں ماں بیٹی فرار ہو گئی ہیں۔ پھر سمجھ نہ آیا کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا یہاں ان کی مسٹری بھی فیل ہو گئی تھی' وہ ہزاروں کوششوں کے باوجود ان کا کوئی سراغ نہ لگا سکے تھے۔ ہر سطح پر ناکام رہے تھے۔

❁......❁......❁

اس کے رخساروں پر پڑنے والے تھپڑ سامعہ کے ہاتھوں کے تھے جو بڑے غیض و غضب کے عالم میں مارتی چلی گئی تھیں۔

"پلیز کول ڈاؤن آنٹی......" نوفل نے احترام سے ان کے ہاتھ تھامے۔ لاریب ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

"یہ میں نے کیسی اولاد کو جنم دیا ہے؟" وہ نوفل کے شانے سے لگ کر رونے لگیں۔ نوفل نے بازو کے سہارے انہیں پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔

"آپ کو میرے گھر پیدا ہونا چاہیے تھا نوفل میرا بیٹا بن کر' میں فخر سے کہہ سکتی تھی کیا آپ میری اولاد ہیں' میرے بیٹے ہیں......" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور کچھ فاصلے پر کھڑا لاریب دل ہی دل میں مشتعل ہو رہا تھا۔ اسے اپنے کسی عمل پر کوئی شرمندگی نہ تھی بلکہ نوفل کے سامنے ماں کا ہاتھ اٹھانا مزید بڑھ گیا تھا لیکن ابھی کچھ کہنے کی جسارت یوں نہ کر پا رہا تھا کہ نوفل کا خوف اس پر حاوی رہتا تھا۔ حالانکہ عمر میں وہ اس سے ایک سال چھوٹا تھا مگر نوفل نے خود کو کچھ اس طرح رکھا تھا کہ اس پر اس کا رعب و دبدبہ بیٹھا ہوا تھا۔

"چلیں اب غصہ بھول جائیں آنٹی' میں آپ کا ہی بیٹا ہوں' میں نے آپ کو ہمیشہ ریلیکس دیکھا ہے' غصہ آپ پر سوٹ نہیں کر رہا۔" دھیمے سے مسکراتے ہوئے ان کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

"کل تک مجھے فیل نہیں ہوا تھا کہ ہم اپنی لائف کا کتنا بڑا لوس کرتے آ رہے ہیں۔ اذہان نے کتنی کوشش کی کہ اگر پڑھائی میں ان کا انٹرسٹ نہیں ہے تو بزنس جوائن کر لیں' لیکن انہیں صرف پیسہ اڑانے کی لت لگی ہوئی ہے ہمارا کچھ خیال ہی نہیں۔"

"آپ اتنا بددل نہ ہوں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا......"

"کب ٹھیک ہوگا' کس طرح ٹھیک ہوگا؟ تیور دیکھے ہیں نا ابھی آپ نے کس قدر بدتمیزی سے پیش آ رہا تھا مجھ سے


قرآن پڑھنا آسان سمجھنا سب کے لیے آسان
معروف قلمکار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں
سورۃ العصر
الاخلاص
الفاتحہ
الکوثر
ربنا آتنا
معاذ اللہ
تفسیر معوذتین
الکفرون
منگوانے کا پتہ
اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ اردو بازار لاہور۔ 0423-7116257
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 0213-5620771/2

جو اولاد ماں کی خدمت نہ کرے..... اس سے کسی اچھائی کی امید کی جاسکتی ہے؟" وہ بری طرح دل برداشتہ ہوگئی تھیں۔
نوفل نے بردباری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ معلوم نہ کیا کہ معاملہ کیا ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی بلکہ نہ صرف ان کا موڈ ٹھیک کیا بلکہ لاریب سے بھی معافی منگوائی وہ جو یہاں سے بھاگنے کی تگ ودو میں تھا فوراً ہی معافی مانگی اور وہاں سے چلا آ گیا تھا اندر ہی اندر غصہ بڑھ رہا تھا۔
"بچ بچ..... پور بوائے....." وہ راہداری تک پہنچا تھا تب ہی اچانک سے ساریہ اس کے سامنے آ کر ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئی۔
"وہاٹ یو مین؟" وہ بگڑے لہجے میں گویا ہوا۔
"یہاں ہر ایک لڑکا سب کو اپنی انگلیوں کے اشارے پر نچاتا ہے سب پر اس کا ہولڈ ہے وہ خود کچھ بھی کرتا پھرے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی ہے اور تم جیسوں پر وہ ہاتھ اٹھانے کی بھی دسترس رکھتا ہے۔"
"کیا مقصد ہے تمہارا..... کس نے کس پر ہاتھ اٹھایا ہے؟" اسے بڑی سبکی کا احساس ہوا سو وہ مکر گیا۔
"پلیز بنومت میں نے سب سنا ہی نہیں دیکھا بھی ہے بہت افسوس ہے نوفل کو تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہیے تھا۔ تمہاری مما کو بھی اس کے سامنے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہت انسلٹ ہوئی ہے تمہاری لاریب۔"
نوفل کی جلائی گئی آگ میں وہ ابھی تک جل رہی تھی۔ یہ غصے کی نہیں رقابت کی آگ تھی وہ بھول نہیں پا رہی تھی کہ وہ کس قدر دلنشیں انداز میں کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا ایسا لہجہ بھی اس کا سنا ہی نہ تھا..... بڑا خاص لہجہ تھا..... خاص لہجے خاص لوگوں کے لیے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ وہ 'خاص' نہیں تھی۔ آج وقت نے موقع فراہم کر دیا تھا اسے چال چلنے کا وہ اس کی مخالفت میں دور تک آ چکی تھی۔
"تمہیں کیوں میری انسلٹ کا خیال ہے؟ محبت تم اس سے کرتی ہو۔"
"میں کرتی ہوں..... وہ نہیں کرتا مجھ سے محبت..... وہ کسی اور سے ہی چکر چلا رہا ہے۔" وہ منہ بنا کر گویا تھی۔
"وہ کسی سے چکر چلا رہا ہے یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟"
"میں نے خود سنا تھا وہ کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا اور جب میں نے اس کی چوری پکڑی تو اس نے کہا میں یہاں سے دفع ہو جاؤں..... لیکن میں اتنی آسانی سے یہاں سے جانے والی نہیں ہوں۔"
"آئی لائک اِٹ۔" وہ کچھ سوچ کر مسکراتا ہوا بولا۔

❁.....❁.....❁

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
نوحہ گر اب کہ ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرتا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

کچھ دیر قبل جہاں افراتفری مچی ہوئی تھی وہاں خاموشیوں کے ڈیرے تھے۔ آج پیارے میاں کی مہندی کی رسم تھی جس کی تیاریاں شام سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ اب ان سب کے جانے کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ زید سب کے اصرار کے باوجود نہ گیا تھا۔ دل نے اب مزید منافقت سے انکار کر دیا تھا۔ سودہ کو پارلر سے لانے کے بعد پھر وہ اس حصے سے دور ہی رہا تھا جہاں وہ تھی۔ زید سیڑھیوں پر بیٹھا یک ٹک سودہ کے پورشن کی طرف ہی دیکھ رہا تھا جہاں خاموشی تھی۔ گھر میں وہ سر درد کا کہہ کر رک گیا تھا اور یہ سچ بھی تھا جب سے باقاعدہ شادی کی رسموں کا آغاز ہوا تھا وہ ذہنی طور پر تھکن کا شکار ہو گیا

تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کچھ مشکل سے ہی سہی...... وہ ان دردناک لمحوں کو جھیل لے گا' برداشت کرلے گا...... اسی لیے اس نے دل پر جبر کیا تھا نگاہوں پر پہرے بٹھا کر سودہ کے سامنے جانے پر پابندی لگادی تھی مگر شومئی قسمت کہ تائی جان کے حکم پر اسے پارلر سے پک کرنا پڑا اور اس دشمن جاں کی ہراساں ہونے والی ادائیں اسے بے قابو ہی کرگئی تھیں' دل کررہا تھا اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلا جائے اور اسی سوچ میں اس سے گاڑی بے قابو ہوگئی اس کا سر زخمی ہوگیا تھا گو کہ اس نے کولڈ ڈرنک پلانے کے بعد اسے میڈیسن بھی لے کردی تھی۔ دل بدعہدی پر آمادہ ہورہا تھا' اس کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے' پھر بڑی مشکل سے دل کو بہلا کرلے آیا تھا' جہاں سب اس کے منتظر تھے۔

"زید میاں...... کھانا لے آؤں آپ کے لیے......؟" بوا اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

"شکریہ بوا...... بھوک نہیں ہے۔"

"سارا دن گزر جانے کے باوجود آپ نے کچھ نہیں کھایا' ہلکا پھلکا کچھ لے لیجیے' کل بارات آئے گی سودہ بٹی کی تمام انتظامات آپ کو ہی کرنے ہیں اللہ نہ کرے بیمار ہوگئے تو مشکل ہوجائے گی۔"

"آپ بے فکر رہیے سارے انتظامات ہوچکے ہیں شہر کا بہترین بینکویٹ بک کروایا ہے' ڈنر مینیو بھی لاجواب ہے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" اس نے بوا کو بھرپور تسلی دی۔

"اللہ بہت اجر دے آپ کو بن باپ کی بچی کے لیے اتنا کررہے ہیں' بیٹا چائے لے آؤں کچھ کھا نہیں رہے تو چائے ہی پی لیں۔" دعا دیتے ہوئے انہیں اچانک خیال آیا۔

"کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے آپ آرام کریں۔"

"ٹھیک ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہو آواز لگا دیجیے گا میں سودہ بٹی کے کمرے میں ہوں' بٹیا کی تنہائی کے خیال سے میں رک گئی تھی۔"

"اچھا کیا بوا آپ لوگ بے فکر ہوکر سو جائیں میں جاگ رہا ہوں۔" بوا دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں اور وہ سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں رکھے صوفوں پر آکر بیٹھ گیا آج کی رات بہت بھاری تھی' سکون کے ساتھ ساتھ نیند بھی غائب تھی۔ سودہ کی اس گھر میں آج آخری رات تھی چوبیس پچیس سالوں میں پہلی بار وہ گھر سے باہر جارہی تھی' ورنہ ایک دن بھی کہیں اس کا باہر نہیں گزرا تھا اسے گھر سے باہر کالج کے علاوہ کہیں جانے کی عادت نہ تھی۔ اب سہاگن ہوکر وہ اس گھر سے رخصت ہونے والی تھی۔

"کیسا لگے گا اس کے بنا یہ گھر؟ برسوں سے ان آنکھوں کو اسے دیکھنے کی عادت ہے...... وہ دکھائی نہ دے گی تو دل کس طرح سنبھلے گا...... کیا تم اسے کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھ سکو گے؟" خیالات کا ہجوم یکساں اسے گھیرے ہوئے تھا۔

"یہ کیا ہوگیا ہے مجھے' میں کیوں ان جذبات میں جکڑ کر رہ گیا ہوں؟ کل تک سودہ کسی کی امانت تھی اور تم اس پر ایک نگاہ ڈالنا بھی گناہ سمجھتے تھے اور آج اپنے ہی عہد سے باغی ہونے جارہے ہو؟" ضمیر نے گویا سیدھی ڈگر دکھانی چاہی۔

"مجھے کیا معلوم تھا...... اسے کھو کر جی نہ پاؤں گا۔" نفس کراہا۔

"اپنے عہد کو تاراج کرو گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا' عزت پانے میں ایک عمر لگ جاتی ہے اور کھونے میں لمحہ کافی ہوتا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا ماسوائے اس کے کہ...... میں اس کے بنا رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا...... اگر وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں......"

"خواہشوں کا سودا کرنے والے صرف حسرتیں ہی وصول کر پاتے ہیں۔"

"اوہ شٹ...... یہ کیا ہوگیا ہے مجھے؟" اندر کی آوازوں سے گھبرا کر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ معاً لیلی سی مہک اردگرد پھیلی تھی کوئی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

وہ وہاں آرہی تھی ہاتھ میں ٹرے تھامے کل کی طرح غرارہ سوٹ نہیں پہنا تھا۔ البتہ رنگین گوٹے کے کام سے مزین فراک اور پائجامہ زیب تن کیا ہوا تھا گرین گوٹے ورک کا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا۔ گوٹے کی دمک اس کے سارے حسن کو نمایاں کر رہی تھی۔

"زید بھائی...... سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے؟" وہ ٹرے ٹیبل پر رکھتی ہوئی پریشانی سے گویا ہوئی۔ وہ بے دھیانی میں سر پر اس طرح سے ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہا تھا کہ امید نہیں تھی وہ آئے گی۔

"بہت زیادہ درد ہو رہا ہے...... لائیں میں سر دبا دوں......؟" وہ اس کے جذبات سے بے خبر سادگی میں آگے بڑھی اور وہ بدک کر دور ہوا۔ اندر جو بھی ہو رہا ہو باہر سے وہ از حد مضبوط تھا۔

"تم کیوں آئی ہو؟" وہ ٹرے پر نگاہ ڈالتا ہوا نرمی سے گویا ہوا۔

"بوا بتا رہی تھیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں' سارا دن سے کچھ کھایا نہیں ہے اور چائے کا بھی منع کر دیا تھا میں آپ کے لیے کافی اور چکن چیز سینڈوچز لائی ہوں آپ کو پسند ہیں ناں اور یہ ٹیبلیٹ بھی ہے۔" اس نے ٹرے اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ خیال' یہ انداز کون رکھ سکتا تھا اس کے جانے کے بعد؟" ایک دم سے ہی آنکھوں میں پانی امڈنے لگا...... جدائی کا دکھ سب سے بڑھ کر دکھ ہوتا ہے۔

"تم جاؤ میں کھا لوں گا۔" آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اسے اٹھنا پڑا وہ ٹرے اٹھا کر سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

عاکفہ نے بابر کے پیپرز ختم ہونے کے دوسرے دن ہی پکنک پارٹی کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اس کے والد ابھی واپس نہیں آئے تھے اور والدہ طبیعت کی ناسازی کے باعث گھر میں تھیں۔ وہ حسب عادت انشراح کو ساتھ چلنے پر راضی کر چکی تھی۔ دعوت بالی کو بھی دی تھی اور بالی کا وہی پرانا مسئلہ تھا کہ ماسی سے اجازت ملنی دشوار تھی سو وہ معذرت کر چکی تھی۔

البتہ انشراح نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ ریڈ دوپٹے وہائٹ سوٹ میں پہلی بار دل لگا کر تیار ہوئی تھی پرفیوم چھڑکتی ہوئی کافی غور سے اپنا جائزہ لیتی رہی تھی۔ روبی کی نازک سی جیولری' روبی کا ہی بریسلیٹ پہنا تھا' گولڈن سرخی مائل بالوں کو برش کر کے ایسے ہی چھوڑ دیا تھا۔

"نوفل کا خون تمہارے ہونٹوں پر دکھائی دے رہا ہے۔" بالی نے ریڈ ڈارک لپ اسٹک سے رنگے ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں...... ایسا ہی سمجھ لو کچھ آج میرے انتقام کے پہلے دن کے طور پر شگون کے لیے یہ کلر چوز کیا ہے ابتدا عمدہ ہونی چاہیے ناں......" ریڈ لپ اسٹک نے اس کے مہکتے حسن کو بھڑکتا شعلہ بنا ڈالا تھا۔

وہ گھر سے عاکفہ کے ہاں آئی جہاں کچھ دیر بیٹھ کر اس کی مما سے علیک سلیک کرنے کے بعد عاکفہ کے پاس آ گئی جو تنہائی ملتے ہی اس کا ہاتھ دبا کر معنی خیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"آج تو کسی کے قتل کے سامان کرتی ہوئی بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔"

"کیا تمہیں ایسا لگتا ہے میں کسی کو قتل کر سکوں گی؟"

"کچھ قتل ہتھیاروں سے نہیں نگاہوں سے ہوتے ہیں.....“

”اگر کوئی نگاہوں سے قتل ہوتا ہے تو اچھا ہے..... پولیس کو کوئی ثبوت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔“ دونوں ہی ہنس دیں۔

”نوفل بھائی بائی پرسنیلٹی اتنے نائس ہیں کہ کوئی لڑکی ان کے قتل کا سوچ بھی نہیں سکتی' یہ میرا دعویٰ ہے۔“ عاکفہ نے پُریقین لہجے میں کہا۔ انشراح تیزی سے گردن جھکا گئی۔ مبادا کہیں اس کی آنکھوں سے نکلتی نفرت ودشمنی کی لو اس کے دعویٰ کو مٹی نہ کردے۔

”اپنے نام نہاد بھائی کی تعریفیں سنانے کے لیے انوائیٹ کیا ہے تم نے؟ مجھے کسی پارٹی کے خدوخال تک دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔“

”نوفل بھائی کہنے لگے الگ الگ گاڑیوں میں جانے سے بہتر ہے وہ اپنی لینڈ کروزر لے آئیں گے پھر چاروں ساتھ چلیں گے وہ آنے ہی والے ہیں۔“ وہ اسے کولڈ ڈرنک پکڑاتی ہوئی بتانے لگی۔

”ڈنر کے لیے پہلے ہی ٹیبل ریزرو ہو چکی ہے ڈنر کے بعد کچھ دیر سی ویو پر گزاریں گے.....نانی کو بتا کر آئی ہو ناں ٹائم بھی لگ سکتا ہے؟“

”بالی کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوتی' میری ہر پرابلم کو وہ اچھے سے کیری کرتی ہے پھر نانی کو ہینڈل کرنا اس کا کام ہے۔“

”بالی کے گٹس کی میں بھی فین ہوں۔ دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔“ وہ کولڈ ڈرنک پی کر فارغ ہوئی تھیں جب وہ دونوں آ گئے تھے عاکفہ کی ممی سے خیریت دریافت کی تھی۔ ملازمہ نے انہیں بھی کولڈ ڈرنک پیش کی' پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو چاند آسمان کی وسعتوں میں اپنا سفر شروع کر چکا تھا اور ڈنر کے بعد سی ویو کے ساحل تک آتے آتے چاندنی کا غبار ہر سو پھیل گیا اس پورے عرصے میں ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی وہ آپس میں ڈائریکٹلی بات نہیں کر رہے تھے۔ البتہ آپس میں ہونے والی باتوں کا جواب ضرور دے رہے تھے۔ عاکفہ اور بابر ان کی جھجک کو محسوس کر رہے تھے اور سمجھ بھی رہے تھے۔ انشرح نے مذاق میں جو غلطی کی تھی اس کا اثر اتنی جلدی زائل ہونے والا نہیں تھا۔ پھر ان کے تکلف کو دور کرنے کے لیے انہیں تنہا چھوڑنے کا موقع دیتے ہوئے وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ریت پر آگے بڑھ گئے۔ چاندنی رات تھی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی' ہوائیں سرد وفرحت بخش تھیں آسمان بھی روشن دکھائی دے رہا تھا۔ اس حصے میں لوگوں کی آمدورفت کم تھی۔ اکادکا ہی جوڑے تھے جو خاصے فاصلوں پر موجود تھے۔

سمندر کی لہریں خاصی اونچائی میں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں سینڈل اور شوز انہوں نے گاڑی میں ہی چھوڑ دیے تھے۔ وہ چاروں ہی ننگے پیر ریت پر موجود تھے۔ انشی وہیں نصب ایک بنچ پر بیٹھ گئی تھی لہریں اس کے پاؤں کو چھو کر جا رہی تھیں اس نے چند لمحے تک دور جاتے بابر اور عاکفہ کو دیکھا اور پھر وہ لہروں کا کھیل دیکھنے لگی جلد ہی اسے کسی کی گرم نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا اس نے گردن موڑ کر دیکھا وہ کچھ فاصلے پر کھڑا دونوں ہاتھوں میں ڈسپوزیبل مگ تھامے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور اسے متوجہ دیکھ کر اس کے قریب آ گیا اور ایک مگ اسے پکڑاتا ہوا وہیں بیٹھتا ہوا بولا۔

”میرے خیال میں ساحل سمندر پر کافی نہ پی جائے تو مزہ ادھورا رہتا تھا۔“

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ' عاکفہ اور بابر بھائی آگے چلے گئے ہیں۔“ وہ کافی لیتی ہوئی اس انداز میں گویا ہوئی جیسے ان کے درمیان کوئی بدمزگی نہ ہوئی ہو۔

”انہیں کافی دے کر آیا ہوں وہ لوگ کچھ فاصلے پر ہیں۔“

"ہوں..... عاکفہ کو آتی جاتی لہروں میں چلنا بہت پسند ہے۔" اس کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا' ان کے درمیان ایک گمبھیر سی خاموشی در آئی تھی۔ وہ خاموشی سے کافی پی رہے تھے ان کے آس پاس صرف سیٹیاں بجاتی ہواؤں اور آتی جاتی لہروں کا شور تھا۔

وہ قریب بیٹھا تھا اور اس کے ملبوس سے نکلتی دلآویز مہک ماحول کو معطر کر رہی تھی۔ دونوں کے لب مضبوطی سے بند تھے لیکن دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے گوکہ جذبے علیحدہ علیحدہ تھے۔

"تمہاری اس دن والی حرکت کو میں کیا نام دوں؟ تم کہتی ہو وہ مذاق ہے..... لیکن میرا دل اسے مذاق ماننے کو قطعی تیار نہیں۔" وہ کافی ختم کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا استفسار کرنے لگا۔ اس کے بے حد سنجیدہ لہجے میں عجیب سی گمبھیرتا تھی' ایک کرب اور تڑپ تھی۔

"آئی مین میں تمہیں جھٹلانے کی سعی بالکل نہیں کر رہا' میں صرف اپنی فیلینگز شیئر کر رہا ہوں' آئی نو میرا ایٹی ٹیوڈ شروع سے تمہارے ساتھ روڈ رہا ہے' میں نے کبھی ایسی صنف مخالف کو پسند ہی نہیں کیا جو بولڈ اور ایڈوانس دکھائی دینے کے چکر میں اپنا وقار و تقدس مجروح کر ڈالے۔" وہ اس کی جلتی نگاہیں پوری شدت سے محسوس کر رہی تھی جو نگاہیں اٹھانا نہیں جانتا تھا اب بلاجھجک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انشی اس کے لہجے کی کسک کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھی' لگ رہا تھا چٹان میں دراڑیں پڑ رہی ہیں اور وہ خود اندر سے چٹان کی مانند سخت و بے لچک ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔

❁......❁......❁

دل ناتواں نے کچھ اس انداز سے چوٹ کھائی کہ وہ بیمار ہو گیا اور کچھ اس طرح سے نڈھال ہو کر پڑا تھا کہ اردگرد کوئی خبر نہ رہی تھی۔

"اللہ جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کو باہر شادی کے شادیانے بج رہے ہیں اور یہاں میرا بچہ بے سدھ پڑا ہے۔" عمرانہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی مگر آنکھ کھولنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے تم ہی ذمے دار ہو اس کی۔" ایک عرصے بعد وہ یوں قریب ہوئے تھے مدثر سرد لہجے میں گویا ہوئے۔

"میں ذمہ دار ہوں؟" وہ ناگن کی طرح پھنکاری۔

"کیا کیا ہے میں نے..... کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کی دشمن ہو سکتی ہے؟"

"ہاں..... تم جیسی مائیں ہوتی ہیں جو اپنی انا و ذات کے علاوہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتیں..... تمہیں معلوم ہے زید کی یہ حالت کیوں ہوئی؟ ایسا بیمار وہ کبھی نہیں ہوا جتنا دو دن میں ہو گیا۔"

"آپ ہی بتا دیں' میں لاعلم ہوں' اچھی ماں نہیں ہوں نہ....." وہ طنزاً گویا ہوئیں۔

"آج پیارے میاں کی جگہ زید سے سودہ کا رشتہ جڑ رہا ہوتا تو زید کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن تم نے محض اپنی نفرت میں' اپنی تنگ دلی کے باعث بیٹے کو اس کی خوشیوں سے محروم کر دیا....."

"سودہ..... ہونہہ؟ وہ لڑکی میری بہو بننے کے لائق نہیں ہے اور زید نے کبھی اس لڑکی کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا..... اور دیکھتا بھی کیوں وہ یہ بات جانتا ہے کہ..... میں اس کی شادی اپنی بھانجی سے کروں گی۔ عروہ لاکھوں میں ایک لڑکی ہے۔ سودہ منحوس کو میں اپنے بچے کی پرچھائیں سے بھی دور دیکھنا پسند کرتی ہوں۔"

"سودہ منحوس..... اسے منحوس سمجھنے والے خود منحوس ہیں اور کسی قسم کی خوش فہمی میں مت رہنا..... عمرانہ بیگم..... اگر زید کی

بیوی میری بھتیجی نہیں بن سکی تو تمہاری بھانجی بھی نہیں بنے گی.....'' والدین کی سنگین تکرار نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا مگر وہ اس کے جاگنے کو نہ دیکھ سکے تھے۔

''آپ کو کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے مدثر صاحب' زید ماں کی بات مانے گا میں نے ان کی خاطر قربانی دی ہے سوتیلی ماں کے ظلم سے محفوظ رکھا ہے..... آپ تو ہمیں چھوڑ کر مزے سے زندگی گزار رہے تھے جب آپ کو یاد نہیں آیا تھا کہ بچوں کے بھی کچھ حقوق ہیں؟ انہیں بھی آپ کی توجہ و محبت چاہیے۔''

''تمہاری ان ہی چالوں نے مجھے بچوں سے دور رکھا تم نے جان بوجھ کر میرے اور بچوں کے درمیان فاصلہ رکھا تاکہ بعد میں تم اپنی من مانی کرسکو اور تم نے من مانی بہت کرلی اب نہیں کرسکو گی..... سودہ نہ سہی' لیکن اب زید کے لیے لڑکی میں اپنی پسند سے لے کر آؤں گا.....''

''میں بھی دیکھوں گی' عروہ کی جگہ آپ کس لڑکی کو لائیں گے؟ پہلے دن ہی گردن دبا کر ماردوں گی اسے.....'' حسب عادت ان کی کھٹ پٹ جاری تھی معاً منور صاحب کی کال آ گئی تھی' وہ انہیں سودہ کی رخصتی کے لیے بلا رہے تھے۔ کیونکہ وہ بینکویٹ سے زید کی طبیعت دیکھنے گھر چلے آئے تھے اور یہاں ثمرانہ ان سے پہلے ہی موجود تھیں۔

''خس کم جہاں پاک' جان چھوٹے گی اس منحوس لڑکی سے بھی۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اپنی سب سے بڑی دشمن کو رخصت ہوتے دیکھنا ان کی اولین خواہش تھی۔ سودہ کسی خار کی مانند ان کی زندگی سے نکل رہی تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوگئی تھیں۔

''زید..... کیسی طبیعت ہے بیٹا؟'' وہ اس کے پاس چلے آئے۔

''فائن ڈیڈی..... پہلے سے بہتر فیل کررہا ہوں۔'' وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''یہ اچانک کیا ہوا آپ کو کل دن میں تو ٹھیک تھے؟''

''مجھے خود پتہ نہیں چلا کہ اچانک کیا ہوا ہے لیکن آپ پریشان مت ہوں' تایا کی بار بار کال آ رہی ہے آپ جائیں۔''

''ہوں..... میں رخصتی کے بعد آتا ہوں آپ اپنا خیال رکھنا۔'' وہ کہہ کر عجلت میں چلے گئے وہ شاکڈ سا بیٹھا رہ گیا۔ ایک گھنٹے بعد شاہ زیب کی کال آ گئی وہ بھیگے لہجے میں سودہ کے رخصت ہونے کی خبر سنا رہا تھا..... یہ خبر تھی یا سیلابی ریلہ جو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا اور دل پہلو میں دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ بے بسی سی بے بسی تھی وہ دھاڑے مار مار کر لٹے ہوئے مسافر کی مانند رونے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

کاش کہ گھر ہوتا

طلعت نظامی

کوئی حرف وفا نہ حرف سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں
میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں



"ابھی میرا گھر بسانے کا موڈ نہیں تھا۔ ایسی شادی کا کیا فائدہ جو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر کی جائے۔ بس اماں کی معذوری نے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کردیا تھا' کیا کرتا گھر کی ذمہ داری اٹھانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ چھوٹے بھائی بہن کو ایک وقت کی روٹی پکا کردینے والے ہاتھ نہیں تھے۔ اس لیے میں نے ہاں کردی...... اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ کس خوش اسلوبی سے میرے بکھرے ہوئے گھر کو سمیٹتی ہو اور میرے دل کا پچھتاوا دور کرتی ہو۔" وہ بن ہوتے وجود کے ساتھ اس کی ساری رام کہانی سن رہی تھی۔ بولنے کو لب کشاں ہوئے نہ سماعتوں نے احتجاج بلند کیا۔

"اماں غصے کی تیز ضرور ہیں پر دل کی بری نہیں' پیار دو گی ان کے احتیاجات کو سمجھو گی تو وہ بھی موم ہو جائیں گی' بس معذوری اور محتاجی نے انہیں چڑچڑا بنادیا ہے' امید ہے جس جذبے کے تحت وہ تمہیں بیاہ کر لائی ہیں انہیں کبھی ماند نہیں پڑنے دو گی' اصل میں دو بہنوں کے بعد میں دیگر بہن بھائیوں میں بڑا ہوں' اس لیے گھر کا واحد کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ گھر والوں کی ساری توقعات مجھ سے وابستہ ہیں اور میں کسی کے احساسات کے مجروح ہونے کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ میرے گھر والوں کو وہی مقام دینا ہوگا جو میرے دل میں ان کے لیے ہیں' ان کی دل شکنی کسی بھی مقام پر میری دل آزاری کا باعث ہوگی اور نتیجہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں نکلے گا۔ بہتر یہی ہوگا میاں بیوی کا رشتہ خواب گاہ میں ہی چھوڑ کر جانا۔ باہر بقایا رشتوں کو جان سے بھی عزیز جاننا اور ان کی پائیداری کی کوشش کرنا۔"

وہ بس دیکھ رہی تھی۔ کہتے ہیں بیٹی سے نہیں اس کے نصیب سے ڈر لگتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے صورت جیسی بھی ہو بیٹی قسمت کی دھنی ہونی چاہیے۔ پر دوسرا مقولہ ماننے سے ذہن نے انکار کردیا' کم صورتی کم نصیبی سہیلیاں بن گئیں' وقت کی سفاکی نے ارمان نگل لیے' کم صورتی زبان بندی کو بھی تو دعوت دے گئی ورنہ اس وقت سینہ تان کر کھڑی ہوسکتی تھی کہ بتاؤ کس گناہ کی پاداش میں آج پہلی رات سفاک جملوں سے مجھے لہولہان کیا جارہا ہے۔ کیوں سزا دی گئی مجھے تم جیسے تھکے ہوئے بندے کے ساتھ منسلک کرکے' لیکن کہہ نہیں سکتی تھی ناں...... سب سے بڑا مجرم تو اس کا گھرانا تو لاسراپا تھا۔

سب سے ظالم اس کے ماں باپ کی "غربت" تھی اور سب سے بڑی بے ضمیری اس کے بھائی بھابی کی تھی' جنہوں نے اسے دھکا دے دیا گہری کھائی میں' وہ آواز بھی نکالتی تو کوئی نہیں سنتا...... سو اس نے زبان بند کرلی...... سارے مجرموں کو اپنے اپنے حصے کی سزا سنانے کے بعد' ناصر جیسے انسان کو بھگتنے کے بعد اپنے اشکوں بھرے دل کو سیراب کرنا تھا۔ ورنہ تو وقت سے پہلے ظالم لوگوں کے ہاتھوں وہ مر جاتی۔ ابھی اسے زندہ رہنا تھا' جب تک سانس کی ڈوری وجود کے تن بدن سے لپٹی تھی۔

ناصر اور اس سے وابستہ رشتوں کو سینچا بھی تو اپنے آپ کی نفی کرکے' پر خواب دیکھنے پر نہ پابندی تھی نہ اس کی کوئی قیمت' سو اس نے کمرے کے ہر کونے کھدرے میں خواب سجانے شروع کردیئے' پر اس کے لیے رات کی تاریکی بہت ضروری تھی۔

"ناصر لائٹ آف کردیں' مجھے نیند نہیں آتی ہے روشنی میں۔" یہ پہلا جملہ تھا اس کا اپنے شوہر سے' پل بھر میں کمرے میں اندھیرا چھا گیا اور سپنوں کے جگنو چمکنے لگے۔ خوابوں کی وادی مہکنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

"تمہاری ہستی سے یہ گھر جنت لگنے لگا ہے' میرا کمرہ صحیح معنوں میں آج تمہارے وجود سے سجا ہے گو کہ اس کو سنوارنے والے بہت ہاتھ تھے' پر تم نہیں تھیں' جس کی کمی کا احساس دل میں کہیں جاگزیں تھا۔ یہ خلا آج پورا ہوا...... تمہاری موہنی صورت دل میں کئی جوت جگا گئی ہے......" اس کی ریشمی انگلیوں کا لمس اپنے ہاتھوں پر محسوس کیا۔

وہ سر جھکا گئی۔ دل تھا کہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا۔ اتنا خوب صورت' وجیہہ شریک سفر اس پر مستزاد اس کی باتیں من ہمک ہمک کر لمحے امر ہوجانے کے لیے دعا گو تھا۔ حیات جاوداں کی جستجو اور خواہش جاگ اٹھی تھی۔

"گو کہ اس گھر میں لوگ بہت ہیں اور کام بھی بہت' پر سب محبت کرنے والے بے ضرر رشتے ہیں' مل بانٹ کر ذمہ داریاں نبھانے کا جذبہ ہے سب میں اور تم تو بڑی بہو ہو' ان کے ارمانوں کا پہلا پہلا مرکز سب تمہیں وہ پیار اور

محبت دیں گے جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔"

"کیا بات ہے تم کچھ بولو گی نہیں...... یا سارے سبق میں ہی آج تمہیں پڑھاؤں گا......" جملوں کی شوخی پر زبان گنگ ہوگئی۔ "بہت خوب صورت لگ رہی ہو...... اپنی خوش نصیبی پر رشک آرہا ہے سب کے سب ہماری جوڑی کے معترف تھے چاند سورج کی تشبیہات دے رہے تھے۔"

وہ مسکرادی۔

"آج تیسری بار تمہیں دیکھا ہے پہلی بار سنبل کی برتھ ڈے پارٹی پر دوسری بار......" وقت سرک رہا تھا اور وہ مدہوش ہوتی جا رہی تھی۔ خوب صورتی اور بلند بختی عروج پر تھی۔

"لائٹ مت آف کریں......" اس نے بڑے ناز سے کہا تھا۔

"کیوں......"

"مجھے ابھی آپ کو دیکھنا ہے جی بھر کے اپنی قسمت پر رشک کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔" جواباً خوب صورت قہقہہ گونجا اور اس کا تن من محبت کی پھوار میں بھیگ گیا تھا۔

☆......☆......☆

سل بٹے پر چٹنی اور دیگر مصالحہ جات پیستے ہوئے وہ دہری ہوئی جا رہی تھی۔ معذوری کے باعث ایک جگہ پر ٹکی "اماں" کی فرمائشیں ادھ موئی کردینے والی تھیں۔ اس کے ہاتھ چل رہے تھے سل پر اور ان کی زبان۔

"ایسا سل بٹا ابھی پورے خاندان میں کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ اللہ بخشے تمہارے مرحوم سسر لے کر آئے تھے تیس سال ہوگئے اسے ساتھ نبھاتے ہوئے۔ آج بھی اس کی کارکردگی ماند نہیں پڑی دیکھو تو کیسے منٹوں میں باریک مصالحہ سامنے آرہا ہے۔" انسان کے پسینے میں اٹے تھکے ماندے وجود کی کارکردگی سے زیادہ سل کی کارکردگی پر فخر تھا۔

"اماں...... میں جہیز میں گرائنڈر بھی لے کر آئی ہوں آپ کہیں تو اس میں سب چیزیں پیس دیا کروں ٹائم بھی نہیں لگے گا اور کام آسان ہوجایا کرے گا۔" کمر درد انہیں سرکنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

"کیوں تجھے کہیں محاذ پر جانا ہوتا ہے وقت کی بچت کرکے۔ یہ تو آسانیوں والے کام کا مشورہ مجھے نہ دیا کر اس موئی مشین میں پسے مصالحے کا بھی کوئی مزہ ہوتا ہے کیا۔ تین وقت کا کھانا بھی آدمی بے ذائقہ کھائے تو کیا فائدہ ذرا سی محنت ہی لگتی ہے پر پیٹ بھر کے آدمی کھاتا تو ہے ناں۔" زبان کا ذائقہ انسانی مشقت پر حاوی تھا۔

آٹھ نو بندوں کا کام نمٹاتے نمٹاتے وہ آدھے دن میں ہی تھک جایا کرتی پھر بھی دسترخوان پر مذاق اڑانے والے دیور بات بات میں اچھا خاصا اسے تمسخر کا نشانہ بنا جاتے اور ناصر تو یوں کھانے پر نظر جمائے بیٹھا رہتا جیسے ایک نگاہ غلط بھی بیوی پر ڈالی تو اماں کی عدالت میں معتوب ٹھہرے گا۔ گھر والے اس کے کام اس کے میکے اور اس کی سنجیدگی کو نشانہ بناتے رہتے اور وہ یوں گونگا بہرا بن جاتا جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اس کا دل کراہتا پر دل کی صدائیں کون سنتا ہے؟

☆......☆......☆

"ارے بیٹا...... عفیفہ کو تو کچن سے نکال وقت بے وقت کسی جانے کون کون سی ڈشز پکا رہی ہوتی ہے۔ اب برتن دھونے کھڑی ہوگئی ہے آج گرمی بھی اپنے عروج پر ہے برتن ڈھیر ادھو لیتی اسے تو جنون ہے ہاتھ کے ہاتھ کام نمٹانے کا۔" ساس کے لہجے میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ کھانے کے بعد نیم دراز ٹی وی پروگرام سے لطف اندوز ہونے والے بیٹے سے مخاطب تھیں۔

"امی...... آپ بھی عجیب ساس ہیں ہر ساس تو یہ چاہتی ہے کہ ان کی بہو کچن کا ڈیکوریشن پیس بن کر ہر وقت کچن ہی میں بھی رہے...... اور ایک آپ ہیں۔" وہ ہنسا۔

"بہو کچن میں برداشت ہی نہیں کمال ہے۔"

"میں ان ساسوں میں سے نہیں جو بہو کو ملازمہ کا درجہ دیتی ہیں وہ فرض نبھاتی ہے تو عزت کی حق دار بھی ہے جیسے گھر کی بیٹی عزت ومحبت کی مستحق ہوتی ہے۔ اس کا دکھ میں نہیں محسوس کروں گی تو اور کون کرے گا۔ ماں تو ہے نہیں بیچاری کی۔" وہ مسکراتی ادھر ہی آ گئی۔

"مجھے اس گھر میں کوئی دکھ نہیں امی اس لیے میں اپنی ساری تھکان بھی بھول جاتی ہوں اور کس نے کہا میری ماں نہیں یہ جو ابھی بیٹھ کر مجھے محسوس کرارہی ہے میرے حصے کی محبت اور عزت کا حق دار مجھے بنا رہی ہے یہ کون ہے......

ماں نہیں تو اور کیا ہے۔'' ان کے شانوں پر اپنے بازو پھیلا دیئے۔

''نہیں بیٹا اس گھر میں بہت لوگ ہیں۔ سب کو ان کے حصے کا کام کرنے دیا کرو تم اکیلی جان کیا کیا کرو گی۔ ماشاء اللہ کھانا بھی اتنا اچھا پکاتی ہو تو باقی کام دوسروں کے سپرد کرو۔ اس طرح ان کی عادتیں بگڑ جائیں گی میں نے اپنے بیٹوں کی تربیت بھی اس طرح کی ہے کہ وہ عورت ذات کو عزت کے قابل سمجھیں خواہ وہ ماں ہو بہن ہو بیٹی ہو یا بھابی۔''

''جی مجھے معلوم ہے امی...... سب مجھ سے عزت و احترام سے پیش آتے ہیں۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں بدلے میں میں انہیں کچھ آرام پہنچا دوں تو کیا برا ہے بلکہ میرے دل کی خوشی ہے یہ......''

''ماشاء اللہ...... جیتی رہو خوش رہو...... اللہ سب کو تمہارے جیسی بہو دے۔'' ساس نہال اور وہ خوشی سے بے حال تھی۔

☆......☆......☆

''اماں...... آج بھیا کے گھر جاؤں گی حسن کی سالگرہ ہے بھائی نے رات ہی فون پر مجھے بتایا تھا۔'' کپڑوں کا ڈھیر لیے صحن میں لگے نل کے نیچے بنے چبوترے پر وہ اپنی سانس ہموار کرنے لگی۔ کپڑے کوٹنے والا ڈنڈا اسے ساس کی طرف سے تحفے میں ملا تھا۔

''کپڑے پیٹتے پیٹتے ہاتھ شل ہوگئے تھے۔ دھوپ میں گہری سانولی رنگت اور بھی جھوکا ہوکر اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔

''لو جی...... گھر میں نہیں دانے اماں چلیں بھنانے۔ کیا لے کر جاؤ گی بی بی اپنے بھتیجے کی سالگرہ میں...... خالی ہاتھ تو تیری لالچی طبیعت کی بھاوج رشتہ پہچاننے سے بھی انکار کردے گی۔ کہیں دروازے سے واپس نہ آنا پڑے۔'' ساس کی ٹانگوں کی زیتون کے تیل سے مالش کرتی نند بھی عجیب چڑانے والے انداز میں ہنس دی تھی۔ جو رات ہی اپنے چھ بچوں سمیت ماں کی خبر گیری کو تشریف لے آئی تھی جب سے تخت تھا اور دونوں ماں بیٹی کی کھسر پھسر۔ وہ بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

''ناصر نے پانچ سو روپے دیئے ہیں...... وہی دے دوں گی۔'' اس کی آواز کی جرات بھی ماند پڑ گئی تھی۔ سلگتے سلگتے اپنے اندر کا سوختہ پن بھی اب واضح طور پر محسوس ہونے لگا تھا۔

''کیا...... پانچ سو روپے...... اماں؟'' نند نے پہلے اسے اور بعد میں اماں کو دیکھا جیسے مجرم جرم سرزد کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے...... ''ابھی صبح دودھ تک کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور اس تو اشکل والی بیوی کے لیے جیبیں جھاڑ کر چل پڑا۔'' اس نے ہاتھ نچایا۔

''زن مرید کہیں کا شکل سے مسکین نظر آنے والی یہ عورت اندر سے اتنی گھنی ہوگی مجھے پتہ نہیں تھا۔ کہاں رکھے ہیں پیسے چل نازو نکال کر لا ذرا......'' وہ ہراساں ہوئی کیا بتاتی کتنے دنوں کے طعنوں مسئلوں کے بعد ناصر نے یہ رقم اس کے حوالے کی تھی ساتھ اس کے چہرے پر انگلیاں گڑا کر اس سختی کے ساتھ پکڑتے ہوئے متنبہ کیا تھا۔

''کہ آج کے بعد وہ اس عیاشی کا متحمل نہیں ہوگا۔ نہ رشتہ داریاں نبھانے کی اجازت ہوگی نہ پیسے ہاتھ میں ملیں گے۔'' اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

''اماں اس بار چھوڑ دیں آئندہ نہ جاؤں گی نہ پیسے مانگوں گی پلیز اماں...... ایسے نہ کریں۔'' وہ گڑگڑائی۔

''میرے بیٹے کی خون پسینے کی کمائی تو ایک بریانی کی پلیٹ پر اڑانے جارہی ہے اور کہتی ہے میں کچھ نہ کہوں اور بے شرم بھاوج کو دیکھ بجائے سسرالیوں کو بھی پوچھنے کے صرف نند کو بالا ہی بالا دعوت دے ڈالی۔ ہم دیکھیں جو صاف کرڈالتے منٹوں میں تحفے اور رقم بٹورنے کے لیے خاص خاص بندوں کو صرف بلالیا۔ سالگرہ منانے کے پیسے نہیں تھے تو نند کو جہیز میں اچھی چیزیں دینے کے لیے تھے فقیروں کی طرح رخصت کردیا بہن کو میاں بھائی نے۔'' کوئی ایک تیر سے دو شکار کرتا ہے یہ کئی کئی شکار ہاتھ کے ہاتھ نمٹا رہی تھیں نازو اس کی بتائی ہوئی جگہ سے پیسے نکال لائی تھی۔ اس کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر کپڑوں میں جذب ہوتے رہے۔

''اب تو جو لوا سایا تو اسی چیز کے لیے پیسے مانگنے آرہا تھا کھلے ہاتھوں سے اماں دے رہی تھیں سب کے سب خوشی سے چہک رہے تھے اور وہ نصیبوں جلی تیزی سے رات کے آنے کا انتظار کررہی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے تم سے بہت شکایت ہے‘ اب اگر اللہ نے اتنی صابروشاکر بیوی کا ساتھ دے ہی دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں تم اس کی آنکھوں کے خواب نوچ ڈالو‘ اس کی تمناؤں کو سمجھنے اور ماننے سے انکار کردو‘ اب ضروری تو نہیں ہر بات کا اظہار وہ منہ کھول کر کرے‘ جب وہ بنا کہے‘ بنا مانگے ہر ایک کی ضروریات کا خیال رکھ رہی ہے تو تمہارا بھی فرض ہے‘ کہ اس کی ان کہی خواہشوں کو سمجھو......'' ماں جی اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔

''اب کیا ہوگیا ماں جی...... اب آپ کی بہو کے کس حق کو پورا کرنے میں میں نے غفلت برت دی‘ ایک بات تو بتائیں اب آپ میری ماں ہیں یا اپنی بہو کی...... جس وقت دیکھو اس کے نام کی مالا جپنے میں مصروف ہیں۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں‘ تین چار مہینے ہونے کو آئے ہیں‘ تم اسے آج تک کہیں گھمانے لے کر گئے‘ اس کی بھابیاں کہاں کہاں سیر سپاٹوں کے لیے نکلی رہتی ہیں تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نکلے‘ سب کچھ ''کام'' ہی نہیں ہوتا زندگی میں‘ انسان کے جذبات سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں‘ جس کی قدر تم نہیں کرو گے۔ تو اور کون کرے گا‘ سارا دن بس ایک پاؤں پر کھڑی سب کی فرمائشیں پوری کرتی رہتی ہے۔'' وہ کچن میں کھڑی اپنے مقدر پر نازاں تھی۔ ایک ایک لفظ سماعت میں امرت بن کر اتر رہا تھا۔ پھر وہ دنیا کے سب مردوں سے زیادہ محبت کرنے والا شوہر کہاں کہاں‘ اسے گھمانے نہیں لے کر گیا۔ ڈھیروں شاپنگ کرائی۔ وہ گلاب کی مانند کھل اٹھی تھی‘ خوب صورت تو تھی ہی‘ شوہر کی محبت نے حسن کو دوآتشہ بنا دیا تھا‘ کتنی حسین زندگی تھی۔ اس سے سب مطمئن تھے اور وہ سب رشتوں سے شاد......

☆......☆......☆

گزرتے لمحوں نے جو نوید اس کی جھولی میں ڈالی اسے سن کر تھکے ہارے مسافر نے حیرت سے اسے دیکھا‘ اس کے سانولے چہرے پر ممتا کی ملاحت ہلکورے لے رہی تھی۔

''ابھی تو شادی پر خرچ کیے جانے والے اخراجات کا قرضہ نہیں اتر پایا ہے‘ کہاں یہ جھنجھٹ۔'' ہر پل ایک تازہ زخم ہی تو اس کا منتظر تھا۔ زندگی کتنے ہی انقلاب لے آتی اس کے چہرے کی سیاہی کی طرح مقدر کی کالک بھی چھٹنے والی نہ تھی۔ لگ رہا تھا گھر میں صف ماتم بچھ گئی ہو‘ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ گنگ تھا‘ خودغرضی کے رنگ میں رنگے لوگوں کے لیے یہ خبر ہی بہت پریشان کن تھی۔

''اتنی سی عمر میں میرے بیٹے کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری آن پہنچی۔ اسی لیے میں اتنی جلدی اس کی شادی کے حق میں نہیں تھی۔ وہ تو کم بخت بہنیں پیچھے پڑ گئی تھیں۔ وگرنہ ابھی یہ خوش باش زندگی گزر رہا ہوتا۔'' ساس نے واویلا مچایا‘ وہ اپنی جگہ چور بن گئی‘ جیسے گناہ کی پوٹ جھولی میں لیے بیٹھی ہو۔

''یااللہ...... ان ناقدروں کو اتنی جلدی یہ خوشی دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' گرم گرم آنسو لہو بن کر آنکھوں سے بہنے لگے۔ ''دیتا ان کو جو جھولی پھیلا پھیلا کر سونی گود کے آباد ہوجانے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ مزاروں اور پیروں فقیروں کے درگاہ کی دھول بن بیٹھے ہیں اس آرزو نے لوگوں کو گمراہی پر مجبور کردیا ہے۔ انہی پر اپنا کرم کردیتا‘ کیا ضرورت تھی یہاں بن مانگے برکھا برسانے کی‘ تہی داماں کو پیاسا ہی رہنے دیتا۔'' خواب گاہ آج کچھ زیادہ ہی روشن تھی۔ جتنی کاری ضرب ہوتی اتنی ہی جگر جگر کرتی یہ دنیا آباد ہوتی۔

اس کے تو قدم جیسے ہوا میں معلق ہوتے جارہے تھے‘ کئی بار بانہوں کے حلقے میں لیے وہ گھوم گیا تھا۔ وہ جھینپی جارہی تھی۔ کچھ کھسیا کر کچھ شرما کے بار بار چہرہ ہاتھوں میں چھپالیتی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا دوبارہ کہو...... مجھے یقین دلاؤ کہ ہماری دنیا میں نت نئے پھول کھلنے جارہے ہیں۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا‘ اتنی جلدی اتنی بڑی خوش خبری واؤ ارے بھئی بتاؤ بدلے میں کیا چاہیے تمہیں‘ جو مانگو گی وہ تمہیں ملے گا......'' وہ دیوانہ ہوا جارہا تھا۔

''سب کچھ تو مجھے مل گیا ہے‘ اب اور کیا چاہیے آپ سے مجھے......'' وہ مسرور تھی۔

''چلو ٹھیک ہے...... میرا تم سے وعدہ ہے‘ زندگی کے کسی بھی لمحے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔ ہر پل تمہاری خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں میں۔ اتنا سکون

اور اتنی محبت دوں گا کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے گا۔''

وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ گھر میں سب ہی بہت خوش تھے۔ ہر وقت آنے والے مہمان کے لیے لائحہ عمل مرتب ہوتے' نت نئے نام سوچے جاتے۔ اس کے لیے الگ کمرہ سجانے کی تجاویز ہوتیں۔ وہ کونے میں سکڑی سمٹی مسکرائے جاتی۔ ساس بے حد خوش تھیں' پہلی بار ''دادی'' بننے کا شرف جو حاصل کرنے جا رہی تھیں۔

''پوتا ہو یا پوتی سب اس گھر کی رونق اور ہمارے دلوں کا چین ہوں گے۔'' سب ماں جی کی اس بات سے متفق تھے' اس گھر کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

☆......☆......☆

اس کی طبیعت اس روز بہت خراب تھی...... کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے برا حال تھا۔ اس نے ناصر سے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہا تو اس نے ایسے دیکھا جیسے پولیس تفتیش سے قبل مجرم کا جائزہ لیتی ہے۔

''ابھی شروع کے ہی دن ہیں اور تمہاری ڈرامہ بازی کا آغاز بھی ہو گیا۔ رات میری بہنیں کیا آ گئیں تم کام سے بچنے کے بہانے ڈھونڈنے لگیں' حالانکہ وہ تمہاری ہی خبر گیری کو آئی ہیں۔'' اس کے سینے میں دل نہیں پتھر تھا۔ حالات کی ستم ظریفی اور جاہلانہ طرز روش نے اسے انتہائی حد تک کٹھور بنا دیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے ناصر...... میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں' چکر مجھے اٹھ کر کھڑا نہیں ہونے دے رہے' ورنہ کس کام سے میں پیچھے ہٹی ہوں۔'' اس کے دل میں ہوک سی اٹھی' ساری بہنیں بمع بچوں کے ساتھ سارا دن بیٹھی بہن بھائیوں سے ہنسی ٹھٹھول کرتی رہتیں' یا ماں کے کان سے لگی رہتیں اور وہ سب کی خاطر داریوں میں گھن چکر بنی رہتی۔

''اچھا بس بس......'' ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''زیادہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔ سب ہی عورتیں کرتی ہیں۔ تم کوئی انوکھی نہیں' جب دیکھو کام کام کا رونا روتی رہتی ہو۔ اس گھر کی بہو ہو تم اونچ نیچ نہیں سنبھالو گی تو کون سنبھالے گا۔'' اماں نے سختی سے منع کیا تھا کہ عورت ذات کی کسی بھی بات پر اعتبار کرنے سے' ورنہ شوہر بے مول بک جاتا ہے۔ سو یہ بات اس نے گرہ میں باندھ لی تھی۔

وہ سارا دن گھمن لٹو کی طرح چکراتی رہی اور کام میں جتی رہی۔ کوئی اس کا درد میں اٹا وجود دیکھنے والا نہیں تھا۔ ماں باپ کے بعد اس کی ہستی گھر میں بے کار اور ناکارہ سامان سے اٹے ایک بورے کی طرح تھی' جسے موقع ملتے ہی انہوں نے ہٹا دیا' ساتھ تنبیہہ بھی کی۔

''جیسے بھی حالات ہوں اب گزارا کرنا تمہارا کام ہے۔'' جاتی تو کہاں' لہولہان جذبات آشکار کرتی تو کس کے آگے۔

تھکے ماندے وجود کو رات میں جب بستر میسر آیا تو لب خود بخود مسکرا اٹھے تھے۔ ایک یہی وقت تو تھا جب وہ جی اٹھتی تھی۔

☆......☆......☆

شہر کا سب سے مشہور گائناکولوجسٹ کے پاس اس کا نام لکھوایا گیا تھا۔ باقاعدگی سے اس کا چیک اپ ہوتا۔ آنے والے وقت کی ہدایات دی جاتیں' کھانے پینے کا خیال رکھا جاتا' پر اس کا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ شوہر اپنے ہاتھوں سے پھل کاٹ کر کھلاتا' جوسز کا انبار لگا دیتا' پر وہ کسلمندی سے پڑی رہتی۔

''دیکھو تم کھاؤ گی پیو گی نہیں تو اپنے ساتھ ساتھ میرے بچے کی صحت کے ساتھ بھی ظلم کرو گی' یاد نہیں ڈاکٹر نے کیا کہا ہے' کمزوری بہت ہے۔ ہر وقت تمہیں کچھ نہ کچھ کھانا ہے۔'' سیب کی قاش اس کے منہ میں رکھتا' وہ ناک بھوں چڑھاتی' پر وہ نہیں مانتا' اس کے ہر اٹھتے قدم کا وہ تو کیا گھر والے بھی خیال رکھتے وہ چڑ بھی جاتی۔

''آپ لوگوں نے ہوا بنا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ دنیا کی عورتیں اس مرحلے سے گزرتی ہیں' پر آپ لوگوں نے مجھے کوئی انوکھی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔'' مصنوعی خفگی اور دل میں خوشیوں کے ہلکورے سمیت اپنے سامنے لگی بچے کی خوب صورت تصویر پر نگاہ جماتی۔

''تم ہو ہی انوکھی چیز میرے لیے سب سے قیمتی گوہر نایاب۔'' اس کی نندیں آتیں تو پاؤں بھی زمین پر نہیں اتارنے دیتیں۔

''بہت کر لیں ہماری خدمتیں اب ہمیں موقع دو' کوئی ضرورت نہیں پہلے کی طرح بھاگ بھاگ کر حکم بجا لانے کی'

اب تم ریسٹ کرو سب اپنا اپنا کام خود کرلیں گے۔''

چاہتوں کے دیپ جلتے تھے اس گھر کی منڈیروں پر جذبوں کی قدر کرنے والے لوگ ضرور تھے۔ انسانیت کا تاج فخر سے سروں پر سجائے یہ لوگ بہت دل کے قریب تھے کیونکہ دل میں اٹھنے والی ہر درد کی لہر سے واقف ہی نہیں تھے بلکہ مداوا بھی بنتے' پریشان کن وجود کو اپنے محبت بھرے لمس سے تسلی دیتے' زخموں پر پھائے رکھتے' جس سے گمراہ ہوتے ذہن بھی راہ راست پر آجاتے۔ کیا کمال تھا ان لوگوں کے پاس؟ وہ تو میکے جانے کی آرزو بھی نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ بے حد محبتوں کے بیچ سے وہ آئی تھی۔ پر یہاں شوہر کے قدموں کی چاپ سننے کا نشہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی بارعب اور شان سے جینے کی ادا پر مر مٹنے میں ہی اپنی عافیت سمجھنے والی اس لڑکی کا غمار کوئی پوچھتا...... وہ بزدل نہیں تھا' ناصر کی طرح۔

یہاں سب اس گھر کے بیٹے کو عزت دیتے اور اس کی بیوی کو پورے وقار واحترام کے ساتھ جینے کا ماحول فراہم کرتے۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھیں بے آب و گیاہ نخلستان کی طرح سوکھی پڑی تھیں' ہونٹوں پر پڑی پپڑیاں خوشیوں کی کونپل کے سوکھ جانے پر علی الاعلان تھیں' سانولے چہرے پر زردیاں بھی مکمل کرا سے اور بے حال بنا رہی تھیں' اس کی زندگی میں در آنے والی پہلی خوشی نے بھی اس کے نصیب کا حصہ بننے سے انکار کردیا تھا۔

دھلے کپڑوں کی بھری بالٹی پر الزام عائد کردیا گیا تھا جو وہ اٹھا کر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور پاؤں پھسل کر اس کے مقدر سے ایک اور کھیل کھیل گیا تھا۔ فرد جرم نہ عائد ہوسکا' سفاک انسانوں پر' جو تماشا دیکھ رہے تھے اس کے گرنے کا' ساس تخت پر بیٹھی واویلا مچانے لگیں۔

''ارے اسے خود شوق تھا بھاگ بھاگ کر اوپر جانے کا' ورنہ سامنے دیور اور نند بیٹھی کیا بالٹی اوپر نہیں پہنچا سکتی تھیں۔'' ناصر کو آتا دیکھ کر ان کی آواز میں اور درد امڈ آیا تھا۔

جانے کب اور کس طرح اسے ہاسپٹل پہنچایا گیا' اس کی تو بس یہی خواہش تھی کہ دوبارہ وہ زندگی کی طرف نہ آئے اور یہ حسرت حسرت ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر نے آکر بتایا تھا کہ وہ زندگی کی انمول خوشی سے محروم ہوگئی ہے۔ اس کا کلیجہ پھٹ گیا تھا۔

''کوئی بات نہیں' اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری زندگی رہی تو یہ مرحلے آتے رہیں گے۔ اب اپنا خیال رکھنا۔'' ڈاکٹر نے اسے یوں سکتے میں دیکھ کر تسلی دی اور باہر چلی گئی' اس نے زخمی نگاہوں سے ناصر کو دیکھا۔

''یہ مرحلہ اب زندگی میں آئے گا تو اپنا خیال رکھوں گی ناں......'' ناصر نے زخمی ناگن کی شباہت لیے اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔

''اپنے ہاتھوں اس خوشی کا گلا گھونٹوں گی' بجائے اس کے کوئی اور قاتل بنے۔ یہ فریضہ میں اپنے ہاتھوں سرانجام دوں گی۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں چلائی۔ ناصر اپنی جگہ حیرت زدہ رہ گیا۔

ہزار مخالفتوں کے باوجود زندگی کا یہ موڑ اسے کچھ بھایا نہیں' جانے انجانے میں ہی سہی وہ تصور میں ایک بچے کے ننھے ننھے ہاتھوں اور پیروں سے کھیلنے لگا تھا۔ روئی کے گالوں جیسے چہرے کو اپنے لبوں سے چھونے لگا تھا۔ یہ موڑ اسے موم کر گیا تھا' جس کا احساس اسے اس وقت نہیں ہوا تھا جب یہ متاع عزیز خدا اسے بن مانگے سونپ رہا تھا۔ اب ہوا جب وہ ناشکری اور ناقدری کے نتیجے میں لٹ گیا' وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ عفیفہ کا سکتہ ٹوٹا تو اسے چپ لگ گئی تھی۔

''بھلا گھر کی ملازمہ بھی مالکوں کے بچے کی ماں بنتی ہے۔ اچھا ہوا یہ فضیلت مجھے مل نہ سکی۔ مالک' مالک ہی رہا اور خدمت گزار کو اس کی حیثیت کا پتہ چل گیا۔'' گالوں پر آتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا۔ ''اب اور تماشا نہیں بنوں گی میں' خواب دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک گئی ہیں' پر تعبیر مل نہ سکی' اب خوب خدمتیں ہوں گی' بڑے چاؤ کے ساتھ اپنی ممتا کو اپنے ہاتھوں دفن کروں گی میں' اپنی بدصورتی کا یقین آج مجھے آ گیا ہے کہ کس طرح بدصورتی اور بدنصیبی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ کاش میں بھی خوب صورت ہوتی تو آج نہ یہ گھرانہ میرا نصیب بنتا نہ تم جیسا سفاک انسان میرا شریک حیات۔ نہ روز تم لوگ اپنے اپنے طرز عمل کے درے میرے زخمی وجود پر لگاتے اور نہ

روز خوابوں کی نگری مجھے آباد کرنی ہوتی' رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ کیا کرتی خوب صورتی اور بدصورتی کی شکلیں ہی الگ الگ ہوتی ہیں ناں پر دل تو ایک ہوتا ہے' جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا' اسی ''دل'' کی ضدی خواہشات سے تنگ آ کر روز بستر میں لیٹ کر میں سپنوں کی دنیا میں کھو جاتی' جہاں میں خوب صورت تھی' ایک محبت کرنے والا شوہر تھا اور محبت بانٹنے والے لوگ تھے' جہاں میں نازاں و فرحاں تھی۔ بند آنکھوں سے سپنوں کی یہ بگیا سجاتے ہوئے مجھے نیند آ جاتی' اپنی ناتمام آرزوؤں کا حاصل اسی دنیا کو میں سمجھتی پر آج...... آج میری یہ نگری بھی اجڑ گئی' جب میری گود سونی کی سونی رہ گئی۔ ناصر مجھے یقین آ گیا کہ بدصورت لوگوں کے کوئی خواب بھی نہیں ہوتے۔ اپنا حال دیکھے بنا بیش قیمت خواب دیکھنے کا بھی مجھے کوئی حق نہیں۔'' کمزور وجود کے ساتھ بولتے ہوئے وہ تھک سی گئی تھی' دوبارہ تکیے سے ٹیک لگا لیا' ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنسو مژگاں کو ریاست سمجھ کر وہیں مقیم ہو گئے تھے۔

وہ تھکا ہارا مسافر اٹھا اور اس کے پاس سفید بستر پر جا بیٹھا' جس میں ایک نئی حرارت کوندی تھی اور دل میں ایک مضبوط جذبہ امڈ آیا اس کی پیشانی پر اُلٹے بالوں کو سنوارا۔ اس کی پلکوں پر سجے موتی کو دھتکارا' بھی یہاں سنا باد ہونے کے لیے' اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں سجا کر اپنی اس محبت کا یقین دلایا جو اب کبھی ختم نہ ہونے والی تھی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے دل پر مرہم کی لیپا پوتی ہوئی' بے یقینی سے اسے دیکھا تو اسے اپنے سپنوں کے مسیحا جیسا پایا۔

''مجھے معاف کر دو...... جو ہوا اسے بھول جاؤ' یہ زخم صرف تمہارا اثاثہ ہی نہیں' میں بھی مر گیا ہوں اس کے اثر سے...... اب ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں گھر میں تمہارا وہ مقام ملے گا جس کی تم حق دار ہو' سب میری بزدلی کی وجہ سے ہوا ہے' پتا ہی نہیں چلا ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کے دو پاٹوں کے بیچ پستے پستے کب تم سے محبت ہو گئی ملیحہ۔ آج اس حادثے نے تمہارے مقام سے مجھے روشناس کرایا' ورنہ میں تو گمراہ ہی رہتا۔''

''واہ...... ناصر صاحب واہ...... اولاد کا دکھ مجھے میری حیثیت کا تعین کرا گیا......'' وہ زخمی دل سے مسکرائی۔ ''ورنہ میں تو آج بھی ایک ملازمہ ہی رہتی' بیوی نہ بن سکتی' ایک...... پچھتاوا رہتی' محبت نہ بن سکتی۔'' پہلی رات کا دکھ آنکھوں آن سمایا۔

''ہاں یہی سچ ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''کم ظرفوں کو ٹھوکر ہی اس کی کم ظرفی کا احساس دلاتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آج میں...... آپ اور ہمارا بچہ بھی اس خوب صورت احساس کے ساتھ جی رہا ہوتا۔'' ٹوٹے دل کی کرچیاں سنبھالی نہیں جا رہی تھیں۔

''اس کا ملال تو ساری زندگی رہے گا۔ پر ایسا وقت زندگی میں اب ضرور آئے گا جہاں سکون کے بادل ہمارے سروں پر تعینات رہیں گے۔ میں ضامن ہوں تمہارے اطمینان اور محبت کا۔'' ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں اس کے سرد ہاتھ لیے وہ یقین دلا رہا تھا اور وہ اعتبار کی پہلی سیڑھی پر قدم جما رہی تھی کہ اب بند آنکھوں سے سپنوں کی دنیا آباد نہیں کرنی ہوگی۔

اس کے خوابوں کا شہزادہ تعبیر لیے اس کا منتظر ہوگا۔ اس حقیقت کی دنیا میں ایک گل گوتھنا سا بچہ بھی اپنی قلقاریوں سمیت اس کی ساری توجہ کو اپنی جانب مبذول کرا لے گا۔

ناصر کے دونوں ہاتھ اس کے آنسوؤں سے بھر گئے تھے۔ وہ اسے کھل کر رونے دے رہا تھا' پھر ہمیشہ مسکرانے کے لیے کیونکہ وہ بھی تو زخمی تھا' اپنے ہاتھوں وہ خود کا قاتل بنا تھا۔ اس نے سفاکی اور ہٹ دھرمی کے سارے ہتھیار پھینک دیے تھے جو خود اس کے وجود کو لہولہان کر گئے تھے۔ اس کے گنے چنے سامان کو سمیٹ کر اب اسے سہارا دے کر بیڈ سے اتار رہا تھا۔ ہمیشہ کا سہارا بننے کے لیے۔

اکائی

عشنا کوثر سردار

تحفہ دعاؤں کا تمہیں پہنچے میرا
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا گھیرا
مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہارے زیست میں نہ آئے کبھی غموں کی پھیر



گزشتہ قسط کا خلاصہ

تاج بیگم (دادی) جلد از جلد فاطمہ کا رشتہ طے کردینا چاہتی ہیں وہ نواب وقار الحق اور فاطمہ کی ملاقات سے آگاہ ہوجاتی ہیں لہٰذا یہی طے کرتی ہیں کہ اس رسوائی سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ ریحان کے رشتہ کے لیے ہاں کردی جائے۔ کرم دین ریحان کی رنگین طبیعت کا بتا کر اس رشتے کی مخالفت کرتا ہے مگر وہ اسے اپنی زبان بند رکھنے کا کہتی ہیں۔ فاطمہ کو دادی کی خاموشی پریشان کیے رکھتی ہے وہ اپنے ابان جان کو تمام بات بتانا چاہتی ہے لیکن سخاوت بیگم اسے ایسا کرنے سے منع کردیتی ہیں، اگرچہ انہیں اپنی بیٹی پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے لیکن فاطمہ کی ذرا سی غلطی اس کے لیے بہت بڑی رسوائی بن جاتی ہے۔ توقیر صاحب اور ان کی بیگم اماں کے تسلی بخش جواب پر مطمئن نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہلیہ چاہتی ہے کہ وہ جلد از جلد منگنی کی رسم کرلیں تاکہ بعد میں وہ لوگ ان کے بیٹے کے لیے انکار نہ کرسکیں اسی خاطر توقیر صاحب ناظم الدین سے بات کرتے ہیں اور انہیں ریحان کی جانب سے مطمئن کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ رجت سنگھ جو کہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنے ماں باپ سے اختلافات کے باعث سب کچھ چھوڑ کر ملازمت کرتا ہے، کرم دین اسے سمجھانے اور واپس اپنے گھر جانے کی بات کرتا ہے مگر وہ آمادہ نہیں ہوتا۔ ایک عجیب سی الجھن اس کا احاطہ کیے رکھتی ہے اور وہ خود بھی اس کی وجہ جاننے میں ناکام رہتا ہے۔ دادی فاطمہ کی پڑھائی پر کوئی اعتراض نہیں کرتیں، لیکن ریحان کے رشتے والی بات پر ڈٹ جاتی ہیں۔ ایسے میں نواب وقار الحق کو یہ سب پتہ چلتا ہے تو وہ بے حد شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور فاطمہ کی رسوائی کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے ہیں۔ وہ اپنے والد کو تمام اصلیت بتا کر مشورہ طلب کرتے ہیں، جس پر زمان الحق انہیں سخت سست سناتے ہیں آخر میں وہ تاج بیگم سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تاج بیگم ان کے منہ سے فاطمہ اور وقار الحق کا نام سن کر مشتعل ہوجاتی ہیں، جب ہی وہ اپنے بیٹے کا رشتہ فاطمہ کے لیے پیش کرکے اسے اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتے ہیں۔ تاج بیگم یہ بات سن کر بھڑک اٹھتی ہیں اور فاطمہ کا رشتہ بذات خود ان سے طے کرنے کی بات کرتی ہیں۔ نواب صاحب اس بے جوڑ رشتے کی بات پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ کرم دین تمام معاملات میں خاموشی اختیار کرلیتا ہے لیکن اس کی بیٹی دلشاد فاطمہ کی دوست ہونے کے ناطے اسے ریحان کے رشتے اور اس کی رنگین طبیعت کے متعلق سب کچھ بتا کر دادی کی تجویز کردہ سزا کا ذکر کرتی ہے۔ فاطمہ یہ سب سن کر دنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☾......☾......☾

''فاطمہ بیٹا یہ فیصلہ مناسب نہیں، ماں ہونے کے ناطے میں اس فیصلے کی حمایت ہرگز نہیں کروں گی۔ یہ فیصلہ خود کو کنویں میں گرانے کے مترادف ہے، میں اپنی اولاد کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' سخاوت بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ فاطمہ ان کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔

''امی جان، اس سے بہتر فیصلہ شاید اس وقت کوئی اور نہ ہو...... ہم پڑھائی جاری رکھ سکتے ہیں، نواب چاچا دادی جان جیسے دقیانوسی تو ہرگز نہ ہوں گے، کچھ تو خوف خدا ہوگا انہیں، ہم ان کی منت سماجت کرلیں گے مگر اس وقت یہی مناسب ہے کہ سر چپ چاپ جھکا دیا جائے۔'' فاطمہ بولی تو سخاوت بیگم چپ چاپ انہیں دیکھنے لگیں۔

''میں یہی کہوں گی یہ انتہائی غیر مناسب ہوگا اگر تم اپنی دادی جان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیتی ہو، میں تمہیں ایسے فیصلے لینے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' سخاوت بیگم نے کہا اور فاطمہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☾......☾......☾

''بات اصول کی ہوتی ہے اور اصولوں پر سمجھوتہ اماں جان سے کبھی ہوا نہیں، ہم نے رشتوں کو اپنے مقام پر رکھنے کے

اطوار اپنی ساس سے سیکھے ہیں۔ اللہ بخشے انہیں کمال کی دلیر خاتون تھیں۔ انہوں نے ہی ہمیں سکھایا کہ اصل زندگی کیا ہوتی ہے ایسے کم سن سے تھے جب بیاہ کر سسرال آ گئے تھے۔ ہماری اخلاقی تربیت ہماری ساس صاحبہ کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہر بہو اپنی ساس کا پرتو ہوتی ہے کیونکہ لڑکی ماں کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارتی اور دنیا کو اس قدر وسعت سے نہیں دیکھتی جس طرح سسرال میں آ کر اپنی ساس صاحبہ کی قربت میں گزارتی ہے۔ سو کم و بیش ہم اپنی ساس صاحبہ کا پرتو ہیں۔ عورت کو کس طرح مضبوط اور دیدہ دلیری سے کھڑا رہ کر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے یہ ہم نے اپنی ماں سے نہیں ساس صاحبہ سے سیکھا۔ ہماری ساس صاحبہ کے لہجے کی رعونت آج بھی ہماری سماعتوں میں بسی ہے۔ ان کا حاکمانہ انداز ہمیں بھولائے نہیں بھولتا۔ ان کا اٹل انداز ہمیں اس وقت تو نہیں بھایا مگر ان کی وفات کے بعد ہم نے اعتراف کیا کہ وہ کمال کی خاتون تھیں۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہم نے جان بوجھ کر خود کو اپنی ساس صاحبہ کے سانچے میں نہیں ڈھالا مگر یہ غیر ارادی طور پر ہوا۔ کہیں نہ کہیں ہم ان کی شخصیت سے بہت متاثر ضرور تھے ان کا نہ جھکنے والا انداز اور خود کو شاخ زعفران سمجھنے والے اطوار ہمیں ان کا گرویدہ کر چکے تھے سو ہم ان کے خدوخال میں ڈھلتے گئے۔ ہمارا تو گویا لہو خشک ہوتا تھا۔ ان کی ارد گرد موجودگی ہی ہماری جان فنا کرنے کو کافی تھی۔ ساس صاحبہ کے لیے تو وہ مثل تھی' جس کے ہاتھ ڈوئی اس کا ہر کوئی۔ سو ہم نے اپنی ساس کے کہے کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ہم ان کے نقش قدم پر بے اختیار چلنے لگے اور چلتے چلے گئے۔ بہوؤں کے اطوار ساس صاحبہ مکمل طور پر بدلنے کا اختیار رکھتی ہے' شاید اسی لیے خاوند بھی اسی لیے ماں کے بعد زوجہ کی مٹھی میں آتے ہیں کہ ان میں سو فیصد یہی گن آ جاتے ہیں جو خاوند صاحب کی ماں کے اندر ہوتے ہیں۔" تاج بیگم کہتے ہوئے مسکرائی تھیں خالہ انوری بھی مسکرا دیں۔

"تاج بیگم آپ کی باتوں میں سولہ آنے سچائی ہے۔ ہم تو اٹوائی کھٹوائی لیے پڑے رہتے تھے ساس صاحبہ کی باتوں پر کبھی کان نہیں دھرے مگر ہمارے ساتھ وہ مثل صادق آتی تھی' جہاں بہو کا پیارو ہیں خسر کی کھاٹ' ہمارے محترم سسر صاحب ہماری خوب حمایت کرتے تھے اور ہماری ساس صاحبہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔" انوری خالہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو تاج بیگم ہنس دیں۔

"آپ کے ہمراہ تو وہی بات ہوئی مائی جی کا تھان کھیلے چوگان' بہرحال' ہم نے تو اپنی ساس صاحبہ سے بہت کچھ سیکھا اور ایک طرح سے اپنی ساس اماں کا پرتو ہیں۔ حکومت جیسے ان کے وصف میں تھی' اپنے خاوند کو کس طرح گرفت میں لینا ہے' ہم نے تو یہ تک اماں جان سے ہی سیکھا۔ "تل بھر لہو' پہاڑ بھر محبت" کا کلمہ ہماری ساس صاحبہ نے ہی ہمیں سمجھایا۔" تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے کئی راز ایک ساتھ کھولے تھے۔ انوری بیگم مسکرا دیں۔

"چلیے ہم امید رکھتے ہیں' آپ کی بہو بیگم بھی آپ سے ایسے طور سیکھیں گی اور آپ کا پرتو بنیں گی۔" انوری بیگم نے اشارہ سخاوت بیگم کی طرف کیا جو کچھ فاصلے پر چاول چن رہی تھیں۔ تاج بیگم نے آنکھیں سکیڑ کر سخاوت بیگم کو دیکھا اور لب بھینچ لیے' انوری بیگم مسکرائیں۔

"جانے دیجیے تاج بیگم ایسی بھی کیا عداوت؟ آپ کی سب سے ہونہار بہو سخاوت بیگم ہی تو ہیں۔ باقی دو تو کوسوں دور بیٹھی ہیں۔ انہوں نے اس گھر کو رد کیا' بات کڑوی ہے مگر سچ تو ماننا پڑتا ہے۔" انوری بیگم نے کہا جبکہ تاج بیگم نے قدرے فاصلے پر مصروف دکھائی دینے والی سخاوت بیگم کو دیکھا۔

"ساس جھانکے تو ئیں تو ئیں' بہو چلی بکھو...... رشتے دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے انوری بیگم...... رہا دیگر بہوؤں کا قصہ تو آؤ' تمہارا گھر' جاؤ' جھگڑا نہیں...... ہم نے کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر چلتا نہیں کیا' جس کو رہنا ہے رہے' جس کی مرضی نہیں اس سے کوئی زبردستی واجب نہیں' اپنا تو وہی معاملہ ہے کہ اسی راہ پر چال تو جو تجھے گرد بتائے' جو بدھیا کے تھان پر

ترت پھکا تا پائے..... والدین کا فرض اولاد کی تعلیم وتربیت ہے جس میں ہم نے کسر نہیں اٹھا رکھی....." تاج بیگم نے حقے کا کش لیا۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر بہت محنت کی ہے۔ اب فاطمہ بچی کو ہی دیکھئے آپ بچیوں کی تعلیم کے اگرچہ خلاف تھیں مگر آپ نے ان کو گھر میں پردے میں رہ کر تعلیم کا موقع فراہم کیا۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ سنا ہے آپ فاطمہ بٹی کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد بھی رکھ رہی ہیں یہ کام تو قابل ستائش ہے۔" انوری بیگم نے سراہا تاج بیگم تنی گردن کے ساتھ مسکرادیں۔

"انوری بیگم سیانے کہہ گئے ہر کارے کی ہمت بستہ کرو اگر خار کے بود گلدستہ کردو..... ہم تو کر بھلا سو ہو بھلا کے مصداق سب اچھا کرتے ہیں۔ اب کوئی قدر جانے نہ جانے ہمیں ستائش کی تمنا نہیں۔" تاج بیگم نے اپنی گردن تان کر کہا انوری بیگم مسکرادیں۔

☾.....☾.....☾

"تاج بیگم کھاگ خاتون ہیں مگر ہم سمجھ نہیں پار ہے ان کے ذہن میں اس وقت کیا چل رہا ہے۔" نواب صاحب مسلسل تاج بیگم کے متعلق سوچتے رہے مگر ان کی سیاست ان کی سمجھ سے بالاتر ہی رہی۔ تبھی انہوں نے سپوت کو بلا بھیجا۔

"ابا حضور آپ نے یاد فرمایا؟" وقار ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے۔ نواب صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"معاملہ کیا ہے ابا حضور؟ آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔" وقار نے دریافت کیا مگر نواب صاحب خاموش دکھائی رہے ان کی آنکھیں کسی طرح کے جذبات سے عاری تھیں۔ وہ اپنے جذبات پر اختیار رکھنے والی بھرپور شخصیت کے حامل تھے۔ اس سے پہلے کہ وقار کچھ اخذ کرتے یا ان سے دریافت کرتے تبھی وہ بولے۔

"آپ فاطمہ بی بی کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟" ان کا سوال اگرچہ غیر متوقع اور حیران کن تھا مگر وقار بہت متانت سے بولے۔

"فاطمہ بی بی ایک ہونہار دوشیزہ ہیں ابا حضور ان کے اندر کچھ کرنے کی لگن ہے اور ہم امید رکھتے ہیں وہ اپنے تعلیمی مقاصد ضرور بروئے کار لانے کا باعث بنیں گی۔" وقار نے بہت سمجھداری سے جواب دیا نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔

"فاطمہ بی بی انوکھی اور بھرپور شخصیت کی مالک کم عمر دوشیزہ ہیں جو کچھ کرنے کی لگن رکھتی ہیں اور ہم چاہتے ہیں وہ اپنے خواب جئیں اور بھرپور انداز میں جئیں۔" نواب صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا وقار اگرچہ چونکے تھے مگر فوری طور پہ کچھ نہیں بولے۔

"وہ فاطمہ جناح بننا چاہتی ہیں۔ ان کی طرح تحریک کا حصہ بننا چاہتی ہیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہتی ہیں۔ پاکستان کی تحریک زور پکڑ رہی ہے اور یہ خوش آئند بات ہے کہ نیا خون نیا جوش اور ولولہ اس تحریک کا حصہ بن رہا ہے۔" نواب صاحب نے نوجوانوں کی صلاحیتوں اور جدوجہد کو سراہا۔ وقار نے سر ہلایا۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ ابا حضور اس لمحے یہ ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ فاطمہ اس گھر میں اتنا اہم موضوع کیونکر بن رہی تھی؟ اس کے پس پردہ کیا حقائق تھے وہ ان سے یقیناً نابلد تھے مگر وہ چونک ضرور گیا تھا۔

"ابا حضور..... تحریک جس تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اس سے فتح یقینی دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان کا خواب پورا ہو کر رہے گا۔" وقار کا لہجہ پُرعزم اور ولولہ انگیز تھا۔

"بے شک....." نواب صاحب نے تائید کی کچھ دیر تک وہ خاموش رہے۔ پھر سگار سلگا کر گہرا کش لیتے ہوئے

صاحب زادے کی سمت دیکھا۔
"کیا آپ فاطمہ کی طرف کوئی وابستگی یا محسوسات رکھتے ہیں؟" ان کا سوال وقار کو حیران کر گیا مگر انہوں نے فوری طور پر جواب نہیں دیا اور دھیمے سے انداز میں مسکرا دیئے۔
"ابا جان! ہم سمجھ نہیں پائے۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ معذرت خواہ ہیں۔ آپ کے سوال کا اصل مدعا جاننے سے قاصر ہیں ہم۔ گستاخی معاف مگر ہم واقعی سمجھ نہیں پائے آپ کس بابت دریافت کررہے ہیں۔" وقار نے حیرت کو ایک طرف رکھ کر متانت سے کہا۔ نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔
"دراصل! ہمیں لگا ہو سکتا ہے آپ کی جذباتی وابستگی یا کوئی ربط ان سے جڑ گیا ہو۔ نوجوان بچے ہم بزرگوں سے الگ سوچتے ہیں اور ان کے عمل مصلحتوں کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ عمل اور سوچ دونوں میں شفاف ہوتے ہیں۔" نواب صاحب نے بات واضح کی۔ وقار مسکرا دیئے۔
"بجا فرمایا آپ نے ابا حضور مگر عموماً بزرگ نوجوانوں کی ان خصوصیات کو ماننے سے انکاری ہوتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں کی نفی کرتے ہیں۔" وقار کے کہنے پر نواب صاحب نے سر ہلایا۔
"بہر حال! نئے خون کے جوش و ولولے سے انکار ممکن نہیں۔ اگر کوئی نفی کرتا ہے تو بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی نکلتے ہوئے آفتاب کو دیکھے اور اس کی روشنی سے انکار کرے۔ تاریکی دراصل ہمارے اندر ہوتی ہے۔ ہم کسی کی صلاحیتوں کا انکار نہیں کرتے، ہم اپنی منفی سوچ کے تحت ایک ڈر میں جی رہے ہیں۔ یہ نفی کسی کی صلاحیتوں کی نہیں خود کی نفی ہے۔" نواب صاحب نے حتمی انداز میں کہا۔ وہ روشن خیال تھے اور زمانہ شناس بھی۔ انہوں نے دنیا دیکھی تھی اور ان کو انسان کی پہچان تھی۔ وقار اپنے والد محترم کی خصوصیات کے قائل تھے۔ ان کے درمیان ایک لمحے کو خاموشی در آئی۔ نواب صاحب کسی سوچ میں غلطاں دکھائی دیئے اور وقار خاموشی سے بیٹھے ان کے بولنے کے منتظر رہے۔
"ہم آپ سے ایک مدعے پر بات کرنا چاہتے تھے وقار......" وہ گویا ہوئے اور وقار نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔
"ہم محدود رشتوں کے ساتھ زندگی جی رہے ہیں مگر ہم رشتوں میں دیواریں اٹھانے کے قائل نہیں۔ رشتوں کی مٹھاس اور خوب صورتی اس میں ہے کہ رشتوں کو ان کے تقدس کے ساتھ سنبھالا جائے اور عزت دی جائے۔ رشتے جس خلوص اور توجہ کے مستحق ہوتے ہیں ان کو وہی جائز مقام دیا جائے ایسے میں رشتوں کے درمیان کا خلا بھرتا ہے اور دوریاں سمٹنے لگتی ہیں۔" انہوں نے تمہید باندھی۔ وقار خاموشی سے والد محترم کی بات کو سن رہے تھے۔ اس بات کا اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ ان کے پاس کہنے کو یقیناً کوئی بڑی بات ہے ورنہ وہ اس طرح تمہید نہ باندھتے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ وہ ان کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ ان کے درمیان بہت شفاف رشتہ تھا۔ سو وہ اپنے والد محترم کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ یہ اعتماد بلند سوچ اور معاملہ فہمی ان کی طرف سے ہی ملی تھی انہیں۔
"تاج بیگم نے بلوایا تھا ہمیں۔ جو دعا انہوں نے فاطمہ بی بی کی تعلیم کو لے کر اٹھایا تھا ہم اس میں اصلاح دینے کی غرض سے گئے تھے۔ ہم نے فاطمہ پر لگائے جانے والے الزامات کے نتیجے میں ان کے سامنے آپ کا رشتہ رکھا مگر......"
وہ یک دم خاموش ہوئے۔ وقار یک دم چونکے تمام معاملہ کسی قدر ان کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ جس طرح فاطمہ کے گھر خاموشی تھی جو سکون تھا وہ خاصا پراسرار لگا تھا۔
"آپ کو اندازہ نہیں وقار حق آپ کی ایک حماقت کی سزا وہ لڑکی کس طرح بھگت رہی ہے۔ تاج بیگم کو تو جیسے ایک موقع چاہیے تھا۔ انہوں نے آپ کے اس اقدام پر آپ سے تو کوئی باز پرس نہیں کی مگر انہوں نے اس بیچاری لڑکی پر خوب

کیچڑ اچھالی آپ کا فاطمہ کو ملنے کی غرض سے بلانا یقیناً ایک بڑی حماقت تھی وقارالحق..... آپ کو ایسا اقدام کرنے سے قبل سوچنا چاہیے تھا' ناظم الدین کا گھرانہ یوں تو پڑھا لکھا ہے مگر وہ بیٹیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں اور ہمیں جب خبر ہوئی کہ وہ فاطمہ کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانے سے روک رہی ہیں تو ہم نے فاطمہ کو گھر میں رہ کر پڑھانے کے لیے آپ کا نام تجویز کیا' اس تجویز کا مقصد آپ پر بے پناہ اعتماد کا ہونا تھا۔ ہم نے اماں جان کو کسی نہ کسی طرح راضی بھی کرلیا تھا مگر آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام نے سب ختم کردیا..... فاطمہ جس کرب سے گزر رہی ہے اس کا اندازہ میں یا آپ نہیں کرسکتے' مگر فاطمہ بخوبی اس کا اندازہ کررہی ہیں۔" نواب صاحب خاموش ہوئے تو وقارالحق قدرے شرمندگی سے سر جھکا گئے۔

"ابا حضور ہم انسان ہیں' بندہ بشر میں فرشتوں والی صفات ناپید ہیں مگر بخدا ہمارا ارادہ کوئی غلط نہیں تھا نا ہماری نیت میں کوئی فتور تھا' ہم صرف فاطمہ کو دیکھنا چاہتے تھے آپ کہہ سکتے ہیں یہ تجسس انسانی تھا جو بندہ بشر کی طبیعت کا حصہ رہا ہے۔ ہمارا ارادہ فاطمہ بی بی کے دامن کو داغدار کرنا نہ تھا۔ نہ ان کے کردار پر کیچڑ اچھالنا تھا۔ وہ با پردہ رہتی تھیں ایک بار ہم نے جھلک دیکھی تو انہیں دیکھنے کا تجسس ہوا سو ہم نے ملنے کی شرط رکھ دی۔ ہم مانتے ہیں ہم سے غلطی ہوئی مگر اس حماقت کے لیے ہم شرمندہ ہیں' ہم نہیں جانتے تھے کہ فاطمہ کی دادی جان اس واقعے کو اس قدر غلط رنگ دیں گی۔ ہمیں اس کا اندازہ ہوتا تو ہم فاطمہ کو کبھی اس ملاقات کے لیے نہ اکساتے' مگر ہم اس غلطی کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے ابا حضور۔" وقارالحق نے سر جھکا دیا۔ نواب صاحب نے بیٹے کی جھکی ہوئی گردن کو دیکھا اور قدرے نرمی سے بولے۔

"مگر ہم نے جو حل تجویز کیا وہ محترمہ تاج بیگم کو پسند نہیں آیا....." ان کا لہجہ دھیما اور یاسیت بھرا تھا۔ وقارالحق چونکے۔

"معاملہ کیا ہے ابا حضور' دادی جان کیا چاہتی ہیں؟" وقارالحق جاننے کو پُرتجسس ہوئے۔ نواب صاحب قدرے توقف سے گویا ہوئے۔

"ہم نہیں جانتے تاج بیگم کے دماغ میں درحقیقت کیا چل رہا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ اگر فاطمہ کا نکاح اس صورت میں ہوگا تو آپ سے نہیں' ہم سے..... انہوں نے فاطمہ کے لیے ہمیں چنا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ کو نکاح میں لیں۔" وقار چونکے۔

"کیا.....؟ تاج بیگم اس طرح کیسے سوچ سکتی ہیں؟ اگر بدنامی کا باعث ہم بنے ہیں تو پھر اس کا سدباب بھی ہمیں ہی بننا چاہیے ناکہ آپ کو جبکہ آپ کی عمر اور فاطمہ کی عمر میں بھی تضاد ہے اور فاطمہ کے والد آپ کے بہت قریبی اور پرانے رفقاء میں سے ہیں۔" وقارالحق ششدر رہ گئے۔

"یہ تو ہم نہیں جانتے تاج بیگم ہمارا انتخاب کیوں کررہی ہیں مگر ان کے ارادے نیک نہیں لگتے۔ وہ یقیناً فاطمہ کو سزا دینا چاہتی ہیں اور ان کے لیے ان کی عمر سے بڑے شخص کا انتخاب کرکے ان کے پلو سے باندھنا چاہتی ہیں۔" وقارالحق ابا حضور کی بات پر کسی قدر پچھتاوے کا شکار دکھائی دیے۔

"ابا حضور..... ہمیں افسوس ہے' ایک لڑکی کی زندگی ہماری حماقت کے باعث اس درجہ مشکل میں گھر گئی۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے۔" وقارالحق دھیمے لہجے میں بولے۔

"بیٹا..... ان کو آپ کی ہمدردی کی نہیں ساتھ کی ضرورت ہے۔ ہم تصور کیے بیٹھے تھے آپ کو فاطمہ بی بی سے عشق ہوگیا ہے' سو آپ سے ایسی حماقت سرزد ہوئی۔" نواب صاحب نے قیاس کیا۔ وقار نے یکدم نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں' ہمیں فاطمہ بی بی سے عشق نہیں ہوا' ہم دل میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے' آپ تو جانتے ہیں ابا جان ہم اس گھٹے ماحول کا حصہ نہیں..... نہ ہم عشق جیسی خرافات پر یقین رکھتے ہیں۔" نواب صاحب نے صاحبزادے کو بغور دیکھا۔

''ہم آپ کا مزاج سمجھتے ہیں صاحب زادے مگر آپ فاطمہ کا مزاج شاید نہیں سمجھ پائے۔ بہرحال اس مسئلے کا کوئی حل تو نکالنا ہوگا ورنہ ہمیں پچھتاوے میں جینا ہوگا کہ ایک کم عمر بچی کی زندگی اس حماقت کے باعث برباد ہوئی اور ہم کوئی مدد نہیں کر پائے۔'' نواب صاحب متفکر دکھائی دیے۔

وقار الحق خاموش رہے۔ اپنا آپ مجرم سا محسوس ہوا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ابا حضور اب کیا موقف اختیار کریں گے یا کس طرح اس لڑکی کی مدد کریں گے مگر وہ کسی حد تک پریشان ضرور ہوگئے تھے۔

''لیکن ہم ان سے نکاح نہیں کر سکتے.....'' یک دم خاموشی کو توڑتے ہوئے ان کی آواز ابھری اور وہ خود حیران رہ گئے تھے۔ ماحول کو بغور جانچا مگر اِدھر اُدھر نگاہ کرنے پر کوئی دکھائی نہیں دیا۔

☾.....☾.....☾

''خواجہ صاحب آپ کو نہیں لگتا آپ اپنی بچی کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں؟ آپ کی یہ خاموشی فاطمہ کو کمزور کر رہی ہے بچوں پر کوئی اور یقین کرے نہ کرے والدین آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہیں مگر آپ.....'' سخاوت بیگم نے کہا ان کا لہجہ شکوے سے بھرپور تھا۔ خواجہ ناظم الدین صاحب خاموشی سے سر جھکائے اسی توجہ سے دستاویز دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم الجھن سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''کیسے والد محترم ہیں آپ؟ آپ کی بچی پر لعن طعن کیا جارہا ہے اور آپ خاموش ہیں؟'' سخاوت بیگم نے ان کو بولنے پر جیسے اکسایا۔ خواجہ صاحب نے دستاویز سے نگاہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

''بیگم یہ معاملات اس قدر پیچیدہ نہیں ہیں جس قدر بنائے جارہے ہیں۔'' ان کا لہجہ اطمینان سے بھرا تھا۔ سخاوت بیگم چونکیں۔

''لیجیے اب اس کا کیا مطلب ہوا؟ گویا آپ کو اپنی دختر پر گزرنے والی قیامت کا کوئی احساس ہی نہیں.....؟ بیٹی ہیں کہ نیر بہائے جارہی ہیں اور والد محترم ہیں کہ سرے سے بیٹی کی تکلیف سے واقف ہی نہیں۔'' سخاوت بیگم نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے میاں صاحب کو دیکھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور نرمی سے بولے۔

''ہم کسی معاملے کو اٹھا کر تماشا بنانا نہیں چاہتے بات نکلتی ہے تو پھر دور تک جاتی ہے سو خاموشی ہی بہتر ہے۔ کبھی کبھی خاموشی اختیار کر لینا معاملات کا بہتر حل ہوتا ہے۔'' خواجہ صاحب نے کہا سخاوت بیگم ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''گویا آپ کی اماں جان جو کیچڑ آپ کی دختر کے دامن پر اچھال رہی ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟'' سخاوت بیگم نے خاوند کو گھور کر دیکھا۔ ناظم الدین دستاویز ایک طرف رکھ کر بیگم کو دیکھنے لگے۔

''ہم کسی معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتے سخاوت بیگم فاطمہ پڑھنا چاہتی تھیں اور ان کی تعلیم کا سلسلہ بنا کسی رکاوٹ کے اسی طرح رواں دواں ہے اماں جان کیا کہتی اور سوچتی ہیں ہم اس متعلق بات نہیں کر سکتے۔ ہم نے گھریلو معاملات میں مداخلت نہ پہلے کی ہے نا اب کریں گے۔'' وہ صاف کنی کتراتے دکھائی دیے۔ سخاوت بیگم میاں صاحب کے تیور دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔

''گویا وہ فاطمہ کا نکاح کسی لٹیرے سے کردیں یا پھر اس کی عمر سے چار گنا بڑے کسی نواب سے؟ آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسے بے حس ہیں آپ آپ کی تمام روشن خیالی آپ کی نرینہ اولاد کے لیے تھی اب آپ کی روشن خیالی پر منوں کے حساب سے مٹی پڑ گئی ہے بھائی بات کرنے کو تیار نہیں والد محترم بولنے کو تیار نہیں..... اس ایک معصوم بچی کو تنہا کر کے رکھ دیا یہ پدرانہ شفقت ہے آپ کی؟'' سخاوت بیگم نے ان کو جذباتی طور پر اکسایا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگے پھر قدرے نرمی سے اور طمانیت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''بیگم جو کام حکمت سے نکلتا ہے حکومت سے نہیں نکلتا' بعض اوقات ایک چپ ہزار سکھ ہوتا ہے اماں جان جو کررہی ہیں ان کو کرنے دیجیے کبھی کبھی حکمت اس میں ہوتی ہے کہ فیصلے وقت کے ہاتھ سونپ دیے جائیں، اماں جان ایسی بھی دشمن نہیں فاطمہ کی آپ کیوں اتنی خائف ہیں' اماں جان ایسی ہی جلاد ہیں کیا؟'' انہوں نے پُرسکون انداز میں سمجھایا جیسے یہ کوئی بہت معمولی معاملہ ہو سخاوت دیکھتی رہ گئیں۔ وہ اٹھے اور باہر نکل گئے۔

☾......☾......☾

پردے کے اس طرف وقار الحق بہت خاموش اور شرمندہ سے بیٹھے تھے دوسری طرف فاطمہ خاموش تھیں۔

''آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اگر کوئی پہرے دار سن رہا ہے تو ہمیں اس سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ ملازمہ کو سر پر تعینات دیکھ کر آہستگی سے بولے۔

''آپ ایک باوقار دوشیزہ ہیں فاطمہ بی بی' ہم دل سے آپ کا احترام کرتے ہیں' بخدا جو بھی ہوا اس کا مقصد آپ کے کردار پر کیچڑ اچھالنا یا آپ کو کسی مشکل صورت حال سے دوچار کرنا نہیں تھا' دراصل' ہمیں لگا تھا آپ کا گھرانہ چونکہ پڑھا لکھا ہے سو سب اس قدر روشن خیال تو ہوں گے کہ اس ایک لمحے سے بھی کم کی ملاقات کو کوئی غلط رنگ نہ دیں گے مگر ہم غلط تھے' کیا مرد وعورت میں صرف ایک رشتہ قائم ہوتا ہے' کیا خلوت ان خرافاتوں کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتی' کیا نامحرم ہونا ایسا گناہ ہے' ہم جانتے ہیں ان سوالوں کے جواب آپ کے پاس نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے بہت غلط اقدام کیا اور آپ کو بھی اس اقدام پر اکسایا جو کہ سراسر غلط تھا' ہم بہت غلطی پر تھے اور اس ملاقات کا کوئی جواز نہ تھا مگر بخدا وہ عشق نہ تھا نہ کوئی ہوس' آپ ایسی معصوم فطرت دوشیزہ ہیں کہ آپ کے بے داغ دامن پر ہم کوئی داغ نہیں دیکھنا چاہتے آپ کا کردار شفاف اور پاکیزہ ہے آپ چاہیں تو ہم آپ سے نکاح کرنے کو تیار ہیں۔'' ملازمہ جو سر پر پہرے پر کھڑی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں' وہ بھاگتی ہوئی اماں جان کو بلا لائی وقار الحق اپنی دھن میں بولتے رہے تھے اور فاطمہ سر جھکائے روتی رہیں۔ اشک تھے کہ تھم نہیں رہے تھے۔

''فاطمہ بی بی' آپ کے تقدس وحرمت کا پورا خیال ہے' ہمیں' ہم آپ کی کردار کشی ہوتی نہیں دیکھ سکتے' سو ہمیں کسی رشتے کے بنانے میں کوئی قباحت نہیں' ہم آپ کے محرم بننا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ کیا آپ ہمیں اس قابل سمجھتی ہیں؟'' نواب زادہ وقار الحق مدھم لہجے میں اس درمیان کی دیوار کو دیکھتے ہوئے دریافت کررہے تھے جب اماں جان کی آواز ابھری۔

''فاطمہ بی بی ابھی بالغ نہیں' وہ اپنے فیصلے خود سے لینے کی اہل بھی نہیں ہیں۔ برائے کرم نواب زدہ وقار الحق فاطمہ بی بی کو اکسانا بند کیجیے۔'' اماں جان کی آواز سن کر وقار ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''نواب زادہ وقار الحق' آپ کے والد محترم سے ہماری بات ہوچکی ہے اور تمام معاملات پہلے سے زیر بحث ہیں۔ سو مزید بات کرنے کی کوشش بے سود حاصل نہیں ہوگی۔ آپ فاطمہ بی بی کو پڑھانے کا کام کیجیے باقی معاملات اس قدر ضروری نہیں۔'' تاج بیگم پُرسکون لہجے میں گویا ہوئیں۔ نواب زادہ وقار الحق ان کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے' فاطمہ خاموشی سے اٹھیں اور اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

☾......☾......☾

توقیر جہاں نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بیگم کی طرف دیکھا۔

''کئی دن ہوئے اماں بی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا' ہمارے صاحب زادے ایسے گئے گزرے ہیں کہ ان کے رشتے کو اس طرح التوا میں ڈالا جائے؟'' انہوں نے اتراتے ہوئے سینہ چوڑا کرتے ہوئے ایسے کہا جیسے ان کے

صاحب زادے کہیں کے افسر ہوں۔ بیگم نے سر ہلایا۔

"بات تو آپ کی بجا ہے اپنی اماں جان کو فون کر کے دیکھ لیجیے، کہیں ان کا ارادہ نہ بدل گیا ہو یا کہیں آپ کے صاحب زادے کی بھنک ان کو نہ پڑ گئی ہو۔" انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو قیر نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں ایسا ممکن نہیں، ریحان میاں کے متعلق ان کو کون آگاہ کرے گا؟ اماں جان غیب کا علم تو رکھنے سے رہیں۔" انہوں نے سوچتے ہوئے کریڈل سے ریسیور اٹھایا اور اماں جان کا نمبر ملانے لگے۔

"بیگم لکھ کر رکھ لیجیے، فاطمہ بی بی بہو بنے گی تو صرف ہمارے گھر کی، ریحان میاں ہی ہیں جو ان سے نکاح کریں گے۔ اماں جو ابا جان کی جائیداد سنبھالے بیٹھی ہیں اس طرح ہاتھ آسکتی ہے کچھ تو دیں گے وہ فاطمہ بی بی کو آخر کو پوتی ہیں ان کی۔" توقیر میاں مسکرائے اور دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر ادھر متوجہ ہوگئے۔

"آداب اماں جان...... کیسی طبیعت ہے آپ کی، مزاج گرامی کیسے ہیں؟" توقیر میاں مسکرائے۔

"ہم ٹھیک ہیں میاں، مطلب کی بات کہو کس لیے فون کیا ہے آج؟" اماں جان نے دوٹوک بات کی۔ توقیر میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

"اماں جان بیٹے ہیں ہم آپ کے، آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے، کیا کسی حوالے کے بنا ہم آپ کو فون نہیں کر سکتے؟" توقیر نے شکوہ کیا۔

"اے میاں جانے دو، ہمارا منہ نہ کھلواؤ، چلو بھر لہو خشک نہ ہوا تمہارا اتنے برسوں ماں سے دور رہے، اب ایسی چاہت کیسی امڈی آرہی ہے، آنکھوں پر چربی آگئی تھی آپ کے؟ تب ماں کیوں دکھائی نہ دی؟ جب برسوں پلٹ کر نہ پوچھا اور اپنی بیگم کے کہنے پر دوری اختیار کیے رکھی، خون سفید ہونا اسی کو کہتے ہیں میاں۔ بجا کہے جسے عالم اسے بجا کہو، مگر ہم ماں ہیں اور ماں تو صدا کی جذباتی واقع ہوئی ہے سو آپ سے بات کیا کرلی آپ نے تو توقعات لگالیں، جس مزاج سے چھوڑ کر گئے تھے آپ کے مزاج اتنی جلدی تو ٹھکانے آنے والے نہیں تھے؟ آپ کا معاملہ تو وہ ہوا اپنی غرض کو گدھا چراتے، ایسا چھے تو آپ ہیں نہیں، سدا کی نالائق اولاد ہے ہماری...... اس بارے میں جانتے ہیں ہم۔" اماں جان نے لتے لیے۔ توقیر صاحب کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

"اماں جان سنیے تو......"

"تم ایسے قابل ہوتے میاں تو رونا کس بات کا تھا؟ ہم نہیں جانتے اپنی والدہ سے اب کیا توقع رکھے بیٹھے ہو مگر کچھ زیادہ کی امید مت رکھو تو اچھا ہوگا۔" اماں جان نے صاف جتایا، تبھی توقیر میاں بولے۔

"اماں جان ایسا غصہ؟ جانے دیجیے، کہا تو ہے ہم شرمندہ ہیں...... غلطیاں بچوں سے ہی ہوتی ہیں، معاف کردیں، نالائق ہی سہی، اولاد تو آپ کی ہی ہیں۔ اب اس سے تو انکار ممکن نہیں ناں؟ سچ بتائیے کیا آپ کے دل میں ہمارے لیے کوئی ممتا نہیں؟" توقیر صاحب نے دکھی رگ پر جیسے ہاتھ رکھا، اماں جان خاموش رہیں، تبھی توقیر بولے۔

"اچھا اب بتائیے کب آئیں ہم آپ کی طرف رشتے کی باقاعدہ بات لے کر؟ اماں جان، ہم رشتوں کو دائمی مضبوط کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمیں غلط مت سمجھیے۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"توقیر میاں یہ سب کچھ زیادہ قبل از وقت نہیں؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ بیاہ ہوا نہیں گونے کا جھگڑا...... اولاد وہی ہے جو رشتوں کا اصل مقام یاد رکھے، جو کرتا ہے اپنی فائدے کی کرتا ہے۔" اماں جان نے صاف کہا۔

"زیادہ کی توقع مت رکھو، اسی راہ پر چلو تو جو تجھے گرد بتائے، جو بدھیا کے تھان پر ترت ٹھکانا پائے، جانتے ہیں آپ کی عقل میں ہماری بات دیر سے آئے گی مگر فی الحال اور معاملات چل رہے ہیں سو اس قصہ کو نہیں اٹھا سکتے...... وعدہ نہیں

کرتے مگر اچھے کی امید بھی مت رکھیے۔ ریحان میاں کو مزید قدم جمانے دیجیے ان کی دادی جان چاہتی ہیں کچھ میدان اور مار لیجیے شہر میں ڈنکا تو بجے کہ پوتے میاں کتنے پانی میں ہیں؟" اماں جان مسکرائیں اور فون رکھ دیا۔ توقیر میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

"وقار میاں......" وقار الحق زینہ چڑھ رہے تھے جب منشی صاحب کی آواز کان میں پڑی۔

"جی چچا جان کہیے۔" وہ رک گئے۔

"آپ کو نواب صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔" منشی صاحب کہہ کر الٹے قدموں واپس لوٹ گئے اور وقار فوراً ہی اباحضور کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"اب ان کاغذات پر فاطمہ کے دستخط لینے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ نواب صاحب کو کوئی لین دین کرنا ہے تو ہم سے رجوع کرتے۔" دادی جان نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا' تمام کاغذات انگریزی زبان میں تھے۔ اماں جان کو انگریزی زبان کا کچھ پتہ نہ تھا اور یہی حال کرم دین کا تھا۔

"اماں جان' نواب صاحب نے کہلوایا ہے کہ یہ نہر والی زمین کے کاغذات ہیں جن پر فاطمہ بیٹی کے دستخط ہونا لازمی ہیں' وہ باقاعدہ اس زمین کو فاطمہ بی بی کے نام کررہے ہیں تاکہ اس زمین پر درسگاہ بننے کا کام جلد شروع ہوسکے۔" کرم دین کے کہنے پر اماں جان نے الجھن سے انہیں چشمے کے پیچھے سے گھورا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میاں مگر...... ہم اس انگریزی زبان کو پڑھنے سے قاصر ہیں اور وکیل صاحب شہر سے باہر ہیں پھر ایسے میں ہم ان کاغذات پر کس طرح دستخط کرسکتے ہیں؟" اماں جان نے جواز پیش کیا' تبھی کھلے دروازے سے نواب صاحب اندر داخل ہوئے۔

"اماں جان' کیا آپ کو ہم پر اعتبار نہیں؟" نواب زمان الحق نے مسکراتے ہوئے پوچھا' تاج بیگم نے ان کو بغور دیکھا۔

"ارے میاں ایسی بات نہیں' بچپن سے اس گھر میں آتے جاتے ہوا' تم پر تو شک ہونے سے رہا...... ہم تو بس ان کاغذات کا لب لباب جاننا چاہتے تھے۔" اماں جان نے آئیں بائیں شائیں کیا تو نواب صاحب مسکرادیے۔

"اماں جان آپ نواب زمان الحق پر اعتبار کرسکتی ہیں' اتنا یقین رکھیے آپ کو ماں کہا ہی نہیں ماں سمجھا بھی ہے اور ماں کو دھوکہ دینا یا دھوکے بازی کرنا ہمارے خون میں نہیں......" نواب صاحب کے کہنے پر تاج بیگم نے سر ہلایا اور نوکر کو بلوا کر کاغذات اس کے ہاتھ تھمائے۔

"جائیے جلدی سے فاطمہ بی بی کے دستخط لے کر آئیے نواب صاحب منتظر ہیں سو تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ ابھی جائیے اور ابھی واپس آئیے۔" اماں جان نے ہدایت نامہ جاری کیا۔ ملازمہ فوراً اندر کی طرف بڑھ گئی اور نواب صاحب مسکراتے ہوئے تاج بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔

"آپ درسگاہ کا کام شروع کروائیے اماں جان' اس درسگاہ کی عمارت پر آنے والے تمام اخراجات ہم برداشت کریں گے۔" نواب صاحب نے کہا تو اماں جان نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

ناظم الدین ٹہلتے ہوئے راہداری میں رک گئے' جانے قدم خود رک گئے تھے یا انہوں نے دانستہ روک لیے تھے آگے

راہداری کے اختتام پر فاطمہ کا کمرہ تھا۔ دل میں جیسے کوئی گرہ سی تھی کہ قدم آگے بڑھ ہی نہ پائے تھے۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑے رہے پھر پلٹے تو اپنے سامنے کرم دین کو کھڑے دیکھ کر چونکے۔

"کرم دین صاحب آپ...... اس وقت' کوئی ضروری کام تھا کیا؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"جی ناظم صاحب اماں جان سے اس دستاویزات پر دستخط لینے تھے انہوں نے جو زمین کا ٹکڑا رہن رکھا تھا اس زمین کے مالک نے کسی طرح کر کے اپنی پوری زمین کی رقم لوٹا دی ہے سو اب قاعدے کے مطابق اماں جان کو یہ زمین واپس لوٹانا ہوگی۔ بہر حال یہ کام تو چلتے رہتے ہیں آپ فاطمہ بیٹی سے ملنے جارہے ہیں شاید۔" کرم دین نے پوچھا۔ ناظم الدین سر جھکا گئے جیسے فوری طور پر ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔

"خواجہ صاحب...... بیٹیاں اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ ہوتی ہیں دھیان رکھنا چاہیے کہ دانستہ یا نادانستہ ان کا دل نہ دکھ جائے کیونکہ بیٹی خفا نہیں ہوتی مگر اللہ اس کے دل کا حال جانتا ہے' بیٹی شکوہ نہ بھی کرے تو اللہ بندے سے اس بات کی باز پرس ضرور کرتا ہے۔" کرم دین نے جیسے غیر واضح انداز میں اپنا مدعا کہہ دیا۔ خواجہ ناظم الدین ایسے ناسمجھ تو نہ تھے کہ ان کی بات نہ سمجھتے مگر شاید وہ اس معاملے پر زیادہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے' تبھی بولے۔

"کرم دین آپ صبح اماں سے مل لیجیے گا' فی الحال وہ آرام فرما رہی ہیں اور ان کے آرام میں خلل واقع ہو یہ ان کو گوارہ نہیں۔" تب کرم دین نے بھی سر ہلادیا۔

"جی یہی مناسب ہوگا چلتا ہوں' صبح مجھے زمینوں کے کچھ کام سے جانا ہوگا' سو یہ کاغذات کسی لڑکے کے ہاتھ بھجوادوں گا تاکہ اماں جان کے دستخط کے بعد دستاویزات مالک کے حوالے کی جاسکیں۔" کرم دین نے کہا تو خواجہ صاحب نے سر ہلادیا۔

"یہ مناسب ہوگا۔" خواجہ صاحب کے کہنے کے ساتھ ہی کرم دین پلٹ گیا۔ خواجہ صاحب ان کو تادیر دیکھتے رہے' پھر پلٹ کر راہداری کے کنارے پر بنا فاطمہ کا کمرہ بغور دیکھا اور آہستگی سے پلٹ گئے۔

☾......☾......☾

رجت سنگھ دستاویزات ہاتھ میں لیے پرُسکون انداز میں بیٹھا اماں جان کا منتظر تھا۔ اس کے انداز میں عجلت نمایاں تھی۔ جیسے اسے کسی معاملے کو لے کر تاخیر ہو رہی تھی اور وہ بے چینی کا شکار تھا۔ اماں جان سامنے راہداری سے آتی دکھائی دیں۔ رجت سنگھ ادب سے کھڑا ہوگیا۔ اماں جان قریب آن رکیں۔

"پیری پاؤنا اماں جی...... مجھے کرم دین چاچا نے بھیجا ہے۔" اماں جان کو دیکھ کر اس نے جھک کر ادب سے ان کے پیروں کو چھوا۔ اماں جان نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"کرم دین نے بتایا نہیں کہ اس نے غیر مذہب کا کوئی لڑکا کام پر رکھا ہے۔" انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ رجت سنگھ بہت ملائمت سے مسکرایا۔

"اماں جی مذہب تو محض وسیلہ ہیں' اصل تو اس رب کی ذات ہے' جو اس مالک کی ذات کو پا گیا اس کے لیے رب اپنے کرم کے دروازے کھول کر ہر مشکل آسان کردیتا ہے۔" رجت سنگھ نے نرمی سے کہا اور دستاویز اماں جان کی طرف بڑھا دیئے۔ اماں جان نے اسے بغور دیکھا۔

"پڑھے لکھے لگتے ہو اور سمجھدار بھی۔ ایسی معمولی نوکری کیوں کر رہے ہو؟ تمہیں تو کہیں بھی افسری مل جائے' بیکار میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو میاں؟ ایسی کیا آفت آ گئی؟" اماں جان جہاندیدہ تھیں وہ رجت سنگھ کو دیکھتے ہوئے مکمل جانچ رہی تھیں۔ رجت سنگھ ان کی بات پر مسکرادیا۔

"اماں جان' کچھ کرنے کا جنون جب چین نہ لینے دے تو پھر یونہی گردش میں آ جاتے ہیں۔ یہ گردشیں ماہ و سال کہاں دیکھتیں ہیں' جنون تو اندھا ہوتا ہے ناں؟" وہ مسکرایا اور اس کا اعتماد دیکھ کر اماں جان ٹھٹکیں۔

"ایسی کون سی گردشیں ہیں جو تمہیں ساتھ لیے پھرتی ہیں میاں؟ اس عمر میں خوامخواہ کے جھگڑے مول مت لو جنوں کو جھونکو تندور میں اور جا کر ماں باپ کے مال و دولت کو سنبھالو۔ اس موئے جنوں کے ساتھ خود کی بینائی بھی کیونکر گنوار ہے ہو' عقل گھاس چرنے گئی ہے کیا؟ بہرحال شکل وصورت سے اچھے گھر کے لگتے ہو..... سو نصیحت کر ڈالی' ورنہ تاج بیگم کسی کی پروا نہیں کرتی۔ کرم دین کو میرا اسلام دینا اور کہنا شام میں آئے تو اس مہینے کے کھاتے کی تفصیلات لیتا آئے۔" رجت سنگھ نے سن کر سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"سنو....." وہ پلٹا جب اماں جان نے پکارا تھا' رجت سنگھ رک گیا اور پلٹ کر اماں کو دیکھا۔

"تم نے پوچھا نہیں' تمہارے متعلق کیسے خبر ہوئی؟ اور ہاں نام کیا ہے تمہارا؟" اماں جان جانے کیا سوچ کر بولیں۔ رجت سنگھ مسکرا دیا۔

"مجھے رجت سنگھ کہتے ہیں' ہر بندے کے اندر ایک تجسس کی رگ ہوتی ہے اور پرکھنے کا طریقہ اپنا ہوتا ہے' اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بلھے شاہ کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ کر کتاباں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی
ہتھ وچ پھڑ کے تلوار نام رکھ لیا غازی
کے مدینے گھوم آیا تے نام رکھ لیا حاجی
او بھلیا حاصل کی کیتا؟ جے تو رب نا کیتا راضی؟

اجازت دیجیے اماں جان۔" وہ مسکرایا اور پلٹ گیا۔ اماں جان اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ رجت سنگھ اسی خود اعتمادی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

☾.....☾.....☾

"معاملہ گمبھیر ہے نواب صاحب' لگتا ہے آپ کا خوبرو اور فطین ہونا اماں جان کو بھا گیا ہے ورنہ وہ آپ کا انتخاب کیونکر کرتیں؟" انوار الحق مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔ ان کی نظروں سے شرارت ہویدا تھی اور نواب صاحب نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

"میاں مذاق مت بناؤ' اب ایسے بھی حالات نہیں..... ہم خود پسندی کے عادی نہیں' حقیقت کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔" نواب صاحب نے کھلے لفظوں میں جتایا' انوار الحق ہنسنے لگے۔

"میاں' خوبرو تو آپ ہیں..... رہی بات آپ کے صاحب زادے کی تو ان کی وجاہت سے انکار ممکن نہیں مگر شاید اماں جان کو آپ کے صاحب زادے ایک کمزور میدان لگتے ہیں۔ شطرنج کی بساط پر جو بادشاہ کی کشش ہے وہ پیادے کی نہیں۔" انوار صاحب کے کہنے پر نواب صاحب چونکے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"ہمارے صاحب زادے نواب زادہ وقار الحق کوئی پیادہ نہیں انوار صاحب ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے بیٹے کی ہی وراثت ہے۔ اس میں کسی بھی شکوک شبے کی گنجائش نہیں۔" نواب صاحب نے کہا' انوار صاحب نے مسکراتے ہوئے ان کو دیکھا۔

"آپ جو بھی کہیں مگر وراثت کی جو اصل بات ہے وہ اماں جان کو کہیں نہ کہیں کھٹک رہی ہے مگر بات یہ بھی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ کاٹ کر چھوٹے نواب کے ہاتھ نہیں تھما سکتے۔" انوار صاحب دور کی کوڑی لائے تھے۔

نواب صاحب چونکے اور انوار صاحب کو دیکھنے لگے۔
"ہم اصل معاملات سمجھ کیوں نہیں پائے؟ کیا فقط مالی حیثیت اور مرتبے کی وجہ سے اماں جان ہمارے صاحب زادے کو رد کررہی ہیں؟ جبکہ ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے صاحب زادے کا ہی تو ہے۔" ان کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ جیسے اس سوچ پر واقعی حیران تھے۔
"اثر ورسوخ اور سماجی حیثیت ومرتبہ بہت اہم ہوا کرتا ہے نواب صاحب' جو اہمیت آپ کی ہے اس سے انکار ممکن نہیں' بات سیدھی سی ہے اور دیگر معاملات میں یہ بھی ممکن ہے کہ اماں جان اپنی عزیزہ پوتی صاحبہ سے کوئی رنجش رکھتی ہوں اور اس رنجش کے سبب وہ ایسا اقدام لینے پر مائل ہوں۔ خیر مخالفت میں لوگ بہت زیادہ قنوطی اور قطعی ہوجایا کرتے ہیں۔ یوں بھی محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔" انوار صاحب کی بات میں جیسے دم تھا' نواب صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

☾......☾......☾

درمیان میں تنی صندل کی دیوار کو تکتے ہوئے فاطمہ بی بی دوسری جانب بیٹھے وقار سے مخاطب ہوئیں۔
"ہم نہیں جانتے ہماری دادی جان ہماری پڑھائی کا یہ سلسلہ متواتر کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں' اگرچہ جو ہوا ہمیں اس بات کی امید نہیں تھی' بہرحال آپ سے التماس ہے کہ آپ غیر ضروری باتوں سے اجتناب برتیے۔ جو ہوا' اس پر ہم کوئی بحث نہیں کرسکتے' میں اس معاملے پر بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔" فاطمہ نے بردباری سے کہا تو دوسری طرف بیٹھے وقار نے سر ہلا دیا۔
"آپ کی بات سمجھتا ہوں محترمہ فاطمہ بی بی' مدعا یہی تھا کہ آپ کے نام پر کوئی حرف آتے نہیں دیکھ سکتا...... اس معاملے کو میں کسی بھی عدالت میں اٹھانے کو تیار ہوں۔" نواب زادہ وقار الحق کا لہجہ بے خوف اور نڈر تھا۔ پہرے دار ملازمین کی موجودگی میں وہ مزید بات کرنے کی خواہاں نہیں تھی سو پڑھائی کی طرف آنے کا سلسلہ جوڑا۔
"آپ نے جو سبق دیا ہے وہ حفظ کرلیا ہے آپ کو آگے کے ابواب پڑھانے کی زحمت دینا چاہوں گی۔" فاطمہ بی بی نے رکھ رکھاؤ سے کہا اور نواب زادہ نے کتاب کھول لی۔

☾......☾......☾

"کرم دین یہ لڑکا بہت پڑھا لکھا ہے؟ اسے اس کام پر رکھنے سے پہلے تم نے ہمیں مطلع کرنا ضروری خیال کیوں نہ کیا؟" اماں جان نے رجت سنگھ کے متعلق پوچھا۔
"اماں جان آپ کو مطلع کیا تھا' شاید بات آپ کے ذہن سے نکل گئی۔ مجھے وہ لڑکا حساب کے کام کے لیے مناسب لگا' بہرحال آپ جو مناسب سمجھیں وہی کریں گے۔" کرم دین نے کہا۔ اماں جان نے سر ہلا دیا۔
"یہ لڑکا کچھ عجیب ہے' نظر رکھو اس پر۔" اماں جان نے حکم نامہ جاری کیا۔ کرم دین نے سر ہلایا ساتھ ہی نرمی سے دریافت کیا۔
"کوئی گستاخی ہوگئی اس سے؟ میں کان کھینچوں گا اس کے' بیچارا ضرورت مند ہے۔ میں نے ترس کھا کر نوکری دے دی تھی۔ پڑھا لکھا ہے اور دیانت دار بھی۔ کام کے معاملے میں کوتاہی نہیں کرتا' مگر پڑھے لکھے بندوں والی سوچ ہے' باتیں زیادہ کرتا ہے' اس کی طرف سے معافی طلب کرتا ہوں۔" کرم دین نے کہا تو اماں جان نے خاموشی سے اسے دیکھا' پھر آہستگی سے بولیں۔
"پڑھے لکھے سیانے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے چوکنا ہونے کی ضرورت اضافی ہوتی ہے میاں

اور ضرورت مند کی بات تو جانے دو ہمیں تو کہیں سے ایسا ضرورت مند نہ لگا۔ اچھے قیمتی لباس زیب تن کر رکھے تھے۔ رکھ رکھاؤ بھی امرا والا تھا۔ پھر اور کون سی ضرورت آن پڑی؟" اماں جان جہاندیدہ تھیں وہ اڑتی چڑیا کے پر گن سکتی تھیں۔ کرم دین یہ بات اچھے طرح جانتا تھا سو خاموش ہوگیا۔

"بہرحال اسے حساب کے معاملات میں ہی لگا رہنے دو..... اگر کام ٹھیک سے کرتا ہے تو ہمیں اجرت دینے میں بھی کوئی ممانعت نہیں اگر محنتی ہے تو ہم بھی دیانت دار ہیں۔" اماں جان نے بات مکمل کی اور پھر دیگر معاملات کے متعلق بات چیت کرنے لگیں۔ کرم دین ان کا محتاط رویہ سمجھتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک عرصے سے کام کر رہا تھا۔ یہ رویہ ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔ جب بھی وہ کوئی نیا ملازم رکھتا تھا اماں جان اس کے متعلق باز پرس ضرور کرتی تھیں۔

☾.....☾.....☾

"ابا حضور ہم بہت شرمندہ ہیں۔ بہت بے کل سے ہوگئے ہیں' کسی طرف چین نہیں مل رہا' ہماری وجہ سے کسی کی جان پر ایسا عذاب اترا ہے' ہم اس متعلق سوچ کر ہی افسردہ ہیں مگر بہت سوچنے کے بعد بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہے۔" وقارالحق بہت مضطرب دکھائی دیئے۔ نواب صاحب نے ان کی طرف خاموشی سے دیکھا۔

"ابا حضور' فاطمہ بی بی بے قصور ہیں اور بہت بھولپن ہے ان کی فطرت میں' ہم نے جیسے کسی نوخیز پھول کو اٹھا کر تمازتوں کے دہانے پر رکھ دیا ہے۔ ہم اس پچھتاوے سے نکل نہیں پا رہے اور اس کا کوئی سدباب بھی ممکن نہیں پاتے' ان کو روز پڑھانے جانا..... ان سے بات کرنا جیسے اس پچھتاوے کو مزید بڑھاتا ہے۔ ان کا بجھا بجھا سا لہجہ ہمیں سکون نہیں لینے دیتا۔" نواب زادہ کا لہجہ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ زمان الحق نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہمیں اندازہ ہے نواب زادہ وقارالحق مگر ہم آپ کو بے قصور نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے بہرحال ایک سنگین غلطی کی ہے اور اس غلطی کا سرزد ہونا جہاں آپ کے غیر سنجیدہ رویے کی جانب اشارہ کرتا ہے وہیں آپ کا پچھتاوہ آپ کی سادگی کی طرف بھی دھیان دینے پر مجبور کرتا ہے۔ ہم اس معاملے پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اس معاملے میں ہماری بات اماں جان سے بھی ہوئی ہے' بہرحال اب اس درجہ خود کو ملامت مت کیجیے' اماں جان کی گھریلو سیاست عروج پر دکھائی دیتی ہے اور ہدف کمزور ترین ہے۔ ہمیں بھی اس معصوم دوشیزہ پر ترس آتا ہے جو ابھی ایسے معاملات کی سمجھ بوجھ بھی نہیں رکھتی اور اسے ایسے سنگین مسائل سے دوچار کردیا گیا ہے۔" نواب زادہ تاسف کا اظہار کرتے دکھائی دیئے۔ زمان الحق چپ چاپ بیٹے کو دیکھتے رہے۔ جب وہ سر اٹھا کر آہستگی سے بولے۔

"اگر وہ ہماری وجہ سے اس مشکل میں گرفتار ہوئی ہیں تو ہم ہر ممکن کوشش کر کے ان کو اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کریں گے ابا حضور..... گر ان کو بھی ان شرائط پر ایک رشتہ قبول ہو تو۔" انہوں نے نرمی سے کہا' نواب صاحب چونکے۔

"ہم نہیں جانتے نواب زادہ آپ کن شرائط کی بابت بات کر رہے ہیں مگر ہماری رائے میں رشتہ جو بھی ہو وہ شرائط سے پاک اور مبرا ہونا چاہیے' شرائط کو اٹھا کر معاہدوں کے لیے مختص کردینا چاہیے' ہم بھی مسائل کا حل چاہتے ہیں' ہم نے اماں جان سے بات کی تھی مگر وہ اس نکاح کے لیے آمادگی ظاہر کرتی نظر نہیں آتیں' ہم وجوہات نہیں سمجھ پائے مگر انہوں نے اس نکاح کے لیے ہمارا نام تجویز کیا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ بی بی کو اپنے نکاح میں لیں۔" نواب صاحب نے دھیمے لہجے میں کہا' نواب زادہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔

"ہم سمجھ نہیں پا رہے کہ اس معاملے کو کس طرح حل کرنا چاہیے۔ ایک معصوم بچی کا معاملہ ہے اس کی عزت کی بات نہ ہوتی تو ہم بھی اس معاملے میں نہ کودتے مگر معاملہ کیونکہ آپ سے جڑا ہے اور آپ کے باعث یہ سب ہوا ہے تو ہم لاپروائی نہیں برت سکتے' نہ دامن چھڑا کر لاتعلق ہوسکتے ہیں۔" نواب صاحب نے مدھم لہجے میں کہا۔

''تو پھر کیا کریں گے آپ؟'' وقار الحق نے دریافت کیا۔ نواب صاحب نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیئے تھے۔

''یہ معاملہ پیچیدہ ہوتا جارہا ہے میاں، ہم فی الحال نتائج اخذ نہیں کرپارہے، تاج بیگم اپنی نوعیت کی ایک دقیق خاتون ہیں ان کی سوچ اور ارادوں کی خبر کسی کو ہو اس میں قیاس آرائیاں ممکن نہیں لیکن تاج بیگم کے خوف سے ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اس بچی کو تنہا نہیں چھوڑا جاسکتا' کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔'' انہوں نے پُرسوچ انداز میں کہا اور وقار الحق انہیں دیکھتے رہ گئے۔

☾.....☾.....☾

تاج بیگم نے اپنے سامنے کھڑے چھوٹے نواب کو بغور دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حقے کو قریب کرکے گہرا کش لیتے ہوئے مسکرائیں۔

''کہو نواب زادہ وقار الحق کیا معاملہ ہے؟ آپ نے بات کرنے کی درخواست کی' کیا ہم مدعا جان سکتے ہیں؟'' تاج بیگم نے جانچتی نظروں سے جیسے انہیں پڑھنا چاہا' نواب زادہ نے انہیں لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا اور پھر نرمی سے گویا ہوئے۔

''ہم فاطمہ بی بی سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ جیسے ٹھان کر آئے تھے۔ سوتمہید باندھ کر وقت ضائع کرنے کی بجائے عین مدعا پر بات کرنا ضروری خیال کیا۔ تاج بیگم نے ان کی ہمت پر بغور انہیں دیکھا' پھر بولیں۔

''فاطمہ بی بی سے متعلق کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ نواب زادہ؟'' نواب زادہ چند ثانیوں تک جیسے سوچ میں غلطاں رہے تھے پھر یک دم بولے۔

''ہم فاطمہ بی بی سے نکاح کرنے کو تیار ہیں؟'' انہوں نے جیسے رکی ہوئی سانس یک دم خارج کی اور تاج بیگم نے ان کو شدید حیرت سے دیکھا' پھر حیرت کے تاثرات مسکراہٹ میں بدل گئے۔

''میاں ایسے معاملات بزرگوں کے طے کرنے کی باتیں ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی منہ زوری نہیں' ہم اس متعلق آپ سے کوئی بات مزید نہیں کرسکیں گے۔'' تاج بیگم کا لہجہ قطعی تھا۔

''لیکن تاج بیگم.....'' نواب زادہ نے بولنے کا ارادہ کیا کہ تاج بیگم نے ہاتھ اٹھا کر ان کو روک دیا۔

''اس معاملے پر آپ کے والد محترم سے بات ہوچکی ہے' اس پر مزید بات نہیں ہوسکتی میاں۔ ہم اصولوں کے قائل ہیں اور اصولوں سے ہٹ کر کسی بات کو ضروری نہیں سمجھتے۔'' دادی جان نے قطعی انداز اختیار کیا۔

''مگر آپ کے ان اصولوں سے کہیں قیمتی کسی کی زندگی ہے تاج بیگم۔ گستاخی معاف..... ہم بے ادبی کے مرتکب ہورہے ہیں تو معذرت چاہتے ہیں مگر اصول انسان کی زندگی سے بڑے نہیں ہوتے' اصول انسان بناتا ہے' اصول انسان کو نہیں بناتے' کسی بھی قانون میں' شق میں ترمیم ممکن ہے' تبدیلی کی گنجائش باقی رہتی ہے' اس پر دو رائے قطعی واقع نہیں ہوتیں۔'' نواب زادہ نے دلیل دی اور تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے انتہائی دلچسپی سے نواب زادہ کو دیکھا۔

''نواب زادہ آپ کے دلائل مضبوط ہیں' سن کر خوشی ہوئی' قانون کی تعلیم آپ کو آگے بڑھنے میں خوب مدد دے گی' مگر زندگی ان قوانین سے کچھ سوا ہے' ہم باریکیوں کو سمجھتے ہیں' ہم کسی زندگی کو تختہ مشق نہیں بنا رہے' فاطمہ بی بی' ہمیں بھی اسی قدر عزیز ہیں تبھی ہم نے ان کی تعلیم میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیا۔ وہ بے خوف وخطر بنا کسی خلل کے واقع ہوئے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں' رہی ان کی زندگی کے فیصلے کی بات تو اس کے لیے ہم کسی سے رائے لینے کے پابند نہیں۔ ہم وہی کریں گے جو ہمیں مناسب لگے گا۔'' تاج بیگم نے جتایا۔ نواب زادہ ان کو دیکھتے رہ گئے' تاج بیگم کا

انداز جیسے قطعی تھا وہ مزید اس موضوع پر بات چیت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ سو نواب زادہ نے مزید کچھ کہنا ضروری خیال نہیں کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاج بیگم نے انہیں دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

''ہمارے فیصلے سے آپ کے ابا جان محترم واقف ہیں اور ہم اس میں کوئی ترمیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔'' اماں جان نے مضبوط لہجے میں جتایا۔ نواب زادہ وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

☾......☾......☾

فاطمہ ہاتھ پھیلائے اپنی ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھ رہی تھیں جب سخاوت بیگم ان کے پاس آن بیٹھیں۔

''کیا ہوا فاطمہ بچی...... اس طرح ہتھیلیاں پھیلائے کیا جانچ رہی ہیں آپ؟'' سخاوت بیگم کا لہجہ بتا رہا تھا کہ ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ بیٹی کی اداسی دیکھی نہ جا رہی تھی۔ فاطمہ نے ان کی طرف دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔

''ہم ٹھیک ہیں امی جان' فکر کی کوئی بات نہیں اور رہی بات ہتھیلیوں کی لکیروں کی تو ان کا کوئی مطلب نہیں' اگر کوئی مطلب یا معنی ہے بھی تو ہم اس سے واقفیت نہیں رکھتے' سو ہمارے لیے یہ محض لکیریں ہیں۔ ویسے آپ کی رائے میں ان لکیروں کا کوئی مطلب ہوتا بھی ہے؟ لکیروں کو کاغذ پر کھینچوں یا ریت پر یا دو لکیریں ہاتھ پر قدرت نے بنا دیں ان کے معنی سمجھنا آسان نہ ہوگا کیونکہ ہر عقل اپنی استطاعت کے مطابق ان لکیروں کے معنی ڈھونڈے گی' اور قیاس آرائیاں کرے گی' اندازے غلط یا درست ہو سکتے ہیں ان کے بارے میں آرا ہمیشہ متضاد رہیں گے۔ بہر حال اللہ کے سوا ان لکیروں کا مطلب کوئی نہیں جانتا...... سو ہم اپنی مٹھی بند کیے لیتے ہیں۔'' فاطمہ نے کہہ کر اپنی کھلی ہتھیلی کو دیکھا اور مٹھی بند کر لی۔ سخاوت بیگم نے اپنا ہاتھ ان کی بند مٹھی پر رکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر آہستگی سے گرے۔

''کاش ہم آپ کے لیے کچھ کرنے کی استطاعت رکھتے۔ اماں جان نے گھریلو حکمرانی کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کے سامنے ہم کیا زبان کھولیں؟ جب کہ خود آپ کے ابا جان بھی کچھ بولنا گوارہ نہیں کر رہے' آواز آپ کے ابا جان کو اٹھانا چاہیے' بھائی تو آپ کے بیرون ممالک مقیم ہیں ان کے کان تک تو بات گئی نہیں' انہیں خبر ہی نہیں ان کی ماں جائی کیسے حالات سے گزر رہی ہے۔'' امی جان دکھی ہوئیں' فاطمہ نے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا۔

''امی جان ہم کسی سے کوئی شکوہ نہیں رکھتے' دادی جان کا اپنا ایک مزاج ہے اس پر بھی نکتہ چینی ممکن نہیں' اور ابا جان......'' فاطمہ کی آواز بھر آگئی اور وہ خاموش ہو گئی تھیں سخاوت بیگم بے حد رنجیدہ دکھائی دیں۔

''محض پڑھنے کی ایسی سزا؟ ایسی بدنامی کر ڈالی اماں جان نے...... اللہ غارت کرے گا انہیں......'' سخاوت بیگم نے کوئی مروت رکھے بنا کہا۔

''امی جان' انسان جو کرتا ہے اس کے لیے ہم اسے مورد الزام کیوں ٹھہرائیں؟ دادی جان نے جو کہا وہ ایک عمل کا ردعمل ہے' خطا تو دراصل ہم سے ہوئی ہے اگر ہم سے ایسی غلطی سرزد نہ ہوتی تو کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ہم نے اس معاملے کو اٹھانے کا موقع خود دیا ہے۔ وقت کی ڈور کھینچ کر ہم نے تحمل خود ڈالے ہیں' یہ پیچیدگیاں ہماری خود کی منتخب کردہ ہیں۔ یہ ہماری قسمت میں تھا۔ ہم نے کنویں اور کھائی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا' یہ ہمارا نصیب تھا۔'' وہ مصلحتوں کے پیش نظر مدھم لہجے میں بولیں۔ سخاوت بیگم نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر لبوں سے لگایا اور بھیگی آنکھوں سے فاطمہ کا چہرہ دیکھا۔

''تم ایک بے داغ چاند ہو میری بچی' زمانہ چاند پر تھوک دے تو چاند داغدار نہیں ہوتا۔ وہی تھوک ان کے منہ پر واپس آن گرتا ہے' جو غلط کر رہا ہے' سے۔ بہر حال اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔'' سخاوت بیگم نے تاج بیگم کو کوسا۔ فاطمہ ان کو دیکھتی رہ گئیں۔

☾......☾......☾

”آؤ بیٹھو میاں! ضروری بات کرنا ہے تم سے۔“ اماں جان نے خواجہ صاحب کو بلوا بھیجا تھا۔ وہ جو خاموش کھڑے تھے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ تب اماں جان نے ان کی طرف دیکھا۔

”ایک ضروری بات کرنا تھی آپ سے؟“ اماں جان نے مدعا اٹھایا۔ جب خواجہ صاحب آہستگی سے گویا ہوئے۔

”ایک بات ہمیں بھی آپ سے کرنا ہے اماں جان۔ گستاخی معاف..... آپ کے حکم کے خلاف جانے کا ارادہ نہیں کرتے..... آپ ہماری جنت ہیں اور ہم دنیا اور آخرت خراب نہیں کرسکتے۔ آپ کا بہت احترام واجب ہے ہم پر ہماری جنت ہیں آپ..... مگر ہم فاطمہ کے متعلق بات کرنا چاہتے تھے۔“ خواجہ صاحب نے نرمی سے مدعا بیان کیا۔ تاج بیگم جو مسکرا رہی تھیں انہوں نے لب بھینچ لیے اور خاموش ہوکر خواجہ ناظم الدین کی سمت دیکھنے لگیں۔

”ہم آپ کے خلاف جارہے ہیں ایسا مت سوچیے گا ہم ایسا کبھی نہیں کرسکتے مگر فاطمہ کے متعلق اتنا کہنا چاہیں گے کہ ایک معصوم بچی ہے برائے کرم اس کے متعلق کوئی فیصلہ لینے سے قبل ایک بار نظرثانی کرلیجیے گا۔ غلطیاں بچوں سے ہی سرزد ہوتی ہیں فاطمہ ابھی کم عمر اور کم سن ہے اور پڑھائی اس کا جنون ہے وہ پڑھنا چاہتی ہے ہم سب اس بات سے واقف ہیں۔ اماں جان وہ اور دور تھا جب لڑکیوں کے پڑھنے کو برا سمجھا جاتا تھا پڑھنا معیوب نہیں ہے نا جرم ہے سو ہم پڑھنے کی اس خواہش کو کسی جرم کے خانے میں نہیں رکھ سکتے۔“ خواجہ صاحب کہہ رہے تھے جب کہ اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو مزید بولنے سے روکا اور خشمگیں نظروں سے ان کی سمت تکتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”میاں جوتیاں ہی مارنا ہیں تو ٹھونک بجا کر مارو تاکہ لوگوں کو بھی خبر ہو کہ خواجہ ناظم الدین جس کی پرورش ایک ماں نے تن تنہا کی اس نے ماں کی اس محنت کا کیا اجر دیا؟ تینوں صاحب زادوں میں ہمیں آپ پر ناز تھا خواجہ ناظم الدین مگر آپ نے بھی وہ مان توڑ دیا..... کیا صلہ دیا آپ نے ہماری تعلیم و تربیت کا؟ ہم پڑھائی کے خلاف ہوتے تو پڑھنے کو آپ کو ولایت کیوں بھجواتے؟ وہ ہم ہی تو تھے جنہوں نے آپ کے لیے راہ کھولی تھی۔ آپ کی پرورش پڑھائی لکھائی کے اخراجات..... ولایت کی پڑھائی..... سب کا بوجھ ہمارے ہی کاندھوں پر تھا اور ایک آپ ہی کہاں تھے ایک بیوہ نے تین تین بیٹوں کی پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر سچ کہتے ہیں ماں کوئی تفریق نہیں رکھتی کوئی تفریق نہیں کرسکتی مگر اولاد ایسی تفریق ہی کیا ہر رویہ روا رکھتی ہے۔ بیٹا منہ کی مٹھاس اندر کی کڑواہٹ کو چاشنی میں نہیں بدل سکتی۔ عقل ہے ہم میں..... باتیں سمجھ آتی ہیں ہمیں علم ہورہا ہے کیا زہر گھل رہا ہے آپ کی رگوں میں بیٹی سے ہونے والے سلوک کی پروا ہے آپ کو دشمن لگتی ہوں ناں میں خوامخواہ کی مخالفت کررہی ہوں ناں ایسا ہی سمجھتے ہو ناں تم؟ فاطمہ کو بدنام کررہی ہوں اس کی نیک نامی پر کیچڑ اچھال رہی ہوں ایسا ہی لگتا ہے ناں تمہیں تو بیٹا ہم نے کب مشورہ دیا تھا آپ کی صاحب زادی کو کہ جا کر خلوت میں کسی پرائے مرد سے ملے۔ کیا ہم نے روانہ کیا تھا انہیں؟ گھر میں پڑھائی کو بھی تو ہم نے ممکن بنایا ناں..... یہ نیک نیتی تو دکھائی نہ دی آپ کو اور جونکتہ ہم نے ان کے تنہا کسی غیر مرد سے ملاقات پر اٹھایا اس پر فوراً اعتراض ہوگیا آپ کو..... کہیے کیا ہم غلط ہیں؟ اس اقدام پر ہم نے اکسایا ان کو کیا قصور ہمارا تھا؟ عقل گھاس چرنے گئی تھی ان کی محترمہ فاطمہ محمد علی جناح سے متاثر تھیں ناں وہ کیا یہ تعلیمات ہیں فاطمہ جناح کی؟ تحریک میں حصہ ڈالنا چاہتی تھیں ناں ایسے بڑے عزائم رکھنے والے ایسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں؟“ اماں جان نے خوب لتے لیے۔ خواجہ ناظم الدین کچھ بولنے کے قابل نہ رہے۔ سر جھکائے خاموشی سے سنتے رہے۔

”خواجہ ناظم الدین میں دشمن نہیں ہوں تمہاری نا تمہاری اولاد کی میں نے کبھی کسی معاملے میں مخالفت نہیں کی مگر جو غلط ہے سو ہے میں خیر خواہ ہوں نیکی کررہی ہوں ایسی بدنامی کے باعث کون قبولے گا اس لڑکی کو؟ عزت دو کوڑی کی کردی بات تو کہتی ہے مجھے زبان سے نکالو میں اسے محلے سے نکالتی ہوں۔ سو معاملہ وہ ہے کہ اب بات زبان سے نکل کر ہر

طرف پھیل چکی ہے۔ لوگ منہ جوڑ جوڑ کر باتیں کررہے ہیں۔ کیا بتلائیں ہم ان کو..... کس کس کا منہ بند کریں؟" اماں جان کھینچ کر اہم نکتہ نکال لائیں۔ وہ نکتہ جس کو سن کر خواجہ ناظم الدین کی رگیں غصے سے تن گئیں۔ وہ اٹھے اور خاموشی سے وہاں سے نکل گئے۔ اماں جان خاموشی سے انہیں دیکھتی رہیں۔ ان کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون دکھائی دیا تھا۔

☾.....☾.....☾

نواب زادہ نے درمیان موجود صندل کی اس دیوار کو دیکھا پھر آہستگی سے گویا ہوئے۔

"ہم آپ سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں فاطمہ' کیا کچھ وقت تخلیہ کا مل سکتا ہے؟" دوسری طرف فاطمہ کا چہرہ خوف سے بھر گیا۔

"نواب زادہ ہم پڑھنا نہیں چاہتے برائے کرم آپ دوبارہ یہاں مت آئیے گا۔" فاطمہ نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ نواب زادہ ان سے ایسی بات کی توقع نہیں رکھتے تھے سو چونک پڑے۔

"ہم آپ کے خیر خواہ ہیں فاطمہ..... آپ ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہیں؟" نواب زادہ نے نرم خوئی سے کہا۔

"ہم کیا سوچتے ہیں' اس کی پروا آپ کو نہیں ہونا چاہیے' جو بدنامی ہوئی ہے وہ ایک اچھا سبق ہے' ہم اور بدنامی نہیں چاہتے۔ برائے کرم ایسی خیر خواہی متروک کیجیے' جو ہوا وہی کافی ہے' ہم مزید ایسا کچھ جھیل نہیں پائیں گے..... بہتر ہوگا اس تعلیم کے سلسلے کو ہی بند کردیا جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ تعلیم کے حصول کی خواہش نے رسوا کردیا ہمیں۔" فاطمہ بنالازمین کی پروا کرتے ہوئے بھرپور احتجاج کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔ نواب زادہ شرمندہ دکھائی دے رہے تھے۔

"فاطمہ بی بی ہم پہلے ہی پچھتاوے کا شکار ہیں۔ بخدا اس پچھتاوے کو مزید مت بڑھایئے۔ ٹھیک ہے ہم اس معاملے پر کوئی بات نہیں کرتے مگر آپ وعدہ لیجیے آپ اپنی پڑھائی کے سلسلے میں کوئی خلل واقع ہونے نہیں دیں گی۔" نواب زادہ نے مصلحت کے تحت کہا۔ دوسری طرف فاطمہ نے خاموشی سادھ لی۔ نواب زادہ کو اطمینان محسوس ہوا۔

"معذرت چاہتے ہیں' ہماری بات آپ کی دل آزاری کا باعث بنی۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جو کوئی سن رہا ہے وہ سن لے کہ آپ کا دامن شفاف اور پاک ہے۔ آپ کی پاک دامنی پر کوئی داغ نہیں لگا۔ اس روز خلوت میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جس کے باعث آپ کو نگاہ جھکانا پڑے۔ ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے اور اس خواہش کا اظہار ہماری جانب سے ہوا تھا مگر آپ کی رسوائی کا کوئی ارادہ نہ تھا' ہمیں افسوس ہے ہمارا ایک اقدام آپ کی بدنامی کا باعث بنا' اگر اس کا کوئی سدباب ہوتو ہم ضرور ایسا کرنا چاہیں گے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے لیکن فاطمہ بی بی نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

☾.....☾.....☾

"کیا ارادہ ہے میاں توقیر؟" اماں جان نے ریسیور کان سے لگائے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ دوسری طرف توقیر مسکرا دیے۔

"اماں جان ہمارے ارادے کی تو جانے دیجیے' ہم تو آپ کے حکم کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ آپ حکم صادر کریں گی ہم سر جھکادیں گے۔" توقیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو دوسری طرف اماں جان ہنس دیں۔

"آپ راہ راہ دم کھیت کھیت..... میاں ایسے سیدھے بھی نہ بنو جانتے ہو تمہاری اماں جان جب مدعا کہتی ہیں تو اس کا لب لباب کیا ہوتا ہے۔" اماں جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم تو دشمن سے بھی بنا کر رکھتے ہیں۔ کہیں ان کی ضرورت نہ آن پڑے۔ ہماری مثل تو وہ ہے کہ..... خیر جانے دو' کہو معاملہ کیا ہے؟ اہلیہ اور بچوں کی کہو..... ایسا کرو..... ریحان میاں کو لے کر یہاں آجاؤ۔" اماں نے کہا تو توقیر صاحب مسکرائے۔

"اماں جان کیا اس کو ہاں سمجھوں؟" توقیر صاحب کا دل بلیوں اچھلا۔ اماں جان نے ڈپٹا۔
"تھوڑے کو کم جاننا سیکھو میاں! فی الحال جتنا کہہ رہے ہیں وہ کرو اس سے آگے کی مت سوچو۔" اماں جان نے کہا تو توقیر صاحب نے دوسری طرف سر ہلا دیا۔
"تشکرات اماں جان! ہم آپ کے مزاج سے خوب واقف ہیں۔ ٹھیک ہے ہم آجاتے ہیں آپ کے حضور حاضری دینے آگے آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔" توقیر میاں نے کہا تو اماں جان نے اطمینان سے ریسیور ملازمہ کو پکڑا دیا جسے ملازمہ نے ٹیبل پر رکھے فون پر ٹکا دیا تھا۔
"اماں جان حقہ تازہ کرلاؤں کیا؟" ملازمہ نے دریافت کیا۔ اماں نے مسکراتے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔

☾.....☾.....☾

"کیسے والد ہیں آپ بیٹی کا ساتھ نہیں دے رہے؟ بیٹی مشکل میں ہے اور آپ کو اپنی اماں جان سے محبت کا بخار چڑھا ہے۔ جنت کی فکر کررہے ہیں آپ اپنی اولاد کی نہیں اولاد کی فکر کیا کوئی باہر سے آکر کرے گا؟" سخاوت بیگم نے موقع ملتے ہی شوہر نامدار کی خبر لی۔ خواجہ صاحب سر جھکائے دستاویزات دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم غصے سے لال پیلی ہوتی رہیں۔
"ایسے کیسے کان لپیٹے ہیں آپ نے..... آپ سے بات کررہی ہوں فاطمہ بی بی کے والد محترم آپ ہی ہیں ناں؟" سخاوت بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔ خواجہ صاحب نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر زوجہ کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔
"بیگم ہم نے اماں جان سے بات کی تھی۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔
"فقط بات ہی کی تھی ناں کوئی حل تو نہیں نکالا ناں؟" سخاوت بیگم نے گھرکا۔ خواجہ صاحب نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ تب سخاوت بیگم ان کے سامنے بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔
"خواجہ صاحب اگر میری صاحب زادی کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو دیکھیے گا کیا نتائج نکلتے ہیں۔ خود پر تیل چھڑک کر آگ لگالوں گی میں۔ اپنی اولاد کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی۔ اس سے قبل مرنا گوارہ ہے۔" سخاوت بیگم کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور زوجہ کی سمت دیکھا۔
"بیگم یہ وقت جذبات سے کام لینے کا نہیں..... ہم اس معاملے پر سوچ بچار کررہے ہیں کوشش کررہے ہیں کوئی مناسب حل ہاتھ لگ جائے۔ آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں ماں ہونے کے ناطے آپ کے جذبات گراں قدر ہیں مگر بیگم یہ وقت عقل و خرد سے کام لینے کا ہے۔" خواجہ صاحب نے پُرسکون انداز میں کہا۔
"ارے اور کتنا پُرسکون رہیں گے آپ؟ آپ کو ماں سے محبت کی پڑی ہے ان کے احترام کی فکر ہے مگر بیٹی کی کچھ فکر نہیں ارے وہ آپ کے سامنے میٹھی بن رہی ہیں اور گہری چال چل رہی ہیں۔ یہ تمام کھیل انہی کا رچایا ہوا ہے۔" سخاوت بیگم نے کھل کر الزام لگایا۔ خواجہ صاحب نے دستاویزات سنبھال کر ایک طرف رکھ دیئے۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا اماں جان نے فاطمہ کو ان نوجوان سے اس طور خلوت میں ملنے کا کھیل رچایا تھا کیا یہ ان کا منصوبہ تھا؟" خواجہ صاحب نے پُرسکون انداز میں پوچھا۔ سخاوت بیگم نے سر نفی میں ہلایا۔
"ایسا نہیں ہوا خواجہ صاحب آپ کی اماں تو بے قصور ثابت ہوگئیں آپ کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی ہے کچھ دکھائی ہی کہاں دیتا ہے آپ کو؟ بے کار میں آپ سے بات کرڈالی۔ دماغ میں خلل واقع ہوا ہے ہمارے۔ فراموش کردیجیے۔" سخاوت بیگم نے غصے سے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ خواجہ صاحب خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔ بالائی منزل پر کھڑی اماں جان بہت دیر سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کانوں نے سب سنا تھا مگر اس کے باوجود وہ بہت اطمینان سے مسکرا رہی تھیں۔

اماں جان کا رویہ سخاوت بیگم کی سمجھ سے بالاتر تھا' وہ بظاہر میٹھی بنی ہوئی تھیں' کوئی مخالفت براہ راست مول لیتے ہوئے بھی وہ عداوت رکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ ابھی بھی وہ جو کررہی تھیں سو کررہی تھیں مگر وہ خود کو خیر خواہ جتارہی تھیں۔

''مرض کے لیے کبھی کبھی کڑوی دوا کھانا پڑتی ہے سخاوت بیگم' دیکھو میں فاطمہ بی بی کی پڑھائی کے خلاف نہیں' تم سب نے دیکھا کہ چھوٹے نواب جوں کے توں پڑھانے آرہے ہیں اور فاطمہ بی بی کی پڑھائی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ فاطمہ اس گھر کی بچی ہے' ہم بھی چاہتے ہیں کہ وہ کسی قابل بنیں آخر کو نام تو اسی خاندان کا روشن ہوگا ناں مگر کیا کریں کہ جو بھی وابستگی یا نا وابستگی میں ہو وہ خاندان کی عزت کو مٹی میں ملانے کی لیے کافی ہے' چلو مان لیا' ہم فاطمہ بچی کی پاک دامنی پر اعتبار کر بھی لیں مگر کس کس کا منہ بند کریں گے' کس کس کو یقین دلائیں گے کہ فاطمہ بے قصور ہے؟ سو بہتر یہی ہے کہ جو ہورہا ہے اسے ہوجانے دیں۔ اگر عزت سے معاملہ نبٹ سکتا ہے تو اس سے اچھی بات ہو نہیں سکتی۔'' اماں جان نے سمجھایا تو سخاوت کا خون ابلنے لگا۔

''اماں جان فاطمہ کم سن ہیں' ان پر ایسے الزامات لگانا اور ان کی حرمت پر شک کرنا شرمناک اقدام ہے' ہمیں اپنی بیٹی پر بھروسہ ہے اور اس سے بال برابر فرق نہیں پڑتا کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ بھاڑ میں جائے ایسا زمانہ..... ہمیں فکر ہے تو اپنی صاحب زادی کی' زمانے کو آگ میں جھونکنا ہے کیا؟ فاطمہ کا دامن پاک تھا اور رہے گا..... ان کی تربیت ہم نے کی ہے' وہ ایسا کوئی گرا ہوا کام نہیں کرسکتیں..... کسی سے ملاقات کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ خلوت میں وہی ہوا جس کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔'' سخاوت بیگم برہم دکھائی دیں۔ تاج بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں مزید بولنے سے باز رکھا۔

''دیکھو سخاوت بی بی مٹی ڈالو جو ہوا سو ہوا..... اب بولتے کا کوئی منہ بند کرسکتا ہے کیا؟ سیانے کہہ گئے ہیں مارتے کا ہاتھ روکا جاسکتا ہے بولتے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔ بس کس کس کا منہ بند کریں گی آپ؟ خلوت جلوت کی بات جانے دیں' ایسے معاملات زیر بحث آنے سے فاطمہ باکردار ثابت نہیں ہوجائیں گی۔ گھر سے قدم نکالنا ان کی غلطی بہرحال تھی اور اب جن لوگوں نے انہیں کسی سے ملاقات کرتے دیکھا وہ تو منہ جوڑ کر باتیں کریں گے ناں اب کوئی کسی کے دل میں گھس کر تھوڑا نہ بیٹھا ہوا ہے کہ نیت کی خبر ہو' زمانہ تو ایسا ہی ہے بھیا..... درانتی کے دندانے ایک طرف ہوتے ہیں اور دنیا کے دونوں طرف..... عزت چلی جائے تو واپس نہیں آتی۔ اپنی پارسائی ثابت کرنے کا ارادہ ترک کردینا چاہیے کیونکہ آپ ایسی وضاحتوں سے بے قصور ثابت نہیں کرسکتیں کیونکہ ہر دماغ کے سوچنے کا ڈھنگ اپنا ہے' خیر بحث طویل ہوجائے گی' سیدھی بات یہ ہے کہ جو ہوا سو ہوا' اب اس واقعے سے کچھ باہر نہیں نکلے گا' فاطمہ بی بی کی بے گناہی ثابت نہ ہوگی' جو ہوچکا ہے اس کا ازالہ کچھ نہیں' بہتر یہی ہوگا کہ جو رشتہ مل رہا ہے نکاح کردیا جائے۔'' اماں جان دور کی کوڑی لائیں جیسے' سخاوت بیگم ان کو دیکھتی رہ گئیں' وہ اماں جان سے الجھنا نہیں چاہتی تھیں مگر اپنی دختر کا معاملہ سلجھا بھی نہیں سکی تھیں۔ اماں جان نے بہت مہارت سے جال بچھایا تھا' جان بوجھ کر ایسی صورت حال پیدا کی تھی کہ رشتہ کرتے ہی بنے۔ دوسرے معنوں میں اماں جان کھل کر اپنی پوتی سے مخالفت کرتی دکھائی دے رہی تھیں مگر دوسری طرف ہمدردی بھی جتارہی تھیں۔ یہ گھریلو سیاست تھی' اور ایسی سیاست کے لیے کسی درس گاہ کی سند کی ضرورت نہیں پڑتی' گھریلو عورتیں جو سیاست کرتی ہیں وہ کابینہ چلانے والے دماغ بھی نہیں کرسکتے۔ سخاوت بیگم ساس کا مزاج جانتی تھیں سو چپکے سے منہ لپیٹ کر اٹھ گئیں۔ اماں جان مسکراتے ہوئے حقے کے کش لینے لگی تھیں۔

''تاج بیگم سے کوئی نہیں ٹکرا سکتا' سخاوت بی بی' سیانے کہہ گئے ہیں' سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں لیتے اور تمہاری

دختر نیک سے یہی غلطی ہوئی......اب دیکھتی ہوں کیسے بڑے خواب دیکھتی ہیں محترمہ اور کیسے سیاسی لیڈر بنتی ہیں۔ تاج بیگم نے زمانے کو پڑھایا ہے ایسی سیاست کو تو میں چٹکی سے مسل دوں' کتابیں گھول کر نہیں پیں مگر پھر بھی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی ہوں۔" تاج بیگم مسکرائیں۔

☾......☾......☾

نواب زادہ بہت افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے جب جنت بی بی ان سے ملاقات کو آئیں۔

"آپ کسی معاملے میں الجھے دکھائی دیتے ہیں چھوٹے نواب کیا ہم جان سکتے ہیں کہ مدعا کیا ہے؟" جنت بی بی نے دریافت کیا۔ ان کا نرم لہجہ ہمدردی سے زیادہ فکر ظاہر کررہا تھا مگر نواب زادے نے سرنفی میں ہلا دیا۔

"معاملہ ایسا دقیق ہے کہ آپ ہم سے اس متعلق کوئی بات کرنا نہیں چاہتے؟" جنت بی بی نے ان کو جانچنے کی کوشش کی۔ نواب زادہ نے سرنفی میں ہلایا۔

"ہم پریشان نہیں ہیں جنت......آپ یہاں کسی خاص معاملے پر بات کرنے آئی تھیں' اچانک ملاقات کا خیال کیونکر آیا؟" جنت ابا حضور کے قریبی دوست کی بیٹی تھیں سوان کو بچپن سے جانتی تھیں۔ ان کا آنا جانا اس گھر میں اپنے بچپن سے تھا۔ حتیٰ کہ جب نواب زادہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک جارہے تھے تب جنت بی بی نے بھی بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور انوار الحق چونکہ امرائیں شمار ہوتے تھے سوان کے لیے اس میں کوئی دقت نہ تھی کہ وہ بیٹی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو رد کردیتے۔ سوانہوں نے قانون کی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں حاصل کی اور چھوٹے نواب کی ہمراہی میں کی تھی اور ہندوستان واپس لوٹ کر مسلم لیگ میں شمولیت بھی انہی کی تقلید میں کی تھی۔ ان کے درمیان جو تعلق تھا فی الحال کوئی نام نہ رکھتا تھا مگر یہ بات واضح تھی کہ وہ تعلق خاص حوالہ رکھتا تھا اور نواب صاحب کے قریبی دوست بھی ان دونوں بچوں کے درمیان رشتہ جوڑنے کی خواہش کا اظہار کئی بار کرچکے تھے۔

"نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں' ہمیں جانے کیوں محسوس ہورہا تھا کہ آپ کچھ الجھن کا شکار ہیں اگرچہ کچھ دنوں سے آپ سے ملنا بھی ممکن نہیں ہوا مگر ہم اس دوران شب بیداری کا شکار رہے۔" جنت بی بی بولیں تو نواب زادہ وقار الحق مسکرادیئے۔

"محترمہ یہ کیا بات کہہ دی آپ نے' ہماری الجھنوں کا آپ کی شب بیداری سے کیا تعلق۔ بائے دی وے کیا آپ کسی الجھن کا شکار رہی ہیں؟" وقار نے پوچھا' جنت نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"ایسا ضروری نہیں کہ ہم کسی الجھن کا شکار ہوں تبھی سونہ پائیں' ایسا بھی تو ممکن ہے کہ آپ کی الجھنوں کے باعث نیند ہماری آنکھوں سے دور بھاگ گئی ہو۔" جنت نے مسکراتے ہوئے کہا' وقار نے ان کی سمت دیکھا اور مسکرادیئے۔

"ذہین دوشیزہ سے محبت ہونا بھی باعث نقصان بن سکتا ہے' کئی راز ان کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔" وقار مسکرائے' جنت نگاہ جھکا گئی' ان کے چہرے پر حیاء کے رنگ واضح دکھائی دے رہے تھے۔ وقار ان کے چہرے کو بغور دیکھنے لگے پھر آہستگی سے بولے۔

"ہم نے غور نہیں کیا جنت' آپ کی دراز پلکوں کا رقص آپ کے رخساروں پر بہت بھلا لگتا ہے' شاید ہم اس عمل کو دیکھنے کے لیے ایک عمر تمام کرسکتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس سے قبل ہم نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ آپ کی مسکراہٹ کیسی دلکشی رکھتی ہے یا آپ کی پلکوں کی یہ لرزش اپنے اندر کیسا اسرار رکھتی ہے۔" وقار مدھم لہجے میں گویا ہوئے اور جنت جھینپ کر نگاہ پھیر گئیں پھر قدرے توقف سے گویا ہوئیں۔

"کیا آپ اپنے ابا حضور کے باعث پریشان ہیں؟ ابا اماں جان سے تذکرہ کررہے تھے کہ کوئی نکاح کا معاملہ زیرغور

ہے۔ ہم سننا تو نہیں چاہتے تھے مگر بات کانوں میں پڑ گئی تو ہم پوچھے بنا نہیں رہ سکے۔ معذرت چاہتے ہیں مگر جو تعلق دلوں میں باہم ہے اگر وہ کوئی معنی رکھتا ہے تو ہم آپ کے نجی معاملات کے متعلق بات کرسکتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ہم متجسس ہیں بلکہ اس لیے کہ ہمیں آپ کی فکر ہے' کیا واقعی ایسا کوئی تذکرہ اس گھر میں موضوع بحث آیا ہے؟ ہمیں حیرت ہوئی کیونکہ آپ کی اماں حضور کی وفات کے بعد چچا جان نے کبھی اس متعلق نہیں سوچا۔" جنت بولیں تو وقار لب بھینچ گئے۔ ان کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ وہ جیسے شدید ذہنی کشمکش کا شکار دکھائی دیے تھے۔

"کیا ہوا وقار الحق...... کیا واقعی ایسا ہے کہ چچا جان دوسرا نکاح کرنے کے خواہش مند ہیں؟" جنت نے کہا اور وقار الحق نے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا تھا۔

"جنت ہم اس معاملے پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتے...... کیا ہم کوئی اور بات کرسکتے ہیں؟" وقار مروت سے لپٹے لہجے میں گویا ہوئے اور ان کا انداز سرد تھا' وہ مدھم لہجے میں بولیں۔

"معذرت چاہتے ہیں' ہم مخل ہوئے' بہرحال' ہم مسلم لیگ کے ایک جلسے کے متعلق بات کرنے آئے تھے اگر آپ کے پاس وقت ہو تو دفتر فون کرکے معاملات طے کرلیجیے گا۔" جنت کہہ کر سرعت سے وہاں سے نکل گئیں۔ وقار اتنی الجھن میں تھے کہ انہوں نے پلٹ کر جنت بی بی کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ شدید حیرت میں مبتلا تھے کہ ابا حضور نے اگر کوئی فیصلہ لے لیا ہے تو اس کی خبر ان کو کیوں نہیں ہونے دی۔

☾......☾......☾

فاطمہ نے دادی جان کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ۔" دادی جان اخذ کیے بیٹھی تھیں کہ وہاں کوئی ملازمہ ہے کیونکہ یہ وقت ان کے آرام کا تھا اور ان کی ملازمہ خاص کے علاوہ ان کے کمرے میں اس دوران کوئی نہیں آسکتا تھا۔

فاطمہ کے ہاتھ کپکپا رہے تھے مگر وہ جیسے ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھیں تو خود کو سنبھالی کھڑی تھیں سو ہمت کرکے قدم کھلے دروازے کے اندر رکھ دیے تھے۔ دادی جان نے گردن گھما کر دیکھا اور فاطمہ بی بی کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا معاملہ ہے فاطمہ بی بی' خیریت...... آج آپ نے حاضری دینا ضروری کیوں خیال کرلیا؟" تاج بیگم کا لہجہ زہر خند تھا مگر فاطمہ جواباً کچھ نہیں بولیں۔ خشک لبوں پر زبان پھیری' تاج بیگم جہاندیدہ تھیں اتنا تو وہ جان گئی تھیں کہ فاطمہ بی بی کسی خاص وجہ کو لے کر ان کے حضور حاضر ہوئی ہیں۔

"بولیے کیا مدعا ہے...... پڑھائی کے معاملے کو لے کر کوئی مشکل آن پڑی ہے؟ ہم آپ کے استاد کے کان کھینچیں گے یا سرے سے استاد ہی بدل دیں گے۔ تاج بیگم کی بات چلتی ہے' کیسے ممکن ہے کہ ہم کسی سے آپ کو پڑھانے کی درخواست کریں اور وہ انکار کرے؟" وہ مسکرائیں۔ فاطمہ کچھ کہہ نہ پائی۔ خاموشی سے کھڑی رہیں۔ تاج بیگم نے بغور ان کو سرتاپا دیکھا۔

"بڑی قابل فخر پوتی ہیں آپ فاطمہ بی بی آپ ضرور اس خاندان کا نام بہت روشن کرنے کے ارادے رکھتی ہیں مگر یہ الگ بات ہے کہ وہ عزائم خواجہ خاندان کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ بڑی داد دینا پڑے گی آپ کی ہمت کی...... اب بھی سرتن کر کھڑی ہیں آپ...... بہرحال پڑھائی کا حال کیا ہے اور حوالے کہاں تک پہنچے یہ تو معاملات ابھی کھلے نہیں مگر خاندان پر انگلیاں اٹھانے والوں نے بتادیا ہے کہ آپ کیسے کارنامے کرنے کا ہنر رکھتی ہیں۔" انہوں نے طنز کی حد ختم کردی تھی۔ فاطمہ سر جھکا گئی تھیں۔ پھر نرمی سے گویا ہوئیں۔

''معذرت چاہتے ہیں دادی جان! ہم خاندان کے وقار کے منافی کچھ روا نہیں رکھ سکتے' ہم سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے مگر ہم سنبھل گئے ہیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں آپ اس معاملے کو رفع دفع کردیجیے۔ ہم پڑھائی کے اس عمل کو متروک کرنے کو تیار ہیں ہم مخالفت کے اس عمل کو مزید نہیں جھیل سکتے۔ ہم ابا جان کی نگاہ میں مجرم بن رہے ہیں۔ ہم تھک گئے ہیں اور ہمت نہیں۔ آپ سے معافی کی درخواست کرتے ہیں ہم دوبارہ اس پڑھائی کے متعلق سوچیں گے بھی نہیں۔ وعدہ کرتے ہیں مگر برائے کرم آپ ان معاملات کو یہیں روک دیجیے۔'' فاطمہ کی آنکھیں لبریز تھیں' آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ تاج بیگم ان کی سمت بغور دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

''یہ کیا الزام تراشیاں ہیں فاطمہ؟ ہم آپ کی دادی جان ہیں' ہم آپ کی مخالفت کریں گے آپ ایسا سوچ بھی کیونکر سکتی ہیں...... بلکہ ہم وہ واحد فرد ہیں جو آپ کی حمایت میں کھڑے دکھائی دے رہے ہیں' بھلا ہم آپ کی پڑھائی کا سلسلہ کیونکر روکنا چاہیں گے؟ کیا چھوٹے نواب کو ہم نے اجازت نہیں دی کہ وہ آپ کو پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں؟ اگر ہمارے ذہن میں کوئی بات ہوتی تو ہم اس پڑھائی کے سلسلے کو رکوا دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں ہونے دیا' آپ ہماری نیت پر شک کررہی ہیں اور ایسا ہونا باعث حیرت ہے فاطمہ بی بی۔'' دادی جان نے شکوہ کرڈالا۔ فاطمہ بی بی مزید کچھ کہہ نہیں پائیں' وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے کھڑی رہیں پھر آگے بڑھ کر تاج بیگم کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ سرد برف سے منجمد ہاتھ...... تاج بیگم کو جیسے اس کی امید نہیں تھی کہ فاطمہ اس قدر ٹوٹ پھوٹ جائیں گی سو وہ حیرت سے فاطمہ کو دیکھتی رہیں مگر ان کی آنکھوں میں سرشاری کی کیفیت بہت واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سخاوت بیگم جو وہاں سے گزر رہی تھیں' یک دم دروازے کے اندر جھانکا تو ٹھٹک گئیں۔ فاطمہ اپنی دادی جان کے قدموں پر سر رکھے زار و قطار رو رہی تھیں۔

''ہمیں معاف کردیجیے دادی جان...... ہم شرمندہ ہیں' بہت تھک گئے ہیں' ٹوٹ گئے ہیں' بہت بڑی گستاخی کرڈالی ہم نے' ہم فراموش کر گئے تھے کہ خواب ہماری زندگی کا حصہ نہیں' ہمیں معاف کردیجیے۔'' فاطمہ بے ہمت دکھائی دے رہی تھیں۔ تاج بیگم جو مسرور سی فاطمہ کی طرف دیکھ رہی تھیں یک دم ان کی نگاہ دہلیز پر کھڑی شدید حیرت میں مبتلا سخاوت بیگم پر پڑی اور انہوں نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور نرمی سی گویا ہوئیں۔

''جھلی ہوئی ہے کیا' عقل گھاس چرنے گئی ہے؟ ہمارے خاندان کی بچیاں ایسے پاؤں نہیں پکڑتیں اور معافی کس بات کی؟ جب آپ قصوروار ہی نہیں۔'' جانے کیسے کوشش کرکے آنکھوں میں نمی لانے میں کامیاب ہوئیں تھیں اور جھک کر انہوں نے فاطمہ کا چہرہ اٹھایا' تبھی سخاوت بیگم آگے بڑھ آئیں اور اماں جان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اماں جان کیسا دل ہے آپ کا...... کیسی ماں ہیں آپ؟ ایک بیٹی کو اس درجہ تکلیف دینے کا کیا وصف ہے؟ کچھ اللہ کا خوف کیجیے۔'' سخاوت بیگم نے آگے بڑھ کر بیٹی کو اٹھا کر کھڑا کیا اور خشمگیں نظروں سے تاج بیگم کو دیکھا' فاطمہ نے بے ہمت سا وجود ماں کے کاندھے پر ڈال دیا۔

''اماں جان اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے' ایسا غرور ٹھیک نہیں' آپ فرعون بن رہی ہیں' ایک بچی کی زندگی کی ڈور اگر غلطی سے آپ کے ہاتھ آگئی تو آپ سب روا رکھنے کی حق دار نہیں...... کچھ خیال کیجیے' اس دنیا میں قیام عارضی ہے' آخرت کی فکر کیجیے' کیا منہ دکھائیں گی اپنے رب کو...... وہاں باز پرس ہوئی تو آپ کو کوئی بچا نہیں سکے گا۔'' سخاوت بیگم نے کہہ کر بیٹی کو سہارا دیتے ہوئے آگے بڑھایا اور فاطمہ کو لے کر کمرے سے نکل گئیں۔ تاج بیگم لب بھینچے سخاوت بیگم کو دیکھتی رہی تھیں۔

☾......☾......☾

وقار اندر داخل ہوئے اور زمان الحق کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے انہماک سے کتاب پڑھ رہے تھے۔ وقار کو براہ راست کچھ

دریافت کرنا مناسب نہ لگا۔ تبھی وہ خاموشی سے رک کران کی جانب دیکھنے لگے۔نواب صاحب بیٹے کی آمد سے واقف ہوئے اوران کی جانب متوجہ ہوئے بنا بولے۔

"کہیے صاحب زادے خیریت سے تشریف لائے ہیں؟" وقار چونکے مگر فوری طور پر کچھ کہے بنا قدم آگے بڑھائے اورنواب صاحب کے سامنے آن رکے۔

"ابا حضور ہم اجلاس کے سلسلے میں لکھنو جانا چاہ رہے تھے۔" انہوں نے اصل مدعے پر بات کیے بنا ایک سرسری معاملہ ان کے سامنے رکھا۔

"کب جانا ہے آپ کو؟" نواب صاحب نے دریافت کیا۔ بیٹے کے چہرے پر کئی الجھنوں کے آثار دکھائی دیے تھے مگر انہوں نے براہ راست پوچھنا ضروری نہیں خیال کیا۔

"ابا جان! اگلے ہفتے جانا متوقع ہے۔ بہرحال جانے سے پہلے آپ کو مطلع کردیں گے۔" وقار الحق نے کہا تو نواب صاحب نے سر ہلایا۔ شاید وہ منتظر تھے کہ وقار مزید بات کریں گے مگر وہ چلے گئے۔

☾......☾......☾

"کہیے نواب صاحب آج کیسے یاد کرلیا؟" دادی جان نے نواب صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر دریافت کیا' نواب صاحب دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے سو لگی لپٹی رکھے بنا کہا۔

"ہم نے فیصلہ کرلیا ہے اماں جان! اسی باعث آپ کے حضور حاضر ہوئے ہیں۔ دراصل فیصلہ مشکل تو نہیں تھا مگر چونکہ آپ سے ہماری زندگی پوشیدہ نہیں سو آپ سمجھ سکتی ہیں کہ ہم نے کس باعث وقت لیا۔" وہ عجیب ایک ٹھہراؤ اپنے لہجے میں رکھتے تھے۔ تاج بیگم مسکرادیں۔

"کھل کر بات کیجیے نواب صاحب آپ تو دلیر انسان ہیں آپ سے ایسی لگی لپٹی کی امید کوئی نہیں رکھتا یہاں۔" تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نواب صاحب نے سر ہلایا' کچھ دیر خاموش رہے پھر گویا ہوئے۔

"ہم فاطمہ بی بی سے نکاح پر راضی ہیں۔ آپ کی یہ شرط بھی قبول ہے اماں جان...... اب مزید حکم کیجیے۔" اماں جان ہنس دیں۔

"کیا بات کرتے ہو میاں! ابھی شرائط رکھی ہی کہاں ہیں' کبھی کبھی تمہارا احسن مزاج بے ست گھوڑے کی طرح دوڑتا دکھائی دیتا ہے' خیر......" تاج بیگم نے بات غیر منطقی انداز میں ختم کی۔ نواب صاحب نے لب بھینچ کران کو دیکھا۔

"سواب کیا کہتی ہیں آپ اماں جان؟ شرائط کی بات ایک طرف رکھ دیجیے' ہر طرح کی شرائط ماننے کو تیار ہیں ہم...... اس معاملے میں کوئی دورائے نہیں۔" نواب صاحب نے یقین دلایا۔ اماں جان مسکرادیں۔

(ان شاءاللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

دردِ دل پہ دستک

نزہت جبین ضیاء

بن دیکھے اسے یا رب یہ عید نہ گزرے
گر پیدا کوئی سبب یہ عید نہ گزرے
دنیا کو دکھایا ہے اک چاند جو تو نے
مجھ کو بھی دکھا دے اب یہ عید نہ گزرے



عیدالفطر کا چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف شور کے ساتھ گہما گہمی اور چہل پہل میں تیزی آ گئی تھی۔ بازاروں میں بلا کی رونق تھی۔ دکان داروں کی چاندی ہی چاندی تھی۔ منہ مانگی قیمتوں پر لوگ خریداری کررہے تھے۔ شمسی ہاؤس نامی دو سو گز کے ڈبل اسٹوری گھر میں عید کی رونقیں عروج پر تھیں۔ بڑھ چڑھ کر عید کی آمد کا اہتمام کیا جارہا تھا۔ کیوں نہ ہوتا عید کے دوسرے دن شمسی ہاؤس کی رہائشی شمس الدین کی بیٹی ارمش شمس کی شادی تھی۔ عید کی شام ارمش کی رسم مایوں تھی۔ ارمش کی چھوٹی بہن اربش کی تیاری خاص الخاص تھی۔ جب کہ ارمش کی والدہ غوثیہ بیگم بھی بیٹی کی شادی کو لے کر خاصی پریشان اور فکرمند تھیں۔ گھر کی پہلی شادی اور وہ بھی جس طرح سے یہ شادی ہورہی تھی۔ یہ غوثیہ بیگم کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔ شمس الدین مطمئن تھے ان کو اپنے فیصلے پر کوئی دکھ تھا اور نہ ہی وہ کسی قسم کے وہموں اور اندیشوں کا شکار تھے۔ اس بات سے بے خبر بھی نہ تھے کہ ان کا یہ فیصلہ ان کی بیٹی کے لیے کتنا تکلیف دہ ہے مگر...... ان کا فیصلہ اٹل اور حتمی ہی ہوتا تھا۔ جس میں ترمیم یا سوچ بچار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

''آپا......'' اربش نے کمرے کے دروازے پر رک کر آواز لگائی۔

''کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ یوں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ باہر آؤ امی بلا رہی ہیں۔'' اربش نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے کہا۔ ارمش نے سر اٹھا کر اربش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی واضح تھی اور چہرے پر کرب بھی نمایاں تھا۔

''آپا پلیز...... کم از کم اب یہ سب بند کردو۔ اللہ کے لیے کیوں ناحق روگ لگائے بیٹھی ہو...... ایسے بے حس شخص کے لیے جو شاید موقع کی تلاش میں تھا۔ تم سے چھٹکارا پانے کے لیے۔ اتنا بڑا ڈرامہ رچایا۔ اتنی بڑی چال چلی اور خاموشی سے تمہاری دنیا سے نکل گیا۔''

''اربش تم بھی ایسی باتیں کروگی' تمہارے اندر بھی یہی منفی سوچ پلنے لگی ہے؟ تم بھی انہی بے کار مفروضوں پر یقین کرنے لگی جو محض مفروضے ہیں' من گھڑت اور جھوٹی کہانیاں ہیں۔ مجھے تسلی دینے اور خود کو سارے زمانے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈرامہ وہ نہیں اربش...... ڈرامہ تو یہ ہے...... کہانیاں تو یہاں بن رہی ہیں' میرے گھر میں...... میں جانتی ہوں اربش کہ شمریز مجھے نہیں بھول سکتا۔ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ اپنی جان سے زیادہ مجھے چاہتا ہے۔ وہ مجھ سے بے وفائی کرے گا یہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔ پلیز اربش پاپا سے کہہ دو کچھ دن اور انتظار کرلیں۔ تھوڑا سا وقت تھوڑا سا موقع اور دے دیں' میری بہن...... پاپا سے کہہ دو ناں...... مجھ پر رحم کریں۔'' ارمش اربش کا ہاتھ تھام کر منتیں کرنے لگی۔

''آپا...... بچوں جیسی باتیں مت کرو خود کو اور ہم سب کو آزمائش میں مت ڈالو۔ جو حقیقت ہے اس کو قبول کرلو اور یوں خود کو اتنا کمزور مت کرو کہ میں بھی کمزور پڑ جاؤں۔'' اربش اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گئی اور اس کے کاندھے تھام کر جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔ ارمش بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی اور تمام تر ہمتیں جمع کرکے خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرنے لگی۔

شمس الدین اور عاطفہ بہن بھائی تھے۔ شمس الدین بڑے اور عاطفہ چھوٹی تھیں۔ والدین حیات نہیں تھے۔ شمس الدین نے بہن کو پالا پڑھایا لکھایا اور اس کی شادی کردی۔ مالی لحاظ سے مستحکم نہ تھے مگر غریب بھی نہ تھے۔ عاطفہ کے شوہر صفاحت ایک کمپنی میں جاب کرتے تھے۔ چھوٹا سا ذاتی مکان اور ایک عدد بیوہ ماں ان کی کل کائنات تھی۔ شریف اور نیک تھے۔ شمس الدین بھی سرکاری ملازم تھے۔ بہن کی شادی سے فارغ ہوکر انہوں نے بھی عاطفہ کے سسرال میں ہی غوثیہ بیگم کو پسند کرلیا۔ غوثیہ بیگم کی فیملی بھی سفید پوش تھی۔ اس لیے دونوں جانب سے سادگی سے شادی کی رسومات ادا کردی گئیں اور شادی ہوگئی۔ غوثیہ بیگم نے گھر اور شمس الدین کا بہت خیال رکھا۔ اللہ پاک نے دو بیٹیاں ارمش اور اربش اور ایک بیٹا رؤف دے کر ان کی گھرانہ بھی مکمل کردیا۔ ادھر عاطفہ کے ہاں دو بیٹے شمریز اور طالب تھے۔ شمریز بڑا اور طالب چھوٹا تھا۔ عاطفہ کا سسرال بھی گھر کے قریب ہی تھا۔ اس لیے آنا جانا بھی لگا رہتا۔ ارمش اور اربش نے آنکھ کھولی تو اپنے اردگرد ماں باپ کے علاوہ پھوپو اور پھوپو کے دونوں بیٹوں کو ہی دیکھا۔ ساتھ کھیلتے کودتے بچے بڑے ہوگئے۔ غوثیہ بیگم اور عاطفہ میں بھی روایتی نند بھاوج والی کوئی منفی بات نہ رہی' دونوں آپس میں بہت پیار و محبت سے رہتیں۔ شمریز ایم کام کررہا تھا۔ طالب بی ایس سی لاسٹ ایئر میں تھا۔ ارمش نے بھی اکنامکس کا انتخاب کیا تھا اور وہ انٹر میں تھی اربش میٹرک میں اور رؤف آٹھویں کلاس میں۔ شمس الدین بچوں کی پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ اسی وجہ سے بچے دل لگا کر پڑھتے اور ہر کلاس میں

نمایاں پوزیشن لے کرآتے۔ یونہی ہنستے کھیلتے لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی سنگت میں بچے بڑے ہوگئے اور کب ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کب اور کیسے نرم اور کومل جذبات پرورش پانے لگے شاید اس بات کا ادراک ہوتا بھی نہیں کہ جب ارمش کو کسی شادی کی تقریب میں خاتون نے اپنے بیٹے کے لئے پسند کرلیا اور جب غوثیہ بیگم سے اس سلسلے میں بات کی تو حسب عادت غوثیہ بیگم نے سب سے پہلے عاطفہ کو یہ خبر دی۔ ایک ماں ہونے کے ناطے اس بات کو سن کران کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ تب انہیں احساس ہوا کہ بیٹی بڑی ہوگئی ہے۔ آنگن میں ننھی ننھی چڑیوں کی مانند اچھلتی کودتی اور اڑتی ہوئی بیٹیاں کب بڑی ہوجاتی ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ اچانک جب کوئی رشتہ آتا ہے تب ماؤں کو احساس ہوتا ہے کہ ان کی ننھی منی چڑیا بڑی ہوگئی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو رخصت کردیں۔ یہی حال غوثیہ بیگم کا بھی تھا۔ جب خاتون نے کسی کے ذریعے غوثیہ بیگم کا سیل نمبر لے کران کو ارمش کے حوالے سے کہا کہ میں اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں آپ کے گھر آنا چاہتی ہوں تو غوثیہ بیگم گڑبڑا گئیں۔

شام کا وقت تھا۔ آج کل شمریز کے ایگزام ہورہے تھے۔ وہ حسب معمول صحن میں بیٹھ کر پڑھائی کررہا تھا اس نے اپنی جاب کی بھی بات کررکھی تھی۔ ایگزام کے فوراً بعد اس کی جاب بھی لگنے کی امید تھی۔ صفاحت صاحب بھی اس وقت آفس سے آئے تھے۔ طالب بھی پاس بیٹھا اسٹڈی کررہا تھا۔ عاطفہ چائے لے آئیں۔ بچے چائے پینے کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور میاں بیوی آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تب ہی عاطفہ کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر بھابی لکھا دیکھ کر کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم بھابھی...... ارے واہ اچھی بات ہے۔ جی جی میں ضرور آؤں گی۔ ارے بھئی آپ پریشان کیوں ہورہی ہیں۔ اتنی فکر کرنے والی کون سی بات ہے۔ بیٹیاں ہیں تو یہ تو ہوگا ناں۔ چلیں میں رات کو صفاحت کے ساتھ چکر لگاؤں گی۔ آپ ٹینشن مت لیں۔ جی الحمدللہ سب ٹھیک ہیں۔ جی اللہ حافظ۔" عاطفہ کی بات پر سب لوگ ان کی طرف متوجہ تھے۔ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"کیا ہوا...... خیریت تو ہے کیوں پریشان ہیں غوثیہ بھابھی؟" صفاحت صاحب نے کال بند ہونے کے بعد عاطفہ سے پوچھا تو عاطفہ نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"عجیب ہیں بھابی بھی بھلا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ارے بھئی ہوا کیا؟" صفاحت صاحب نے کہا تو عاطفہ بیگم نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"بھابی بچیوں کو لے کر کسی شادی میں گئی تھیں وہاں پر کسی خاتون نے ہماری ارمش کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کرلیا ہے اور وہ ارمش کا پرپوزل لے کر گھر آنا چاہ رہی ہیں اور ہماری بھابی صاحبہ پریشان ہورہی ہیں۔" عاطفہ کی بات ختم ہوئی تو شمریز پڑھتے ہوئے بری طرح چونکا۔ اس خبر سے نہ جانے کیوں اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ عجیب ہی فیلنگ تھی۔ اس نے سر جھٹک کر دوبارہ دھیان پڑھائی کی طرف لگانے کی کوشش کی۔

"اچھی بچیاں ہیں۔ سمجھدار، نیک اور سیدھی سادھی ظاہر ہے آج کل شرافت اور سادگی کا فقدان ہے۔ تو خاندانی لوگ پہلے یہی دیکھتے ہیں۔ اللہ پاک سب اچھا کرے اور بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔ رات کو چلتے ہیں آپ کی بھاوج کے یہاں۔" فصاحت صاحب نے پہلے دعائیہ الفاظ کہے پھر مسکراتے ہوئے عاطفہ کی جانب جھک کر بولے تو عاطفہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

"کیا ہوا بھائی خیریت تو ہے؟" طالب جو خاموشی سے شمریز کی بے چینی محسوس کررہا تھا آخر پوچھ بیٹھا۔

"کچھ نہیں یار۔" شمریز نے گڑبڑا کر کہا اور دھیان پڑھائی پر لگانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ لیکن دل پر جیسے کوئی بوجھ آن پڑا تھا۔

مغرب کی اذان ہوئی تو صفاحت صاحب نماز پڑھنے کے لیے مسجد روانہ ہوگئے۔ شمریز اور طالب نے بھی کتابیں سمیٹ لیں اور عاطفہ بھی نماز کی ادائیگی کے لیے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ نماز مغرب سے فارغ ہوکر عاطفہ بیگم کچن کی طرف آئیں تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کرسکیں۔ آٹا تسلے میں نکال کر گوندھنے لگیں تب ہی شمریز آ گیا۔

"تمہیں چائے کی طلب ہورہی ہوگی؟" غیر متوقع شمریز کو کچن میں دیکھ کر عاطفہ نے آٹا گوندھتے ہوئے سر اٹھا کر شمریز کی طرف دیکھا۔

"نہیں، میں ایسے ہی آ گیا تھا۔ دیکھوں تو اماں کیا کررہی ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا......!" عاطفہ بھی مسکرائیں۔

"سالن تو پکا ہوا ہے روٹیاں پکالوں تاکہ جلدی کھانے سے فارغ ہوکر پھر بھائی جان کے گھر چکر لگالیں۔ میں اور تمہارے ابا

جی۔“ عاطفہ نے آٹا گوندھ کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔

”دیکھو ذرا کل کی ہی بات لگتی ہے جب ارمش پیدا ہوئی تھی اور آج...... ماشاء اللہ اس کے لیے پرپوزل آنا شروع ہو گئے سچ ہے بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ بس اللہ پاک بچیوں کے نصیب اچھے کرے وہ جہاں رہیں شاد آباد اور خوش و خرم رہیں...... آمین ثم آمین۔“ بات ختم کر کے عاطفہ نے سر اٹھایا تو شمریز کو گہری سوچ میں پایا۔

”کیا ہوا شمریز؟“ انہوں نے پوچھا۔

”امی جی ایک بات کہوں۔“ اس نے پوچھا اس کے چہرے پر الجھن نمایاں تھی۔

”ہاں...... ہاں کہو کیا بات ہے۔ سب خیریت ہے ناں؟“ عاطفہ جلد پریشان ہو جاتی تھیں۔

”جی امی جی سب خیریت ہے...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ...... کیا ابھی ارمش کے پروپوزل کے حوالے سے ماموں مامی تھوڑا ویٹ نہیں کر سکتے؟“

”مطلب؟“ عاطفہ نے الجھی نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”مطلب یہ ہے کہ وہ...... وہ ابھی پڑھ رہی ہے...... تو میرا خیال تھا کہ اسے ابھی اس چکر میں ڈالنے سے اس کا دھیان...... پڑھائی کی طرف سے ہٹ سکتا ہے اور......“ عاطفہ نے بغور شمریز کے چہرے کی طرف دیکھا وہ ماں تھیں۔ بیٹے کا الجھا رویہ اور انداز ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

”تو ابھی شادی تھوڑی ہو رہی ہے...... ابھی تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیسے لوگ ہیں کون ہیں سمجھ میں آتے ہیں یا نہیں؟ بیسیوں مسائل ہوتے ہیں ایسے تھوڑی کہ رشتہ آیا اور طے ہو گیا۔ شادی کے حوالے سے بہت سوچ بچار اور دیکھ بھال سے کام لینا پڑتا ہے ابھی تو ابتدا ہے دیکھو آگے کیا طے پاتا ہے۔“ عاطفہ نے تسلی بھرے انداز میں سمجھایا۔

”اچھا......“ شمریز نے سر ہلایا۔

”اگر...... ایسی بات ہے تو...... پھر...... ارمش کا پرپوزل ہمارے گھر سے بھی تو جا سکتا ہے۔“

”ہائیں......“ عاطفہ نے آنکھیں پھاڑ کر شمریز کی طرف دیکھا۔ ”کیا مطلب......؟“

”مطلب یہ امی جی کہ اگر میرا پرپوزل جائے تو...... مجھے لگتا ہے امی کہ میں...... شاید...... ارمش کو پسند کرتا ہوں۔ ابھی تک تو اس بات پر توجہ دی نہیں مگر...... شاید...... اس کی شادی کے حوالے سے خبر سن کر...... مجھے اسی لیے اچھا نہیں لگا۔ صاف لفظوں میں یہ کہ میں ارمش سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ابھی اس قابل نہیں ہوں...... مگر بقول آپ کے رشتہ طے ہو سکتا ہے۔ تو رشتہ طے کر لیں اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو...... شادی ان شاء اللہ دھوم دھام سے اور اس وقت کروں گا کہ جب خود کو اس قابل کر لوں اور...... آپ کی اور ابا جی کی ہماری شادی کے حوالے سے جتنی خواہشات ہیں وہ بہ خوبی پوری کر سکوں۔“

”اوئے ہوئے...... مطلب یہ کہ میرا بچہ بھی بڑا ہو گیا ہے میں تو بھتیجی کے لیے سوچ رہی تھی اور یہ بھول گئی کہ میرا بچہ بھی تو بڑا ہو گیا ہے۔ واہ بھئی یہ تو بہت اچھی بات کہی تم نے...... ثابت کر دیا کہ واقعی بڑے ہو گئے ہو۔“ شمریز کے منہ سے اتنے اچھے انداز میں اتنی بڑی بات اور موثر انداز نے عاطفہ کو واقعی امپریس کر دیا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹے کی بلائیں لیں۔ شمریز جھینپ گیا۔ واقعی اس طرف تو عاطفہ کا خود بھی دھیان نہیں گیا تھا۔ ان کو ویسے بھی بھائی بھاوج اور اپنی بھتیجیاں عزیز تھیں۔ طالب کی بات تو بچپن میں ہی فصاحت نے اپنے بھائی کے گھر طے کر رکھی تھی لیکن...... شمریز...... شمریز تھا اور یہ تو اور اچھی بات تھی۔ رشتہ مزید مستحکم اور پائیدار ہو جاتے۔ میکے اور سسرال سے ایک ایک لڑکی بہو بن جاتی۔ عاطفہ کے لیے یہ تو بڑی اچھی اور مثبت تعلقات کی نشانی تھی۔ تب ہی فصاحت صاحب اور طالب بھی آ گئے۔

”ارے بھئی خیر تو ہے آج ماشاء اللہ ماں بیٹے کا موڈ تو بہت خوشگوار لگ رہا ہے۔ کیا کوئی لاٹری نکل آئی ہے جو دونوں اتنے مسرور نظر آ رہے ہیں......؟“ فصاحت صاحب نے بیگم کے مسکراتے چہرے اور شمریز کے کھلے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا اور وہیں اسٹول پر ٹک گئے۔

”ہاں بھئی بات ہی کچھ ایسی ہے لیجیے پہلے مٹھائی کھا لیں پھر بتاتی ہوں۔“ عاطفہ نے فریج سے گلاب جامن کی پلیٹ نکالی اور ایک گلاب جامن میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ارے واہ...... ماشاء اللہ جی ماشاء اللہ۔“ فصاحت صاحب نے گلاب جامن منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”ارے بھئی امی جی...... سسپنس نہ پھیلائیں جلدی سے خوش خبری شیئر کریں۔“ طالب نے بھی پلیٹ سے گلاب جامن اٹھاتے ہوئے کہا۔

”فصاحت ایک بات تو نہ آپ کے ذہن میں آئی نہ میرے کہ کیوں نہ ارمش کو ہم اپنی بہو بنالیں اور ابھی ابھی اس بات کا احساس آپ کے بیٹے نے دلایا ہے مجھے..... ارمش کو ہم شمریز کے لیے مانگ لیتے ہیں۔“

”ارے واہ بھئی..... سچ میں..... یہ بات ہے گھر کا بچہ گھر کی بچی..... ہمارا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں۔“

”تو کیا ہوا اباجی..... بھائی کا دماغ تو ادھر ہی لگا تھا ناں..... وہ تو شاید موقع کی تلاش میں تھے اور اب صحیح وقت دیکھ کر انہوں نے تیر پھینکا..... بھائی قسم سے بڑے چالاک ہو تم..... یہ بات مجھ سے بھی چھپا کر رکھی ویسے سچ سچ تمہاری بات میں دم ہے۔ مبارکاں جی مبارکاں۔“ طالب نے شرارت سے کہہ کر شمریز کو گلے لگالیا۔ شمریز ان سب کی باتوں پر صرف مسکراتا رہا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس رشتے پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور کچھ دیر بعد ہی عاطفہ، فصاحت اور طالب شمریز کا پروپوزل لے کر شمس الدین کے گھر پہنچ گئے۔

”ارے واہ بھئی اچھے ٹائم پر آئے ہو تم لوگ..... کھانا لگ رہا ہے اور آج ہماری ارمش بیٹی نے بریانی پکائی ہے۔“ شمس الدین بہن بہنوئی کو دیکھ کر خوش ہوگئے۔

”کھانا تو ہم کھا کر آئے ہیں بھائی جان ہاں چکھ ضرور لیں گے ارمش کے ہاتھ کی بریانی۔“ فصاحت صاحب نے خوشدلی سے کہا۔ خوشگوار موڈ میں کھانا کھایا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ارمش چائے لے آئی۔ اربش، طالب اور ارمش دوسرے کمرے میں چائے پینے لگے جب کہ بزرگ افراد لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

”ہاں بھئی اب بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے اور بھابی آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ پروپوزل کا سن کر۔“ چائے کے دوران عاطفہ نے بھابی کو مخاطب کیا۔

”سچ میں عاطفہ..... میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے جب ان محترمہ نے مجھے کہا کہ آپ کی بیٹی کو بہو بنانا چاہتے ہیں۔“ غوثیہ بیگم نے بات کا آغاز کیا۔

”ارے بھابی..... آپ ماشاء اللہ بیٹیوں والی ہیں اس کے لیے تو ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے ماشاء اللہ اچھی بچیاں ہیں یہ سلسلہ تو چلتا رہے گا۔“ فصاحت صاحب کی بات پر غوثیہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہی سمجھا رہا ہوں محترمہ کو بس پریشان ہوئے جارہی ہیں شام سے کہ کیسے ہوگا..... تیاریاں کیسی ہوں گی۔ ارے بھئی کون سا کل شادی کرنی ہے ہمیں مگر..... یہ تو خوامخواہ فکر مند ہوئی جارہی ہیں۔“ شمس الدین نے کہا..... تو عاطفہ بیگم ہنسنے لگیں۔

”چلیں ہم بھابی کی فکر بانٹ لیتے ہیں۔ ان کی ذمے داریاں بھی اور ان کے کام بھی۔“ عاطفہ بیگم کی بات پر شمس الدین اور غوثیہ بیگم نے انہیں دیکھا۔

”ہاں بھئی..... ظاہری بات ہے کہ یہ تمہاری ذمے داری بھی بنتی ہے اور تم نے بھی اتنا ہی کام کرنا ہے جتنا ہم کریں گے آخر کو یہ تمہاری بھی تو بچیاں ہیں۔“ غوثیہ بیگم نے نند کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے مان سے کہا۔

”وہی تو کہہ رہی ہوں بھابی کہ آپ کی ذمہ داری اپنی بنانا چاہتی ہوں ویسے تو دونوں بچیاں میری اپنی ہیں مجھے عزیز ہیں اور میرا بس چلتا تو دونوں بچیوں کو مانگ لیتی مگر یہ ناممکن ہے اس لیے ارمش کو آپ لوگوں سے مانگنے آئی ہوں۔ میرے شمریز کے لیے ارمش کا ہاتھ مانگتی ہوں۔“

”یہ..... کیا؟“ شمس الدین کے ساتھ ساتھ غوثیہ بیگم بھی اچھل پڑیں اور خوشی اور حیرت سے نند نندوئی کی طرف دیکھا۔

”ہاں..... دیکھیں تو سہی پتہ نہیں کیوں اب تک ہمیں بھی یہ خیال نہ آیا لیکن اب ارمش کے پروپوزل کی بات سنی تو خیال آیا کہ گھر کی بچی گھر میں ہی کیوں نہ رہے..... ویسے بھی مجھے یہ بچیاں بیٹیوں کی طرح عزیز ہیں..... ارمش کو ہمیشہ کے لیے میری بیٹی بنادیں۔“ عاطفہ کی بات پر شمس الدین اور غوثیہ کے ساتھ ساتھ کمرے میں آتی اربش بھی خوشی سے بے قابو ہوگئی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے..... فصاحت، عاطفہ ہمیں خوشی ہوگی اگر ہماری بیٹی تمہارے گھر جائے تو ہمارے لیے بھی بہت خوشی کی بات ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن کیا اچھا ہوتا کہ ہم بچوں کی مرضی بھی معلوم کرلیں۔“ شمس الدین نے کہا۔

”بھئی ہمارا شمریز تو راضی ہے اور آپا کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پھوپو۔“ اربش نے بے ساختہ ان کی بات کاٹ کر کہا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ارمش کو شمریز اچھا لگتا ہے گو کہ کبھی کھل کر کوئی بات نہ کی تھی مگر اتنا اندازہ تو چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والی بہنوں کو ہوتا ہی ہے۔

”واہ بھئی واہ..... پھر تو کچھ میٹھا ہو جائے.....؟“ اسی وقت طالب بھی آگیا۔

”ضرور ضرور کیوں نہیں اور میٹھا کھلائیں گی آپا سب کو اپنے ہاتھ سے۔“ ارمش کو آتا دیکھ کر اربش نے بلند آواز میں کہا۔

''کیا ہوگیا بھئی..... کیا چچا جان کا پروموشن ہوگیا؟'' ارمش نے پوچھا۔
''پہلے تم مٹھائی تو لاؤ فریج سے.....'' طالب نے بھی آگے بڑھ کر شریر لہجے میں ارمش سے کہا تو ارمش کچھ نہ سمجھتے ہوئے فریج سے سوجی کا حلوہ لے آئی اور باری باری سب کو کھلایا سب اسے معنی خیز انداز میں دیکھ رہے تھے۔
''یہ لو اب یہ میٹھا میرے ہاتھ سے تم کھاؤ۔'' عاطفہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پلیٹ اور چمچ لے لیا اور اس کا منہ میٹھا کروایا۔
''آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔'' طالب نے باآواز بلند کہا۔
''ارے بھئی..... کیا کسوٹی کھیل رہے ہو طالب..... بتاؤ ناں ہوا کیا ہے کہیں تمہاری منگنی شنگنی تو نہیں ہورہی.....؟'' ارمش نے تھوڑا سا جھنجلا کر کہا۔
''نہیں جناب..... طالب کی نہیں بلکہ شاید آپ کی ہوجائے جلد ہی اور پتہ ہے کون کررہا ہے منگنی آپ کے سے.....؟'' طالب نے تھوڑا جھک کر شریر لہجے میں کہا۔
''ہاں.....'' ارمش بولی۔
''شمریز سے۔'' ارمش نے دوسری جانب سے جھک کر ارمش کے کان کے پاس آ کر زور سے کہا۔
''ہاں.....'' ارمش کا منہ کھلا رہ گیا..... اور سب کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
''تمہیں اعتراض تو نہیں ہے ناں گڑیا.....؟ ہمارے فیصلے سے اگر تمہیں اعتراض ہے۔ تو تم منع کرسکتی ہو ہم زبردستی نہیں کریں گے.....''
''نہیں پھوپو..... مجھے اعتراض نہیں۔'' عاطفہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ بے ساختگی اور معصومیت سے بولی تب اسے احساس ہوا کہ اس نے رضامندی میں زیادہ بے صبری دکھائی ہے کیونکہ اس کے جملے کے ساتھ ہی سب کا قہقہہ ابھرا تھا اور وہ بری طرح جھینپ کر کمرے سے باہر بھاگ گئی تھی۔ بہت خوشگوار موڈ میں غوثیہ بیگم کے دل کا بوجھ مکمل طور پر ہلکا کرکے عاطفہ اور فصاحت صاحب گھر واپس لوٹے۔ ارمش کے لیے یہ بہت خوب صورت دن تھا۔ اسے شمریز اچھا لگتا تھا۔ شمس الدین اور غوثیہ بیگم بھی بہت خوش تھے۔
وہ رات کو بستر پر آ کر لیٹی تو شمریز کی کال آ گئی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر شرم آئی تھی۔ دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ چند گھنٹوں میں ہی اس کی دل کی حالت یکسر تبدیل ہوچکی تھی۔
''اسلام علیکم!''
''وعلیکم السلام۔''
''کیسی ہو؟ کیا ہورہا ہے؟''
''الحمدللہ ٹھیک ہوں سونے کے لیے لیٹی تھی۔'' گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
''مطلب یہ کہ تمہیں نیند آرہی ہے..... نیند اڑی نہیں تمہاری؟'' شمریز نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔
''نیند وہاں اڑتی ہے شمریز جہاں وسوسے ہوں، خدشات اور فکریں ہوں..... الحمدللہ میرے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں۔'' ارمش کے جواب نے اسے لاجواب کردیا۔
''بہت بہت شکریہ۔ مجھ سے منسوب ہوکر تم اتنی ریلیکس فیل کررہی ہو۔'' شمریز نے چہکتے ہوئے کہا۔
''ویسے ایک بات بتاؤ سچ سچ.....'' شمریز نے کہا۔
''جی پوچھیں۔''
''یہ اطلاع تمہارے لیے شاکڈ تو ہوگی ناں.....؟ تم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے..... ہمارے درمیان کبھی ایسی بات ہوئی ہی نہیں۔'' شمریز نے کہا۔
''جی حیرت تو بہت ہوئی تھی لیکن.....''
''لیکن خوشی زیادہ ہوئی تھی ناں.....؟'' شمریز نے بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔
''ہاں بالکل۔'' سعادت مندی سے اقرار کیا۔
''واؤ سو سویٹ..... ارمش..... میں بھی بہت بہت خوش ہوں۔''
''ویسے آپ کو یہ خیال آیا کیسے؟'' ارمش نے پوچھا۔
''بس اچانک تمہارے پرپوزل کے حوالے سے امی جی نے بات کی تو مجھے احساس ہوا شاید میں یہ برداشت نہیں کرپاؤں گا کہ تم کسی اور کی ہوجاؤ..... یہ میری خاموش محبت تھی شاید کہ میں بے چین ہوگیا اور قبل اس کے کہ کوئی تم کو اپنے نام سے منسوب کرتا میں نے فوراً سے بیشتر امی جی سے اپنا موقف بیان کیا۔ امی جی تو ادھار کھائے بیٹھی تھیں اور ابا جی بھی بہت خوش ہوئے یہ سن کر اور وہ لوگ فوراً ہی تمہارے گھر آ گئے۔ اس امید و یقین کے ساتھ کہ انکار کی کوئی صورت ہی نہیں اور الحمدللہ ان کا یقین اور امید

قائم رہی۔“ شمریز نے تفصیل بتائی۔

”اور سنو لڑکی؟“ کچھ دیر بعد شمریز نے یک دم سیریس لہجے میں کہا۔ ”شادی کی جلدی ہرگز مت کرنا کہیں شور مچا دو کہ مجھے لے جاؤ‘ مجھے لے جاؤ‘ کیونکہ مجھے بہت سارا پیسہ کمانا ہے۔“ شمریز کی بات پر وہ بے اختیار ہنس دی۔

”نہ جی بالکل جلدی نہیں کروں گی لیکن...... بہت دیر بھی برداشت نہیں کروں گی‘ مجھے قناعت پسندی اچھی لگتی ہے۔“ اپنی بات کو خوب صورت انداز میں گوش گزار کر دیا تو شمریز زور سے ہنسنے لگا۔

”لو کے باس آپ جیسے کہیں۔“

☆......☆......☆

شمریز مزید دل لگا کر پڑھائی کرنے لگا۔ ایگزام کے فوراً بعد جاب بھی لگنے والی تھی۔ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہے تھے اس لیے کوئی پابندی درمیان میں نہ تھی۔ ویسے بھی شمریز مصروف رہتا اس لیے کم کم ہی آتا۔ کالز اور میسجز پر رابطے میں رہتا۔ ارمش نے بھی گریجویشن کرلیا۔ شمریز بھی جاب پر لگ گیا‘ لیکن بقول اس کے یہ جاب اتنی اچھی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ نہایت محنت دلجمعی اور جانفشانی سے اپنا کام کرتا‘ اس کے باس اس سے خوش تھے۔ ترقی کے چانسز بھی تھے۔ اربش کے لیے بھی پرپوزل آ گیا‘ تب شمس الدین اور غوثیہ بیگم نے سوچا کہ پہلے ارمش کی شادی سے فارغ ہوجائیں‘ پھر اربش کا رشتہ طے کریں گے ورنہ لوگ رشتہ طے ہوجانے کے بعد شادی کی جلدی مچا دیتے ہیں اور فی الحال ایک شادی کرنا بھی مشکل تھا۔ یہی سوچ کر عاطفہ اور فصاحت کو بلوانے کا خیال تھا کہ شادی کی تاریخ طے کردی جائے۔

اتوار کا دن تھا۔ شمریز اتوار کو لازمی چکر لگاتا تھا۔ ارمش سارا ہفتہ اتوار کی شام کا انتظار کرتی۔ اس روز بھی شام کو ارمش نے فیروزی اور سفید پرنٹڈ کاٹن کا سوٹ پہنا‘ مرجنڈا رنگ کا دوپٹہ اوڑھے گیلے بالوں میں اچھی لگ رہی تھی۔ سب لوگ صحن میں بیٹھے تھے۔ ارمش نے چائے کے ساتھ پکوڑے‘ چکن رول اور شمریز کا پسندیدہ دال کا حلوہ بنایا تھا۔ شمریز آ گیا۔ بلیک جینز اور ریڈ ٹی شرٹ میں نکھرا نکھرا اچھا لگ رہا تھا۔

”ارے بیٹا...... امی اور ابا کو بھی لے آتے کچھ بات کرنی تھی۔“ غوثیہ بیگم نے کہا۔

”جی ممانی...... امی کہہ رہی تھیں آنے کا ایک دو دن میں چکر لگائیں گی۔ میں تو ایک خبر دینے آیا ہوں۔“ شمریز نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ سے اجازت بھی لینا چاہوں گا کیونکہ امی نے کہا تھا کہ اب آپ کی اجازت بھی ضروری ہے۔“ شمریز نے سعادت مندی سے سر جھکائے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ شمس الدین نے پوچھا۔

”دراصل ماموں جان...... بہت اچھا چانس مل رہا ہے میرے دوست کے توسط سے ایک سال کا ٹرپ ہے دبئی کا‘ تو میں چاہ رہا ہوں کہ ایک چکر لگا کر آ جاؤں۔“

”ارے مگر ہم تو شادی کی پلاننگ کر رہے تھے۔“ غوثیہ بیگم بے ساختہ بولیں۔

”بس ایک سال کی بات ہے مامی...... ان شاءاللہ آتے ہی شادی ہوجائے گی اور پھر میں ارمش کو بھی بلوا لوں گا۔“ شمریز کی بات پر ارمش کا دل بجھ سا گیا۔ اسے باہر جانا بالکل پسند نہیں تھا اور ایک سال کی دوری؟ وہ تو ہفتہ بہ مشکل برداشت کرتی تھی۔ شمس الدین گہری سوچ میں تھے۔ جیسے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہوں۔

”ماموں جان...... میں نے ہمیشہ سے چاہا ہے کہ اپنی فیملی کو اچھا گھر اور اچھی زندگی دے سکوں۔ تمام عمر ابا جی نے دن رات محنت کرکے ہمیں اس مقام پر پہنچایا۔ اب ہمارا کام ہے کہ ان کو آسائش دیں‘ اس کے لیے کوشش تو کرسکتے ہیں ناں...... یہاں رہ کر ساری زندگی بس دو اور دو چار والے حالات رہیں گے ان شاءاللہ وہاں جا کر بہت کچھ کرسکتا ہوں۔ طالب کی پڑھائی بھی ختم ہو رہی ہے اس کے لیے بھی چانس بن جائے گا۔ اب صرف امی ابا جی اور طالب ہی نہیں بلکہ آپ لوگ بھی میری فیملی کا حصہ ہیں اور...... میں آپ سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ شمس الدین اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ انہیں شمریز کی بات سے اتفاق تھا اگر وہ کچھ کرنا چاہتا تھا تو موقع دینا چاہیے‘ ابھی کون سا عمریں نکلی جا رہی تھیں۔

”نہیں شمریز کو کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی...... یہیں پر رہ کر جو کرسکتے ہیں کریں...... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا۔“ اکیلے میں ارمش نے سخت مخالفانہ انداز میں سرزنش کی۔

”ارے یار...... تھوڑے دنوں کی بات ہے ہم روز بات کریں گے...... دبئی کون سا بہت دور ہے اب تو اتنی آسانیاں ہوگئی ہیں رابطوں میں دل چھوٹا نہ کرو۔ شکر ادا کرو کہ میرا دوست سارا خرچہ بھی خود کر رہا ہے کہ بعد میں واپس دے دینا۔ آج کل کے دور میں کوئی کسی کے لیے اتنا کچھ کہاں کرتا ہے۔ اس لیے

میں یہ گولڈن چانس کھونا نہیں چاہتا۔ پلیز مجھے ہنس کر رخصت کرو یہ سب ہمارے مستقبل کے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔ بہت سارا پیسہ کمانا چاہتا ہوں۔"

"پلیز شمریز..... نہیں چاہیے مجھے بہت سارا پیسہ..... الحمدللہ بہت سوں سے اچھے ہیں ہم..... کوئی ضرورت نہیں ہمیں بہت زیادہ کی۔" ارمش نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"سویٹی! تمہیں نہیں مگر مجھے ضرورت ہے..... میں کمانا چاہتا ہوں، کچھ کرنا چاہتا ہوں اپنے لیے، تم سب کے لیے مجھے پتہ تھا کہ تم نہیں مانو گی اس لیے ساری کارروائی چپکے چپکے کر چکا اور دعا دیتا ہوں اپنے دوست کو اس نے ایک بار بھی ایک پیسہ بھی نہیں مانگا۔ ہر چیز لا کر میرے ہاتھ میں تھمائی ہے۔" شمریز کے لہجے میں دوست کے لیے بہت سارا پیار تھا۔

پھر شمریز دبئی چلا گیا۔ ارمش کا دل دکھ اور انجانے خدشات سے بھر گیا..... جاتے وقت وہ رابطے میں رہا اور جاتے ہی کال کرنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ ارمش بولائی بولائی ہاتھ میں سیل فون لیے گھوم رہی تھی۔ ایک ایک پل انتظار پر محیط تھا۔ سارا دن ہوگیا..... کوئی رابطہ کوئی کال..... کوئی میسج نہ ملا..... ارمش پاگلوں کی طرح موبائل کو تک رہی تھی۔ گھر والوں کی بھی یہی حالت تھی۔ دوست کا نمبر بھی شمریز دے کر گیا تھا۔ اس نمبر پر طالب اور فصاحت کال کر رہے تھے مگر وہ نمبر بند جا رہا تھا۔ عجیب پریشانی اور ٹینشن سوار تھی۔ ایئرپورٹ تک رابطہ رہا اور پھر..... رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔ رات ہوگئی تھی..... شمریز نے بتایا تھا کہ دوست کے توسط سے سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ساری باتیں غلط تھیں۔ فصاحت صاحب اور طالب اور شمس الدین پریشان ادھر ادھر بھاگتے دوڑتے رہے۔ نہ دوست کا کوئی اتہ پتہ تھا اور نہ ہی شمریز کا۔

ارمش کی حالت تو پاگلوں جیسی ہوگئی تھی۔ ایک، دو، تین..... اور دن پر دن گزرتے چلے گئے..... نہ یہ لوگ پیسوں سے اتنے مستحکم تھے کہ دبئی چلے جاتے اور اگر جاتے بھی تو وہاں پر اسے کیسے ڈھونڈتے.....؟ کوئی اتا پتہ نہ تھا۔ خیر خبر نہ تھی۔ عاطفہ اور فصاحت کی حالت بھی ابتر ہو چلی تھی۔ جوان جہان بیٹا یوں اچانک سے غائب ہوگیا تھا۔ عاطفہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ یہی حال غوثیہ بیگم اور ارمش کا بھی تھا۔ لوگ ارمش سے کھوج لگا رہے تھے سوالات کر رہے تھے کہ شمریز نے کبھی کسی اور دوست کا ذکر تو نہیں کیا؟ کوئی نمبر؟ کوئی رابطے کا طریقہ؟ ارمش خود ہی لاچار تھی..... بے بس اور اذیت کا شکار..... اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ آخر شمریز نے یہ کیوں کیا؟ وہ کہاں غائب ہوگیا؟ کہاں چلا گیا..... کیوں کوئی رابطہ نہیں کر رہا.....؟ دن پہ دن گزرتے گئے ہر دن اذیت سے دوچار ہو کر گزرتا ہر رات کرب ناک ہوتی۔ ایک آس ایک امید پر ارمش ہر بار موبائل کی طرف دوڑتی..... پتھرائی ہوئی آنکھیں موبائل پر جمی تھیں تو کبھی دروازے کی طرف کہ اچانک سے شمریز سامنے آجائے گا..... مگر ہر تکلیف دہ دن کا انجام بے بسی کے ساتھ رات تک آ پہنچتا..... اور ایک اذیت ناک دن کے ساتھ اذیت ناک رات بھی گزر جاتی..... کھانے پینے کا ہوش تھا نہ کسی اور چیز کا..... ہر وقت ایک ہی سوچ ایک ہی ذکر اور ایک ہی فکر رہتی..... شمریز..... شمری..... اور صرف شمری۔

شروع شروع میں تو شمس الدین خود بھی پریشان رہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بدلنے لگے..... ان کے دل میں بہن اور بہنوئی کی طرف سے بال آگیا تھا۔ ان کے خیال میں شمریز کا رشتہ زبردستی طے کیا گیا تھا۔ شمریز اونچے خواب دیکھنے والا لڑکا تھا اور اس کو عام سی لڑکی سے شادی کرنے پر یقیناً اعتراض ہوگا..... وہ وقتی طور پر مان گیا مگر دل سے وہ اس رشتے سے خوش نہیں تھا۔

"نہیں بھائی جان..... ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ شمریز کی پسند اور خواہش سے ہی ہم نے یہ قدم اٹھایا..... وہ اس رشتے سے خوش تھا..... وہ ارمش سے محبت کرتا ہے۔ وہ تو ہم سب کو آسائش دینا چاہتا تھا وہ..... ایسا ہرگز نہیں ہے..... ہمیں اپنی تربیت پر اعتماد ہے بھائی جان..... اپنے دل سے شمریز کے لیے کدورت نکال دیں وہ ہمیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ہم سب سے پیار کرتا ہے اور اگر اسے اس رشتے پر اعتراض ہوتا تو وہ صاف منع کر دیتا..... مگر..... رشتے کی بات اسی نے اٹھائی..... اس کی چاہ پر ہی ہم لوگ آگے بڑھے۔" عاطفہ کہتے ہوئے رو پڑیں۔

"تم خود ہی سوچو عاطفہ..... ہر جگہ..... یہ بات مشہور ہے کہ ارمش کا رشتہ پھوپو کے ہاں طے ہو چکا ہے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے اور یوں اچانک سے شمریز نے باہر جانے کی بات کی اور ایسا غائب ہوا کہ ایک سال ہوگیا پلٹ کر خبر تک نہ لی..... اسے نہ اپنی عزت کا خیال ہے نہ ہماری حتیٰ کہ ماں باپ کو بھی بھول چکا ہے۔ میں کیا کہوں اس کی حرکت پر..... کیا جواب دوں اپنے دوست احباب کو..... کب تک اپنی بیٹی کے صبر کو آزماؤں؟"

”بھائی جان..... ہم خود کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ ارمش آپ کی نہیں ہماری بھی بیٹی ہے۔ اپنے دکھ کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کا بھی دکھ ہے۔ ہم خود کو اس کے سامنے شرمندہ محسوس کررہے ہیں لیکن ہم خود مجبور لاچار اور بے بس ہیں ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ سوائے دعا کے۔“ اس بار عاطفہ باقاعدہ رو پڑیں ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ فصاحت صاحب بھی آبدیدہ تھے۔

”میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔“ شمس الدین کچھ دیر توقف کے بعد بولے۔ غوثیہ بیگم، عاطفہ اور فصاحت ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

”اگر..... شمریز کی ایک ہفتے کے اندر اندر کوئی خیر خبر آجاتی ہے کوئی رابطہ ہوجاتا ہے تو ٹھیک اور اگر اس کی طرف سے یونہی خاموشی رہی تو.....؟“ وہ کچھ دیر کے لیے رکے..... سب مکمل طور پر شمس الدین کی طرف متوجہ تھے۔ ”تو..... پھر شمریز کی بجائے..... طالب سے ارمش کی شادی ہوگی.....“ شمس الدین نے ٹھوس لہجے میں بات مکمل کی تو حیرت سے سب کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

”یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی صاحب..... ایسا کیسے ممکن ہے؟ طالب کے لیے میں نے اپنے بھائی کی بیٹی کا رشتہ طے کیا ہوا ہے بھائی جان۔“ فصاحت صاحب شمس الدین کی بات پر بھڑک اٹھے۔

”بھائی جان..... ایسا ناممکن ہے۔“ عاطفہ کو بھائی کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ کیسی فضول اور بے تکی بات کررہے تھے۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ ایسا کیسے ممکن ہے.....؟ شمریز کی جگہ طالب کیسے لے سکتا ہے اور..... طالب کی بات طے ہوچکی ہے۔“ غوثیہ بیگم شوہر کی بات پر بدحواس ہوکر بولیں۔

”ممکن تو یہ بھی نہ تھا کہ وہ لڑکا..... ہم سب کو بے وقوف بنا کر اڑن چھو ہوگیا۔ اگر ایسا ممکن ہے تو ٹھیک، ورنہ..... ورنہ.....“ شمس الدین نے بہن اور بہنوئی کو غور سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر قطعیت نمایاں تھی۔

”ورنہ..... بھائی جان اللہ کے لیے ایسی ویسی بات نہ کیجیے گا..... میرا آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ آپ میرے باپ بھی ہیں.....“ عاطفہ بیگم نے بے بسی سے بھائی کے گمبھیر چہرے کی طرف دیکھ کر مغموم لہجے میں کہا۔

”اللہ کے واسطے..... اپنے فیصلے پر نظر کریں..... آپ ایک کے ساتھ نہیں بلکہ چار چار لوگوں کے ساتھ زیادتی کررہے ہیں۔ یہ کیسی بے تکی بات کررہے ہیں آپ اگر شمریز سے نالاں ہیں تو اس کی سزا دوسروں کو تو نہ دیں۔“ غوثیہ بیگم نند کی شکل دیکھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولیں۔

”غوثیہ..... تم اس معاملے میں چپ رہو۔ یہ میری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے..... اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے..... اور یہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔“ شمس الدین دھاڑے۔

”پاپا اللہ کے لیے ایسا فیصلہ نہ کریں..... میں صرف اور صرف شمریز کا انتظار کروں گی۔ مجھے یقین ہے وہ لوٹ کر آئیں گے۔ ان کی خاموشی کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے..... وہ جھوٹے، مکار یا فریبی نہیں ہیں۔ پلیز..... ایسا مت کریں۔“ ارمش درمیان میں آکر شمس الدین کے سامنے گڑگڑائی۔

”ارمش..... تمہیں اپنے فیصلے کرنے کی اجازت کس نے دی.....؟ چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ پلٹ کر ارمش سے مخاطب ہوئے۔

”پاپا.....“ ارمش ہاتھ جوڑے بے تحاشہ رو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر غوثیہ بیگم، ربش اور عاطفہ بھی رو پڑے۔

”عاطفہ..... کان کھول کر سن لو اور فیصلہ اب تم نے کرنا ہے۔ طالب کی بارات لے کر عید کے بعد آجانا یا پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر کے اور میرے دل کے دروازے خود پر بند سمجھ لینا۔“ شمس الدین کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

”یااللہ بھائی جان..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ.....!“ عاطفہ تڑپ کر آگے بڑھیں۔ فصاحت کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا تھا۔ انہیں شمس الدین کی بات سے شدید دکھ ہوا تھا۔ ان کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔

”عاطفہ.....“ انہوں نے آگے بڑھ کر عاطفہ کا ہاتھ تھاما۔ ”اٹھو اور گھر چلو۔“ فصاحت صاحب کے لہجے میں سختی تھی۔

”فصاحت.....“ عاطفہ نے بے چارگی سے شوہر کی طرف دیکھا۔

”گھر چل رہی ہو یا میں جاؤں.....؟“ فصاحت صاحب کے بگڑتے تیور اور تیکھا انداز دیکھ کر عاطفہ سہم گئیں..... عجیب کشمکش کا شکار تھیں ایک جانب بھائی کی کڑی اور بے تکی شرط اور دوسری جانب شوہر اور بیٹے..... انہوں نے روتے ہوئے پہلے بھائی کی طرف دیکھا پھر بھاوج کی طرف اور پھر شوہر کے ساتھ

کمرے سے نکل گئیں۔ یہ کیسا طوفان آ گیا تھا۔ ایک طرف شمریز کی غیر موجودگی ساتھ ہی شمس الدین کے بے تکی شرط۔ عجیب منطق تھی شمس الدین کی...... ارمش کا رو رو کر برا حال تھا۔ اس نے ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ طالب کیسے مان لیتا اسے بچپن سے ہی معلوم تھا کہ اس کے لیے ملیحہ کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔ وہ ارمش کو بھائی کے روپ میں دیکھتا تھا۔ ویسے ہی چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کرتا...... اس کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا...... لیکن...... دو دن تک وہ ماں کی حالت دیکھتا رہا...... بھائی اور بھاوج کے لیے جان دینے والی عاطفہ کی طبیعت بہت خراب تھی جب سے شمس الدین کے گھر سے آئی تھیں بی پی ہائی تھا۔ رو رو کر آنکھیں انگارہ بن چکی تھیں بالآخر طالب نے دل پر پتھر رکھ کر ماموں کا فیصلہ ماننے کی حامی بھری...... اسے یہ رشتے زیادہ عزیز تھے۔ اس نے نہ جانے کیا کہہ کر ملیحہ سے بات کی ملیحہ نے اسے اجازت دے دی گو کہ فصاحت صاحب اس بات کے حق میں نہیں تھے مگر بیگم کی حالت اور طالب کی رضامندی کے بعد انہوں نے بھی دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ فطرتاً نرم مزاج اور فصاحت پسند تھے۔ بھائی کے سامنے مجبوریاں بیان کیں۔ نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں اور ایک بار پھر عاطفہ بیگم شمس الدین کے گھر پر موجود تھیں۔

"بھائی جان...... ہمیں آپ کی شرط منظور ہے لیکن...... آپ سے جدائی یا قطع تعلق ہونا منظور نہیں...... میں فصاحت اور طالب نے فیصلہ کیا ہے کہ ارمش ہمارے گھر کی بہو بنے گی...... سوچا تھا کہ میرے شمریز کی دلہن بنے مگر...... قدرت کو یہ تعلق منظور نہ تھا۔ آپ شادی کی تیاریاں کریں ان شاء اللہ عید کے فوراً بعد ہم ارمش کو بیاہ کر لے جائیں گے۔"

"نہیں...... نہیں...... پھوپو۔" ارمش نے تڑپ کر پھوپو کا بازو تھام لیا...... "یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کے لہجے میں کرب نمایاں تھا اس کے آنسو اس کے جذبات کی گواہی دے رہے تھے۔

"ارمش...... تم اندر کمرے میں جاؤ......" شمس الدین کی گرج دار آواز پر ارمش نے بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

"امی جی پلیز...... پاپا کو سمجھائیں...... یہ کون سی منطق ہے؟ کون سا حل ہے جو انہوں نے نکالا ہے۔ یہ مجھ سے محبت نہیں دشمنی ہے امی۔" وہ ماں کے سامنے بلک رہی تھی...... مگر شمس الدین اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ نہ جانے ان کے ذہن میں یہ کیوں سما گیا تھا کہ شمریز نے یہ سب چال چلی ہے۔ وہ ڈرامے باز لڑکا ہے...... ساری التجائیں رونا دھونا تاویلیں سب کچھ دھرے کے دھرے رہ گئے اور شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ارمش جو پہلے ہی شمریز کی جدائی سے نڈھال تھی اب اس وقت موجودہ صورت حال سے بالکل ہی بدحواس ہوگئی تھی...... اس کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا آسان نہ تھا...... شمس الدین کا فیصلہ بے تکا اور بے جوڑ لگ رہا تھا مگر فیصلہ ہو چکا تھا اور اس فیصلے پر عمل درآمد کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی تھیں۔ اربش ارمش کے دل کا حال جانتی تھی۔ وہ بھی ارمش کے لیے روتی تھی مگر آہستہ آہستہ اس کو بھی پاپا کے فیصلے میں مثبت پہلو نظر آنے لگا یا وہ ارمش کو سنبھالنے کی خاطر خود کو بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رؤف ویسے بھی چھوٹا تھا مگر اسے آپا کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا اسے شمریز بھائی پر غصہ آتا ایک ان کی چپ اور خاموشی نے خاندان کو پریشان کرکے رکھ دیا تھا۔ کتنے دل ٹوٹ رہے تھے۔ بے جوڑ اور زبردستی کے رشتے طے ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

رمضان المبارک شروع ہوا...... عبادات کا مہینہ اور دعاؤں کی قبولیت کا ماہ مقدس...... ارمش کی ہر دعا میں شمریز شامل ہوتا وہ تڑپ تڑپ کر شمریز کو پکارتی...... اللہ پاک کے آگے سر بسجود ہو کر ساری ساری رات روتی رہتی۔ اسے لگتا گھر کا ہر فرد بے حس ہوگیا ہے۔ کسی کو بھی ارمش کی پروا نہیں ماہ مقدس دھیرے دھیرے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہر آنے والا دن ارمش کے لیے تکلیف دہ ہوتا۔ عید کے بعد......؟ یہ تصور ہی اس کے لیے سوہان روح ہوتا کہ وہ شمریز کی بجائے طالب کی ہونے والی ہے۔ کبھی کبھی دل چاہتا کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو جائے نہ وہ رہے نہ دکھ اور یہ عذاب سہہ سکے۔ لیکن...... وہ مجبور تھی ایسی حرکت کرکے اپنی فیملی کو مزید پریشانی میں ڈالنے کا سوچ کر اسے جھرجھری آتی...... وہ صرف اور صرف اللہ پاک سے گڑگڑا کر اپنی بھلائی کے لیے دعائیں مانگتی شمریز کی سلامتی اور لوٹ آنے کی دعائیں ہر وقت اس کے لبوں پر مچلتی رہتیں۔

ایک وادی عشق کی وادی تھی
جہاں پیار کے پنچھی بستے تھے
جب ملتے تھے تو وہ ہنستے تھے

اور پیار کے سپنے بنتے تھے
جب چاندنی راتیں آتی تھیں
جھیلوں میں پریاں گاتی تھیں
جب رت بہار کی آئی تھی
وہ پیار کے نغمے گاتے تھے
ایک دوسرے میں گم ہوکر
ساری دنیا بھول جاتے تھے
وہ مل کر خواب بنتے تھے
اور پیار کی کلیاں چنتے تھے
پھر زور کی ایسی آندھی آئی
سپنے ان کے بھی ٹوٹ گئے
وہ اک دوجے سے روٹھ گئے
اب جھیل میں پریاں گاتی نہیں
نہ پنچھی کوئی مسکاتا ہے
وہ دونوں ساتھی بچھڑ گئے
سپنے ان کے سب سے اجڑ گئے
جو آنکھیں ہر دم ہنستی تھیں
ان آنکھوں میں دکھ بستے ہیں
دل رو رو کر یہ کہتا ہے
یہ پیار کی باتیں جھوٹی ہیں
اقرار کی باتیں جھوٹی ہیں
ایک بیرن جی نہ پائے گی
دکھ کس کو دکھلائے گی

(شاعرہ: نزہت جبیں ضیاء)

شب قدر آ گئی..... برکتوں رحمتوں نوازشوں اور عطا کرنے والی رات..... اس رات کے تقدس سے اس کی عطا سے ہر مسلمان فیض یاب ہونے کے لیے رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنی اپنی حاجات کی تکمیل کی گزارش کرتا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر بخشنے والی رات ہے جس میں طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنا بندے کی جستجو اسے اپنے رب سے قریب سے قریب تر کردیتی ہے۔ عطا کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بس مانگنے والے لب اور اٹھے ہوئے ہاتھ چاہئیں..... رب تعالیٰ سے بندے کا تعلق..... اس کی خواہشات' اس کی حسرتیں' تمنائیں' دعائیں..... سب کچھ..... پوری ہوتی ہیں..... دلوں کی تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ طلب بڑھ جاتی ہے اور صرف دل سے مانگی دعائیں رد نہیں ہوتیں..... جب انسان اپنے رب کے آگے سر بسجود ہوجاتا ہے تو اس کا براہ راست تعلق رب سے ہوجاتا ہے۔ طلب کی حاجت لے کر گڑگڑا کر' رو رو کر وہ اپنے گناہوں کی معافی کا طالب ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں کی قبولیت کا متمنی ہوتا ہے۔ یہی حال اس وقت ارمش کا تھا۔ وہ جائے نماز پر سجدے میں پڑی گڑگڑا رہی تھی..... تڑپ رہی تھی۔ رو رو کر فریاد کررہی تھی۔ اپنی حاجت پوری ہونے کی دعائیں اسے ہوش وخرد سے بیگانہ کیے ہوئے تھیں۔

دو دن قدرے سکون سے گزرے..... ارمش نے خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرلیا تھا لیکن عیدالفطر کا چاند نظر آیا تو بے چینیاں بڑھ گئیں' سکون غارت ہوگیا' ایک بار پھر دل بے تاب تڑپ اٹھا۔ آنکھوں میں مچلتے آنسو اور لبوں پر فریاد آ گئی۔ بے قراریاں عروج پر تھیں..... کچھ دیر بعد عاطفہ کے گھر سے عیدی آنے والی تھی۔ اربش اسے بلانے آئی اور وہ تڑپ رہی تھی اربش کمرے سے جاچکی تھی۔

عید آئی ہے تم بھی آجاؤ' کچھ باتیں یاد دلانی ہیں
کچھ قصے تمہیں سنانے ہیں' کچھ یادیں پھر دہرانی ہیں
وہ پنگھٹ ابھی ویسا ہے اور پنچھی روز آتے ہیں
جو آنکھیں ہنستی رہتی تھیں' ان آنکھوں میں اب پانی ہے
پھر چاند ندی میں اترا ہے اور یاد تمہاری آئی ہے
پھر عید کی گہما گہمی ہے' پر میرے سنگ ویرانی ہے
میری نظر لگی ہے رستے پر اور راہ تمہاری تکتی ہے
تم آؤ تو عید مناؤں میں' مجھ کو بھی عید منانی ہے
میری سونی کلائی مہک اٹھے' میرا روپ پھر سنور جائے
تمہیں مجھ کو کنگن پہنانے ہیں' بالوں میں کلیاں سجانی ہیں

(شاعرہ: نزہت جبیں ضیا)

اچانک ہی ڈرائنگ روم کی طرف سے آتے بے ہنگم شور پر ارمش چونکی..... گھبرا کر باہر کی جانب بھاگی..... عاطفہ وغیرہ آچکے تھے لیکن یہ کیسا شور تھا۔ وہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑی..... عین سامنے..... بابا سے گلے ملتا ہوا..... ارمش نے آنکھیں مسلیں..... خود کو جاگتا ہوا محسوس کرنے کے لیے بے ساختہ پلکیں جھپکیں..... شمریز..... وہ..... وہ تو شمریز تھا۔ ہاں شمری..... ارمش یقین اور بے یقینی کی کیفیت بھی تھی۔ لگتا تھا کوئی خواب دیکھ رہی ہو..... تب ہی عاطفہ کی نظر اس پر پڑی۔

"ارمش......" عاطفہ دوڑ کر اس کے پاس آئیں...... اس سے پہلے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتی...... اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا اور...... وہ گرتی چلی گئی...... گرتے ہوئے بند ہوتی آنکھوں سے اپنے اوپر جھکے ہوئے اور اسے سنبھالتے ہوئے شمریز کو دیکھ چکی تھی۔

آنکھ کھلی تو خود کو بیڈ پر پایا آس پاس سب لوگ جمع تھے۔ آنکھ کھلتے ہی گھنٹہ بھر پہلے کا سین یاد آ گیا۔ بالکل سامنے شمریز کھڑا تھا...... گرے کرتے اور وائٹ شلوار میں مضمحل اور کمزور سا۔

"شمریز......" وہ زیرلب بڑبڑائی۔

"ہاں...... شمریز ہی ہوں......" شمریز تیزی سے آگے بڑھا۔

"آپ...... آپ...... کہاں تھے؟" وہ ہذیانی انداز میں چیخی اور اٹھنے لگی۔

"ارمش...... یہ بہت لمبی اسٹوری ہے۔ شمریز کے ساتھ بہت برا ہوا...... یہ بے قصور ہے۔ ہم نے اس کے بارے میں سب جان لیا ہے۔ بس شکر ادا کرو بیٹا کہ اللہ پاک نے اس کو صحیح سلامت ہمارے درمیان بھیج دیا۔" غوثیہ بیگم نے آگے بڑھ کر ارمش کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ارمش...... دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رونے لگی۔ تب شمریز آگے آیا اس کے ہاتھ تھامے سب لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔

"آئی ایم ویری سوری...... ارمش تم سچ کہتی تھیں مجھے یہیں رہنا تھا' تم لوگوں کے ساتھ' تم لوگوں کے پاس' میں نے غلطی کی کہ یہاں سے گیا اور اپنے ساتھ ساتھ تم سب لوگوں کو اتنے عرصہ ذہنی اذیت کا شکار کیا...... دراصل وہ میرا دوست انتہائی کمینہ نکلا' وہ اسمگلر تھا اسے میری کمزوری کا علم تھا۔ اس نے میرے ساتھ چیٹنگ کی اور میرے بیگ میں ہیروئن چھپا کر بھیجی' میں وہاں جاتے ہی پکڑا گیا۔ میں تو بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ دن رات روتا رہتا تھا تم لوگوں کو یاد کر کے' ایک ایک لمحہ سولی پر لٹکا رہتا تھا' کوئی میری بات سمجھنے سننے کو تیار نہ تھا۔ وہ تو ایک دن ایک پاکستانی آفیسر وہاں آیا اور میں نے اسے تمام احوال سنایا۔ انہوں نے اپنی تمام کوششیں کیں اور پھر بھی اس تمام کارروائی میں سوا سال کا وقت لگ گیا۔ میں نے ایک ایک پل بہت عذاب میں گزارا ہے۔ بہت تڑپا ہوں' بہت رویا ہوں...... اللہ پاک کو مجھ پر رحم آ گیا اور...... میں آج افطار سے کچھ دیر پہلے یہاں پہنچا...... یہاں آ کر یہ سب پتہ چلا...... یار میں نے تو اچھے مستقبل کے خواب دیکھے اور بھروسے میں مارا گیا......" شمریز کہہ رہا تھا اور ارمش آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اف کتنی اذیت میں تھے آپ...... تنہا...... ہم تو اتنے سارے تھے مگر پھر بھی ایک ایک لمحہ عذاب تھا ہمارے لیے...... اور آپ......؟" بے ساختہ روتے ہوئے وہ شمریز سے لپٹ گئی۔

"بس...... بس...... اب نہیں رونا...... شکر اللہ پاک کا رب نے کرم کیا اور میں بروقت پہنچ گیا۔ دیکھو ہماری لگن سچی تھی تب ہی تو اللہ پاک نے ہمیں پھر سے ملوا دیا آج چاندرات ہے اور اس چاندرات کی خوشیوں کو دوبالا کرنے ہم پھر سے ایک ساتھ ہیں۔" شمریز آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ وہ بھی اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی کہ ایک بار پھر سے خوشیاں ان کے آنگن میں اتر آئی تھیں۔ کچھ دیر پہلے تک جو چاندرات ارمش کو دکھ اور اذیت سے دوچار کر رہی تھی اب اچانک ہی خوشگوار لگنے لگی تھی۔ شمس الدین کچھ شرمندہ لگ رہے تھے۔

دلوں کے میل اور کدورتیں ڈھل چکی تھیں۔ ایک بار پھر 'شمسی ہاؤس' میں خوشیوں بھرے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ شادی کے تصور سے ارمش کے گالوں پر شرم و حیا چھلک رہی تھی وہ شمریز کی والہانہ نگاہوں کی زد میں تھی۔ جب کہ طالب کے دل سے منوں بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔ ارمش' طالب اور روف مل کر بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ بزرگ ڈرائنگ روم میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے۔ جب کہ ارمش اور شمریز اس رات کو زندگی کی یادگار رات بناتے ہوئے مستقبل کی پلاننگ کر رہے تھے۔ ارمش کو آج کی چاندرات زندگی کی سب سے حسین چاندرات لگ رہی تھی۔ جس میں اس کو شمریز کی واپسی کی صورت میں زندگی کی امید اور بے تحاشہ خوشیاں مل گئی تھیں۔ لگتا تھا اس کے ساتھ ساتھ ساری کائنات مسکرا رہی ہو۔

جنون سے عشق تک

سمیرا شریف طور

نہ میرے قلم سے لکھی گئی نہ میری زباں سے ادا ہوئی
جو نظر سے کہنے کی بات ہے کسی حروف میں نہ سمائے گی
کوئی پھول چنتا ہے کس طرح، کوئی دھول ہوتا ہے کس طرح
یہ وقت وقت کی بات ہے تجھے زندگی بتائے گی



گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاہور سے آئے مہمان افکن، شایان، زوبیہ اور فرح آؤٹنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے لاتعلق ایک جگہ جا کھڑی ہوتی ہے افکن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتا ہے تب ہی ٹیپو (شہرینہ کا بھائی) شایان سے کنسرٹ میں چلنے کی بات کرتا ہے لیکن افکن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ دلا جاتا ہے اور وہ اس کنسرٹ میں جانے پر بضد ہوجاتی ہے تب ہی شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے موبائل پر اس کے کلاس فیلو زین کی کال آتی ہے جس سے وہ بے تکلفی سے باتیں کرتی افکن کو ناگواری سے دوچار کرجاتی ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئمنگ پریکٹس پر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھنجلاتی زین سے پک کرنے کا کہتی ہے تب افکن فائقہ بیگم سے شہرینہ کو کالج ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ دلا جاتا ہے وہ کسی بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ افکن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کرتی ہے جس پر افکن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہے شہرینہ تلملا کر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب کالج میں فریحہ اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کردیتی ہے جس پر صبا اور حوریہ (کالج فیلو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ افکن کی تصویر انہیں نہیں دکھاتی صبا اور حوریہ اس کے ساتھ افکن سے ملنے گھر آجاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے سوئمنگ پریکٹس پر نہیں جاسکی تھی فائقہ بیگم حسب پروگرام عثمان صاحب کے ڈرائیور کے پاس کسی انویٹیشن پر جاچکی ہوتی ہیں جبکہ افکن بھی ابھی گھر پر نہیں ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں اماں بی سے ملواتی ہے فرح بھی ان سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ افکن گھر آتا ہے تو ملازمہ سے فرح کو اماں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حوریہ بھی افکن سے ملنے کو بے تاب ہوجاتی ہیں تب شہرینہ انہیں اماں بی کے کمرے میں لے آتی ہے۔ صبا اور حوریہ اماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہوجاتی ہے ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے فرح اس سے افکن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب سے اماں بھی افکن اور شہرینہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی پڑھائی کی وجہ سے انکار کردیتے ہیں اماں بی کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی ضد اس رشتے میں بگاڑ پیدا نہ کردے لیکن عثمان صاحب اس بات کی گارنٹی لیتے ہیں۔ فرح، شہرینہ، زوبیہ اور شایان چاروں شاپنگ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں اور وہیں مال میں افکن سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......☆☆☆......❁

افکن کے الفاظ فائقہ کے دل میں عجیب سا تاثر چھوڑ گئے تھے۔

"انسان جو بھی کرتا ہے وہ اچھے کے لیے کرتا ہے لیکن اگر علم ہوجائے کہ اس کے فیصلے کیا نتائج لے کر آئیں گے تو شاید وہ کبھی غلط فیصلے نہ کرے اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسان کبھی بھی اپنے فیصلوں کو غلط نہیں سمجھتا....." وہ کھڑا ہوا۔ "ایک ضروری کام ہے وہ دیکھ لوں....." وہ کہہ کر چلا گیا اور فائقہ گم صم سی اپنی جگہ بیٹھی رہیں۔ ان کے اردگرد ان کا ماضی گھوم رہا تھا جس میں پھنس کر ان کی ساری زندگی عجیب سے انداز میں الجھی ہوئی تھی ان کا ماضی ان کی ساری خوشیاں نگل گیا تھا۔

❁......☆☆☆......❁

فائقہ اور فائزہ دو بہنیں ہی تھیں..... ماں باپ کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ اماں بی وسیع جائیداد کی مالک تھیں جو ان دونوں بہنوں کی صرف خالہ ہی نہیں تائی بھی تھیں انہوں نے ان دونوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی تھی ماں باپ کی یکے بعد دیگرے وفات کے بعد وہ ان دونوں کو ساتھ ہی لے آئی تھیں۔ دونوں تعلیم میں اچھی تھیں انہوں نے جہاں تک ممکن ہوسکا دونوں بہنوں کی تعلیم کا خاص

خیال رکھا تھا۔ فائزہ ابھی گریجویشن ہی کر پائی تھیں جب اماں بی نے ان کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے کرادی تھی جبکہ فائقہ نہ صرف ذہین تھی بلکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا اماں بی نے فائقہ کے لیے کبھی تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ آنے دی تھی۔ فائقہ لاہور کے کسی تعلیمی ادارے میں داخلہ نہیں لینا چاہتی تھی اماں بی نے اس کی خواہش کے مطابق اسلام آباد میں اس کا داخلہ کروا دیا تھا اور پھر اس کی رہائش کا انتظام بھی ہاسٹل میں ہوگیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اس کا خواب تھا۔ ان دنوں عثمان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر گیا ہوا تھا۔ بابا صاحب کچھ سالوں سے سیاست میں بہت زیادہ انوالو تھے ان کا ارادہ اپنی اولاد کو بھی سیاست میں لانے کا تھا۔ عثمان فاروق کا انٹرسٹ مکمل طور پر بزنس کی طرف تھا لیکن عثمان بابا صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہوچکی تھی جبکہ فائقہ شدت سے عثمان کے پاکستان آنے کی منتظر تھی۔ اماں بی نے واضح الفاظ میں سارے خاندان میں کہہ دیا تھا کہ وہ عثمان فاروق کی شادی صرف اور صرف فائقہ سے کریں گی۔

ہاسٹل میں قیام کے دوران فائقہ کی دوستی ماہ آرا سے ہوئی تھی۔ فائقہ اسے دیکھ کر کافی دیر تک مبہوت رہ گئی۔ اتنا مکمل حسن اس نے اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو حسن کا پرتو تھی۔

ماہ آرا ریزرو رہنے والی لڑکی تھی...... وہ ہاسٹل میں فائقہ کی روم میٹ تھی۔ وہ اپنے بارے میں کم ہی کسی سے ڈسکس کرتی تھی۔ فائقہ اسے بہت اہمیت دیتی تھی فائقہ کی کوشش سے وہ کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ دونوں کی خوب دوستی ہوگئی تھی۔ فائقہ کو یہ جان کر حیرانی ہوئی تھی کہ ماہ آرا کی فیملی اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فیملی سے ملنے نہیں جاتی تھی اور نہ ہی کوئی اس سے ملنے آتا تھا۔

ہاسٹل میں ایگزیمز کے بعد سب ہی لڑکیاں اپنے اپنے گھر رہی تھیں جبکہ ماہ آرا ابھی بھی وہیں تھی وہ پُرسکون انداز میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

''تم نہیں جارہی ہو کیا؟'' فائقہ کو اشفاق فاروق لینے کے لیے آنے والے تھے وہ بیگ تیار کررہی تھی۔

''نہیں......'' اس معاملے میں وہ ایک دم دوٹوک ہوجاتی تھی۔

''کیوں......؟'' فائقہ نے جیسے طے کرلیا تھا کہ اس کے نہ جانے کی وجہ جان کر ہی رہے گی۔

''میں اس معاملے میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ کتاب سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولی تھی۔ فائقہ کو اس کا رویہ بہت عجیب سا لگا تھا۔

''لیکن کوئی وجہ بھی تو ہونا؟'' وہ خاموش رہی تھی فائقہ نے اسے بغور دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔ پتا نہیں کیوں وہ اتنی ریزرو رہتی تھی اس سے دوستی کرنا بھی فائقہ کی ہی کوشش سے ممکن ہوا تھا اور نہ شاید وہ اس سے دوستی بھی نہ کرتی۔

''اچھا یہ بتاؤ میں چلی جاؤں تو کیا کروگی؟'' وہ بیگ کی زپ بند کرکے اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آبیٹھی تھی۔

''وہی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں...... بکس پڑھوں گی کہیں گھومنے چلی جاؤں گی یا پھر کچھ اور......'' فائقہ نے کچھ پل سوچا تھا اور پھر اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔

''ایسا کرتے ہیں اس بار تم میرے ساتھ میرے گاؤں چلو...... اشفاق بھائی آرہے ہیں ایک دو دن ہم ان کی طرف لاہور رہیں گے پھر گاؤں چلے جائیں گے۔''

''تمہارے ساتھ......! تمہارے گاؤں......؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ہاں...... اماں بی فائزہ آپی سب ہی سے تمہارا اس قدر ذکر کیا ہے میں نے...... سب ہی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔''

''نہیں یار...... اس طرح میں بھلا کیسے چلی جاؤں۔''

''کیوں اس میں کیا قباحت ہے...... لاسٹ ٹائم تم گھومنے پھرنے چلی گئی تھیں وہاں بھی جاکر تم اکیلی ہوگی میرے ساتھ چلو وہاں جاکر تم بہت انجوائے کروگی۔''

''اچھا میں کچھ سوچ کر جواب دوں گی۔''

”کل صبح اشفاق بھائی آجائیں گے..... رات بھر میں سوچ لو۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ تمام تیاری کر کے سوچکی تھی اور ماہ آرا اپنے بستر پر بیٹھی رہی۔ اس کے سونے کے بعد وہ کاریڈور میں نکل کر ٹہلنے لگی۔ اس کی زندگی بھی عجیب سی تھی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی سالوں کے بعد کی باقی ساری زندگی مختلف ہاسٹلز میں گزری تھی۔ اس کی زندگی بہت سارے لوگوں کے لیے سوالیہ نشان تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں میں بہت ساری کہانیاں مشہور ہوچکی تھیں..... وہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہتی تھی..... نہ تصدیق کرتی تھی اور نہ تردید۔ وہ بس خاموش رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی دوستی کسی سے نہ ہوسکی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی روم شیئر بھی نہ کرتی تھی۔ لڑکیاں اس سے دور بھاگتی تھیں۔ یونیورسٹی میں اس کی خوب صورتی اور ریزرو طبیعت کی وجہ سے بہت سارے لڑکے اس کی طرف بڑھتے تھے لیکن اس کے متعلق مشہور ہونے والی باتوں کو سن کر وہ خود بخود پیچھے ہٹ جاتے تھے نہ کبھی اس نے کسی کی پذیرائی کی اور نہ ہی کبھی کسی کو انکار کیا تھا۔ بس وہ نظر انداز کرنے اور خاموش رہنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہی تھی۔ ان سب میں واحد فائقہ ہی تھی جو اس کے ساتھ گھل مل گئی تھی جو اس کی بری شہرت یا اس کے متعلق مشہور کی جانے والی باتوں کو سننے کے باوجود اس سے کچھ نہیں کہتی تھی ہاں اس کے خاندان کے بارے میں جاننے کے لیے بیتاب ضرور رہتی تھی لیکن ماہ آرا کی خاموشی پر ناراض ہونے کی بجائے وہ کوئی اور بات شروع کردیتی تھی۔

ساری رات اس کی عجیب سی کشمکش میں گزری تھی۔ اگلی صبح اس نے نیچے ریسپشن سے کال کی تھی اس کی اپنی ماں سے بات ہوئی تھی۔

”فائقہ چاہتی ہے میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلی جاؤں۔“ اس کی ماں اس کی بات سن کر خاموش ہوگئی تھی۔

”میری طبیعت آج کل بہت خراب ہے..... میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں کبھی آؤ..... حسن آرا بہت بدلحاظ ہوچکی ہے..... میں نے جو رقم بھجوائی تھی وہ سنبھال کر استعمال کرنا۔

حسن آرا مجھ پر بہت زیادہ نگاہ رکھنے لگی ہے وہ ایک ایک پیسے کا حساب مانگتی ہے اب۔"

"تو میں کیا کروں؟ میرا خیال تھا فائقہ چلی جائے گی تو میں کچھ دنوں کے لیے آپ سے ملنے آؤں گی۔"

"یہ غلطی مت کرنا...... حسن آرا نے ایک بہت بڑی آسامی پھنسائی ہوئی ہے اس کا بس نہیں چلتا کہ وہ تمہیں ایک دن میں ہی اس کے ساتھ چلتا کردے۔ میں نے جس جہنم میں زندگی گزارنی تھی گزار لی میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد میرے کیے کا خمیازہ تم بھگتو......"

"میں تھک گئی ہوں ان لوگوں سے بھاگ بھاگ کر...... میں بھی کچھ گھڑیاں سکون سے جینا چاہتی ہوں......" وہ سسکی تھی۔

"تم فائقہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاؤ...... چھٹیاں گزار کر آؤ، جب واپس آؤ گی تو میں خود ملنے آجاؤں گی تم پریشان مت ہونا۔"

"جی ٹھیک ہے......" اس نے بے آواز بہتے آنسو خود ہی صاف کرلیے تھے۔ اور پھر اس نے فائقہ کو ساتھ چلنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

فائقہ بہت خوش تھی۔ اس کی دوست اس کے ساتھ اس کے گھر جارہی تھی، وہ بہت خوش ہوکر اس کے ساتھ مل کر پیکنگ کروارہی تھی۔

❁......☆☆☆......❁

وہ فائقہ کے ساتھ اس کی بہن کے ہاں آگئی تھی۔ اشفاق بھائی کے ساتھ وہ ان کے لاہور والے گھر آئے تھے۔ فائزہ بہت خوش اسلوبی سے ملی تھیں...... ان کے دو بیٹے تھے شیر افگن اور شایان...... فائزہ آپی کو بھی ماہ آرا بہت اچھی لگی تھی۔ خاموش طبع اور سنجیدہ مزاج...... وہ فائقہ کے ساتھ ہی اس کے روم میں ٹھہر گئی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔ فائزہ نے فائقہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"آپ کو بتایا تو ہے میری روم میٹ ہے...... میری دوست ہے۔"

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن کوئی خاندان، کوئی بیک گراؤنڈ اس طرح تو کوئی کسی کو اپنے نہیں گھر لے آتا ناں؟"

"کیا ہے آپی...... وہ اچھی لڑکی ہے ایک سال سے ہمارا ساتھ ہے...... بہت اچھی دوست ہے۔"

"لیکن کس خاندان سے ہے یہ سب سوچ سمجھ کر تم دوستی کرتی ناں۔"

"وہ اس سلسلے میں کبھی بات نہیں کرتی...... میں نے بھی نہیں پوچھا۔"

"چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں...... لیکن جب بھی موقع ملے تو اس کے بارے میں ضرور پوچھنا...... اس طرح کسی کو بھی محض چند ماہ کی دوستی کی بنا پر اپنے گھر لے آنا اور رکھنا مجھے اعتراض نہیں لیکن انسان کو محتاط رہنا چاہیے۔" وہ چپ چاپ کمرے میں آئی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دلان میں دیکھ رہی تھی۔

"بہت خوب صورت گھر ہے تمہاری آپی کا۔" خوب صورت لان میں رنگا رنگ پھول دور دور تک کھلے ہوئے تھے وہ گھر کی خوب صورتی دیکھ کر اندر ہی اندر ضرور متاثر ہوئی تھی۔

"یہ گھر اشفاق بھائی نے آپی کی چوائس پر بنوایا ہے گھر کی ایک ایک چیز میں آپی کی پسند شامل ہے۔"

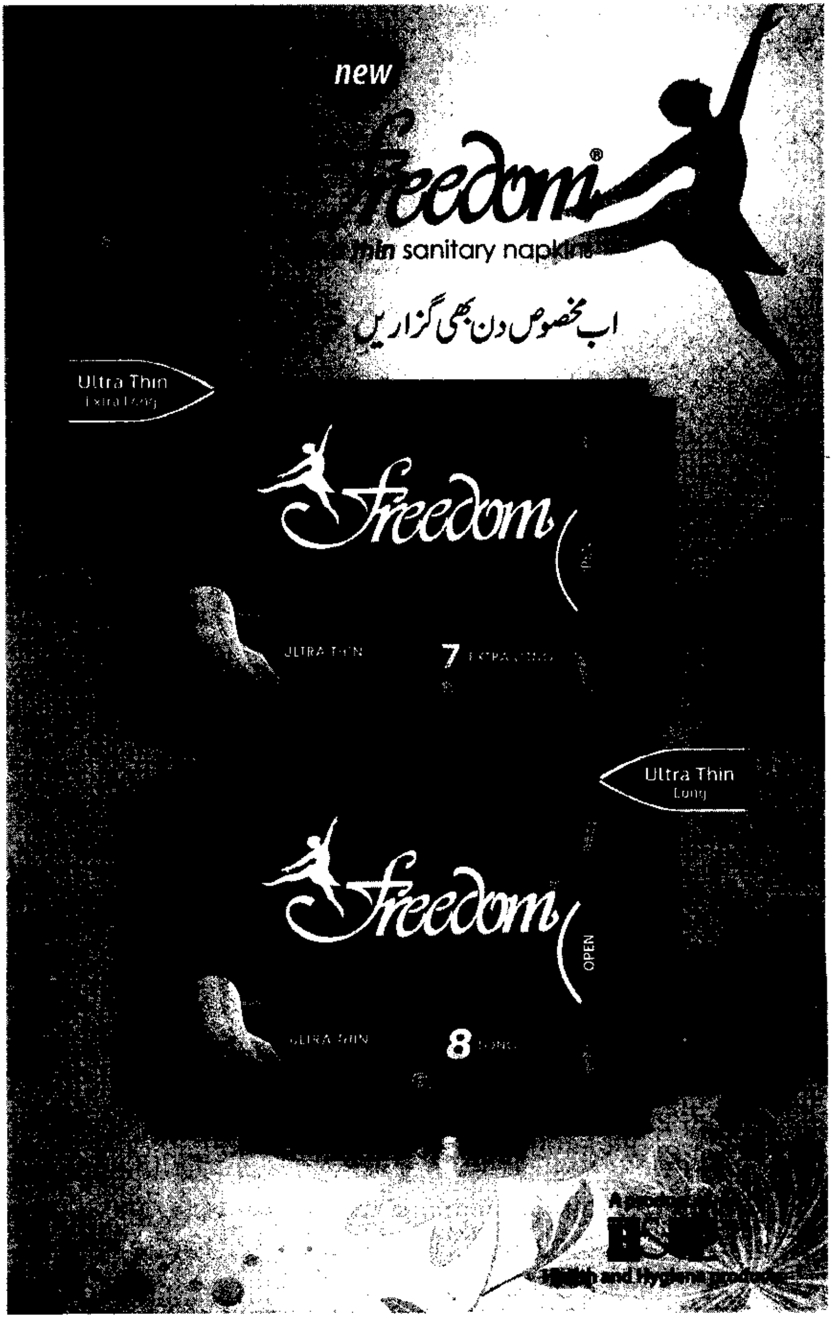
"پھر تو تمہاری آپی کا بڑا آرکیٹیکٹ ذہن ہے...... ہوم ڈیکوریشن میں ان کا ذوق تو کمال کا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں...... فائن آرٹس اور ہوم اکنامکس آپی کے پسندیدہ مضامین تھے شادی کے بعد انہوں نے تعلیم چھوڑ دی ورنہ وہ شاید اپنے سبجیکٹس میں ضرور ایکسپرٹ ہوجاتیں۔" ماہ آرا دل ہی دل میں گھر سے زیادہ مکینوں کی امارت سے متاثر ہوئی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلو اور حویلی کی ڈیکوریشن دیکھو تم تو حیران رہ جاؤ گی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ گھر کو دیکھ کر اندازہ لگا چکی تھی۔

"تم ایک اور نام لیتی ہو عثمان کا اکثر وہ کون ہے؟"


new
freedom®
thin sanitary napkins
اب مخصوص دن بھی گزاریں
Ultra Thin
freedom
7
Ultra Thin
Long
freedom
OPEN
8

"عثمان......" فائقہ مسکرائی تھی۔

"اماں بی کے دوسرے بیٹے ہیں' اشفاق بھائی کے چھوٹے بھائی...... وہ تعلیم کی غرض سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔" وہ دونوں کچھ دیر اور باتیں کرتی رہی تھیں۔ فائقہ نے اس سے فائزہ کی باتوں کا ذکر نہیں کیا تھا...... وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا دل خراب ہو۔ وہ دونوں وہاں پانچ چھ دن رہی تھیں اور فائقہ اور اس کی بہن کی فیملی کے ساتھ مختلف جگہوں پر گھومنے بھی گئی تھی اور پھر گاؤں سے ڈرائیور لینے آیا تو وہ اس کے ساتھ گاؤں آ گئی تھی۔ اماں بی بھی بہت خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ اس نے اماں بی کے سوالات کے جوابات میں خود سے ہی کہہ دیا تھا۔

"باپ کا انتقال ہو چکا ہے' ماں رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔ ماہ آرا جاب کر کے اپنی تعلیم کا خرچ پورا کر رہی ہے۔ اچھے خاندان کی لڑکی ہے' بڑی مشکل سے اس کے ساتھ آنے پر آمادہ ہوئی ہے۔" جو کہانیاں اس نے سن رکھی تھیں ان میں سے ایک کہہ دی تھی۔

"ماشاء اللہ لگ بھی کسی سلجھے ہوئے خاندان کی رہی ہے' اللہ ہمت دے بچی کو ورنہ آج کے دور میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔"

"جی بہت اچھی ہے ماہ آرا۔" اماں بی نے سر ہلا دیا تھا۔

اس نے ماہ آرا کو بھی یہی کہہ دیا تھا' دونوں اس وقت حویلی کے صحن میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

"اب تم اپنے بارے میں کچھ بتاتی تو ہو نہیں لیکن لوگ تو پوچھتے ہیں ناں' میں نے اماں بی کو کہہ دیا ہے کہ تمہارے فادر زندہ نہیں ہیں والدہ رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں اور تم جاب کرتی ہو اب اماں بی کچھ پوچھیں تو پلیز یہی بتانا۔" اور ماہ آرا وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

"تھینک یو...... لیکن یہ سچ ہے میرے والد زندہ نہیں ہیں اور والدہ بھی رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں' باقی رہ گئی جاب کی بات' اس ہاسٹل میں آنے سے پہلے تک میں واقعی جاب کرتی تھی لیکن اب چھوڑ دی ہے۔"

"کیوں چھوڑی؟"

"بس تھی ایک مجبوری......" وہ چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کی ماں کی شہرت اس کی جاب والی جگہ پر بھی پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اسے جاب چھوڑنا پڑی تھی۔

"کتنی عجیب سی بات ہے ناں ہم دوست ہیں اور تمہارے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتی۔"

"کوئی عجیب بات نہیں اس میں...... بعض اوقات ہم لوگ ساری زندگی کسی کے ساتھ گزار دیتے ہیں اور اسے جان نہیں پاتے۔"

"او کے میں تمہیں کبھی فورس نہیں کروں گی لیکن اگر تمہیں مجھ پر اور میری دوستی پر اعتماد ہوگا تو تم ضرور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔" ماہ آرا محض مسکرا دی تھی۔

ان کو حویلی آئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ عثمان کی کال آئی تھی' عثمان نے بتایا تھا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے۔ اماں بی ایک دم خوش ہو گئی تھیں...... وہ نئے سرے سے عثمان کا کمرہ سجا رہی تھیں۔ ساری حویلی کی ترتیب بدل دی تھی۔ کئی ماہ بعد عثمان واپس آ رہا تھا۔

بابا صاحب بھی خوش تھے اور فائقہ وہ تو گویا خوشی سے نہال تھی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ ماہ آرا کے ساتھ حویلی کے عقبی باغ میں آ گئی تھی۔

"بہت خوش ہو......؟" ماہ آرا نوٹ کر رہی تھی کہ جب سے اماں بی نے عثمان کی آمد کا بتایا تھا فائقہ بہت خوش تھی۔ فائقہ ہنس دی تھی۔

"ہاں......"

"بہت چاہتی ہو اپنے کزن کو۔" وہ مسکرا دی۔ وہ اکثر ماہ آرا کے سامنے عثمان سے چاہت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

"بہت کا تو مجھے نہیں علم لیکن یہ سچ ہے کہ شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی میں نے اپنے ساتھ اگر کسی کا نام سنا ہے تو وہ یہی عثمان فاروق ہیں۔ سوتے' اٹھتے' بیٹھتے' جاگتے' اگر مجھے کسی کا خیال آتا ہے تو وہ یہی عثمان فاروق ہیں...... اگر اسے محبت کرنا کہتے ہیں تو ہاں میں عثمان سے محبت کرتی ہوں۔" ماہ آرا مسکرا دی تھی۔ اس وقت اسے فائقہ بہت زیادہ حسین لگی تھی اور بہت زیادہ لکی بھی۔

انتباہ

ماہنامہ آنچل کراچی، ماہنامہ نئے افق کراچی، ماہنامہ حجاب کراچی

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آنچل وحجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد وضوابط سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی

رابطہ: 03008264242

''تمہارا خاندان تو میری توقع اور سوچ سے بھی بڑھ کر ہائی اسٹیٹس رکھتا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ تم کسی بہت اچھے خاندان سے ہو لیکن تم تو میری سوچ سے بھی بڑھ کر ہو۔'' ماہ آرا واقعی مرعوب تھی فائقہ مسکرادی تھی۔

''میرے نزدیک مرتبہ والمارات کی کوئی جگہ نہیں' اصل ویلیو تو انسان کی ہوتی ہے' اس کے اعلیٰ کردار اور عمدہ سوچ کی......باقی سب بے معنی ہے۔''

''میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے کزن کے آنے سے پہلے میں واپس ہاسٹل چلی جاؤں۔''

''ارے.....وہ کیوں بھلا؟''

''مناسب نہیں لگتا ناں وہ مجھے دیکھ کر نجانے کیا سوچے؟''

''کوئی کچھ نہیں سوچتا.....تم میری دوست ہو ان سب کے لیے یہی کافی ہے۔''

''تھینک یو تم بہت اچھی ہو۔''

''اب جواباً میں تھینک یو نہیں کہوں گی۔'' وہ دونوں ہنس دی تھیں۔ ماہ آرا حقیقتاً حویلی آنے کے بعد فائقہ کی مالی حیثیت سے آگاہ ہوئی تھی۔ چند دن گزرے تو عثمان فاروق کی آمد بھی ہوگئی تھی۔

بابا صاحب اور اماں بی بیٹے کی آمد پر بہت خوش تھے۔ بیٹا تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے واپس آ گیا تھا۔

ماہ آرا تو عثمان فاروق کو دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ مردانہ وجاہت وخوب صورتی کا شاہکار تھا وہ شخص' اس کی عثمان فاروق سے براہ راست ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ وہ جس دن آیا تھا وہ دن تو لاہور رہا تھا اور جب حویلی پہنچا تو رات کا وقت تھا۔ وہ فائقہ کے کمرے میں تھی۔ فائقہ عثمان کا انتظار کرتے لمحہ لمحہ گن رہی تھی۔ ماہ آرا کو اس کی بے چینی لطف دے رہی تھی۔

''ادھر تم یوں تڑپ رہی ہو دوسری طرف شاید اسے تمہاری پروا ہی نہ ہو۔'' اس نے مردوں کے ایسے ایسے روپ دیکھ رکھے تھے کہ وہ مرد حضرات سے متعلق کافی حقیقت پسند ہوچکی تھی۔

وہ جس جگہ سے تعلق رکھتی تھی وہاں آنے والا ہر مرد ایک الگ ہی مزاج اور طبیعت رکھتا تھا لیکن ان سب کی کمزوری کیا تھی وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی' اس کی ماں اس کی ڈھال بنی رہی تھی لیکن اس کی ماں نے اسے ہمیشہ مرد کی حقیقت سے باخبر رکھا تھا۔

''نہ ہو لیکن مجھے تو پروا ہے ناں۔'' ماہ آرا کے جواب میں فائقہ نے کہا تھا۔

''میں تو سونے چلی' تمہارے کزن کا دیدار اب صبح ہی ہوگا۔'' وہ کہہ کر کمبل سر تک تان چکی تھی۔

فائقہ اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر آ گئی تھی۔ کوئی ایک گھنٹے بعد عثمان کی آمد ہوئی تھی بابا صاحب دو دن پہلے اسے لینے گئے تھے اور اب واپسی ہوئی تھی۔

فائقہ اماں بی کے پاس آ گئی تھی۔ جیسے ہی عثمان اندر آیا اماں بی اس سے لپٹ گئی تھیں۔ سلام دعا' جذباتی مکالمے...... فائقہ آنکھوں میں نمی لیے دیکھتی رہی تھی۔ عثمان کی شخصیت اور وجاہت تو اور زیادہ نکھر چکی تھی۔ خوب صورت مردانہ قد کاٹھ اوپر سے بول چال کا انداز وہ تو مبہوت رہ گئی تھی۔ عثمان سے رسمی بات چیت ہوئی تھی۔

فائقہ کے مشاغل اور تعلیم وغیرہ جیسے سوالات کے بعد وہ اماں بی اور بابا صاحب کے ساتھ مگن ہوگیا تھا اور فائقہ وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ کر ٹکٹکی باندھے عثمان فاروق کو دیکھتی رہی تھی۔ رات گئے محفل برخاست ہوئی تو اماں بی اور بابا صاحب سونے کے لیے چلے گئے تھے۔ عثمان بھی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ فائقہ کمرے میں آئی تو ماہ آرا گہری نیند میں تھی اور فائقہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

اگلے دن بھی ماہ آرا کا عثمان سے سامنا نہ ہوسکا تھا۔ عثمان لیٹ اٹھا تھا' کھانا وغیرہ اس نے کمرے میں ہی کھایا تھا۔ کچھ دیر وہ اماں بی کے کمرے میں ان سے مل کر باہر نکل گیا تھا۔ گاؤں میں ان کی لمبی چوڑی برادری اور حلقہ احباب تھا۔ باقی سارا وقت ان سے ہی ملنے میں گزر گیا تھا۔ رات گئے لوٹا تو ماہ آرا فائقہ کے کمرے میں جا چکی تھی۔

اگلے دن ماہ آرا جلدی اٹھ گئی تھی جب کہ فائقہ ابھی سو رہی تھی وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ صبح کے وقت لان میں

ٹہلتے وہ اپنی زندگی اور اپنی ماں کی بے بسی کے متعلق سوچتی کڑھتی اپنی سوچوں میں مگن تھی کہ بے دھیانی میں سامنے سے آتے جاگنگ ڈریس میں ملبوس عثمان فاروق سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"آپ.....؟" وہ فائقہ کے پاس عثمان فاروق کی تصویر دیکھ چکی تھی لیکن اپنے سامنے کھڑے مردانہ وجاہت وخوب صورتی کے پیکر کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ اس قدر مکمل حسن.....اس قدر مردانہ شخصیت کا وقار۔

"عثمان فاروق کہتے ہیں مجھے اور آپ؟" وہ فوراً سنبھل چکا تھا اور ماہ آرا خجل سی ہوگئی تھی۔ وہ جو مورت بنی اسے دیکھ رہی تھی ایک دم سنبھلی تھی۔

"ماہ آرا....." وہ دھیمے سے بولی تھی۔

"ماہ آرا.....سوری میں پہچانا نہیں۔" اتنے رکھ رکھاؤ والی ملازمہ تو تھی نہیں تو رشتہ دار بھی نہ تھی۔

"میں فائقہ کی دوست ہوں۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

"اوہ آئی سی.....اماں بی نے ذکر تو کیا تھا کہ فائقہ اپنی کسی دوست کے ساتھ آئی ہوئی ہے۔ نائس ٹو میٹ یو۔" جواباً ماہ آرا صرف مسکرادی تھی۔

"کیا کرتی ہیں آپ.....؟" عثمان فاروق نے اسے بغور دیکھا۔

یہ نہیں تھا کہ اس نے ایسا حسن نہیں دیکھا تھا لیکن ماہ آرا کے وجود میں جو رکھ رکھاؤ تھا وہ کم ہی کہیں دیکھنے میں آتا تھا۔

"میں فائقہ کی یونیورسٹی فیلو اور روم میٹ ہوں۔" وہ دھیمے سے بولی تھی۔

"اوہ....."

"ایکسکیوز می....." وہ زیادہ دیر اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکی تھی فوراً اندر کی طرف چلی گئی اور عثمان فاروق باہر کی طرف نکل گیا تھا۔

❀.....☆☆☆.....❀

فائقہ اور ماہ آرا کو کافی بہت پسند تھی۔ فائقہ کی فرمائش پر ماہ آرا کافی بنا رہی تھی جب عثمان کی کچن میں آمد ہوئی تھی۔

"ہیلو لیڈیز کیا ہو رہا ہے؟" یہ عثمان فاروق سے ماہ آرا کا دوسرا سامنا تھا۔

"کچھ خاص نہیں..... ماہ آرا کافی بہت اچھی بناتی ہے تو اس سے کافی بنوا رہی ہوں۔"

"نائس..... پھر تو میں بھی ایک مگ پیوں گا۔" اس نے براہ راست ماہ آرا کو دیکھا تو وہ فوراً رخ بدل گئی تھی۔

"اماں بی کہاں ہیں؟" وہ کچھ دیر پہلے سو کر اٹھا تھا..... فریش ہونے کے بعد اسے اماں بی کہیں بھی دکھائی نہ دیں تو ملازمین کے بتانے پر وہ فائقہ سے پوچھنے ادھر آ گیا تھا۔

"وہ تو آپ کے منجھلے چچا کی طرف گئی ہیں ان کی سیکنڈ بہو کے ہاں کل شب بیٹا ہوا تھا اسی کی مبارک باد دینے گئی ہیں۔" فائقہ نے بتایا تھا۔

"تمہاری یہ دوست بات چیت نہیں کرتیں کیا؟" عثمان فاروق نے اسے مسلسل خاموشی سے کافی پھینٹتے دیکھا تو پوچھا۔ فائقہ ہنس دی تھی جبکہ ماہ آرا پزل ہو چکی تھی۔

"بلاوجہ الفاظ کا ذخیرہ ہم لوگ استعمال نہیں کرتے جناب۔"

"پھر تو تم لوگ بڑے باکمال ہو۔" وہ مسکرایا۔

ایک نظر پھر ان کی طرف پیٹھ موڑے اپنے کام میں مگن لڑکی کو دیکھا۔ سرخ جوڑے میں جگمگاتا چہرہ عثمان فاروق پھر ٹھٹکا تھا۔ اس لڑکی میں اسے پھر ایک لمحے کو بڑی عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی۔

"آپ ہمارے لیے کیا لائے ہیں؟" فائقہ نے کہا تو عثمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اپنے منہ سے گفٹ مانگتے ہوئے شرم تو نہیں آئے گی۔"

"اس میں شرم کیسی؟ اماں بی سے کہا تھا میں نے کہ آپ کو اچھی طرح یاد کروا دیں کہ مجھے کیا کیا چاہیے؟"

"لایا ہوں بابا سب کچھ لایا ہوں..... ذرا یہ ملنے ملانے سے فارغ ہولوں پھر وہ سب بھی دے دوں گا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ماہ آرا نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

وہ اچھی خاصی پُراعتماد لڑکی تھی لیکن اس شخص کے سامنے

اسے اپنے الفاظ گونگے بہرے لگنے لگے تھے۔ اس نے کافی بنا کر ایک مگ فائقہ کو دیا اور دوسرا عثمان فاروق کی طرف بڑھایا تھا۔

"تھینکس......" مگ لیتے ہلکا سا ہاتھ ٹچ ہوا تھا۔

ماہ آرائے نے سرعت سے ہاتھ ہٹایا تھا جبکہ عثمان فاروق حیران ہوا تھا۔ فائقہ نے نوٹ نہیں کیا تھا۔

"میں کمرے میں جارہی ہوں۔" وہ اپنا مگ لے کر فائقہ کو کہہ کر تیزی سے کچن سے نکلی تھی۔

"تمہاری اس دوست کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟" کافی کا سپ لیتے اس کا انداز پُرسوچ تھا۔

"میری روم میٹ ہے ہاسٹل میں۔"

"کہاں سے ہے؟"

"اسلام آباد سے ہی ہے۔"

"حیرت ہے پھر بھی ہاسٹل میں رہ رہی ہے؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"ان کے کچھ فیملی ایشوز ہیں اسی وجہ سے......" اس نے ٹالنا چاہا تھا' عثمان فاروق خاموش رہا تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے آپ کا آگے کے لیے؟" اس نے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی۔

"فی الحال تو میں اپنا آفس اسٹیبلش کروں گا...... اس کے بعد اگر بابا کی رضامندی ہوئی تو ان کا سیاست میں ساتھ دوں گا۔" وہ تفصیل سے اپنا پلان بتانے لگا تو فائقہ دلچسپی سے اسے سننے لگی تھی۔

❁......☆☆☆......❁

عثمان کی وطن واپسی پر بابا صاحب نے ایک بڑے پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا تھا' ان کے حلقہ احباب کی ایک وسیع لسٹ تھی جو مدعو تھی۔ اندرونی طور پر اماں بی نے بھی خاندان کے تمام لوگوں کے لیے ایک تقریب منعقد کر رکھی تھی۔ فائزہ بھی لاہور سے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے خالہ کے اردگرد گھوم رہے تھے۔ ماہ آرائے نے مدبر سلجھی ہوئی باتیں کرتے شیر افگن کو دیکھ کر سراہا تھا۔

"تمہارا یہ بھانجا مجھے بہت پسند آیا ہے......" دونوں فائقہ کے کمرے میں تھیں بچے بھی وہیں تھے۔

"یہ مجھے بھی بہت پسند ہے بلکہ اماں بی چاہتی ہیں کہ شیر افگن ان کے پاس ہی رہے لیکن یہ اسکول جاتا ہے تو لاہور میں رہتا ہے ورنہ چھٹیوں میں سارا وقت اس کا گاؤں میں گزرتا ہے۔" اس نے افگن کے گال پر پیار کرتے کہا تو افگن معصوم سا منہ بنا کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ ماہ آرائے کو اسے دیکھ کر مزید ہنسی آئی تو شیر افگن کو برا لگا تھا۔

"خالہ یہ آنی مجھ پر ہنستی ہیں۔"

"نہیں بیٹا آنی تو آپ کی تعریف کررہی تھیں۔" اس نے سمجھایا تو اس نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا...... ماہ آرائے کو اور ہنسی آئی تھی کہ چھوٹا سا لڑکا کس قدر تیز تھا۔

"میں اماں بی کے پاس جارہا ہوں چلو شایان۔" وہ شایان کی انگلی تھام کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

"امیزنگ یار...... بڑا ہی ذہین لڑکا ہے۔"

"آخر بھانجا کس کا ہے؟" فائقہ نے کالر کھڑے کیے۔

"چلو آؤ باہر چلتے ہیں اماں بی نے دوبار پیغام بھجوایا ہے۔" دونوں تیار تھیں۔

فائقہ نے اسے اپنا نیا ڈریس دیا تھا پنک کلر کے ہلکی کڑھائی والے سوٹ میں ماہ آرائے ماہتاب کی طرح دمک رہی تھی۔ فائقہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچیں تو فائزہ نے فائقہ کے ساتھ کھڑی ماہ آرائے کو بغور دیکھا تھا۔

"یہ کون ہے؟" ان کی ایک چچازاد نے بھی فائزہ سے پوچھا تھا۔

"فائقہ کی دوست ہے۔"

"بہت خوب صورت لڑکی ہے......" وہ بڑی ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ فائقہ بہت حسین لڑکی تھی لیکن ماہ آرائے کے سامنے وہ ماند پڑ رہی تھی۔ اسی دوران عثمان کسی کام سے اندر آیا تھا۔ اور ان دونوں کے پاس رک گیا تھا۔ فائزہ کے ماتھے کے تیور بدلنے لگے تھے۔

عثمان نے شاید ماہ آرائے سے کچھ کہا تھا' وہ پزل ہو رہی تھی اور پھر اس نے عثمان سے کوئی بات کی تھی' عثمان کھلکھلا کر ہنسا

تھا اور پھر فائقہ نے کچھ کہا تو وہ کندھے اچکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فائزہ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ نجانے کیوں انہیں فائقہ کی یہ دوست اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ موقع ملنے پر فائقہ کے پاس آئی تھیں۔ ماہ آرا کسی رشتہ دار لڑکی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔

''یہ تمہاری دوست واپس نہیں گئی۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''جب میں واپس جاؤں گی تو میرے ساتھ ہی جائے گی۔''

''توبہ کیسے والدین ہیں جوان جہان لڑکی کو کسی کے ہاں بے فکری سے رہنے بھیج دیا ہے۔''

''اس کے والد زندہ نہیں ہیں ماں ہے لیکن رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔'' اس نے وہی رٹی رٹائی بات ان سے کہی تھی۔

''بڑا فریب ہوتا ہے لوگوں میں اوپر سے کچھ اندر سے کچھ ایسی معصوم شکلیں تو اکثر دھوکہ دیتی ہیں۔'' وہ کسی سے باتیں کررہی تھی چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ تھی فائزہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو فائقہ ہنس دی۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں...... پہلے اس کے خاندان اور بیک گراؤنڈ کی فکر تھی وہ بتایا تو اب اس کی ذات کی طرف سے فکر مند ہورہی ہیں ایک سال سے وہ میرے ساتھ ہے اچھی طرح جانتی ہوں کوئی غلط حرکت نہیں دیکھی میں نے اس میں...... بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''پھر بھی محتاط رہو...... اور عثمان کی موجودگی میں اسے اس کے سامنے لانے کی ضرورت بھی نہیں اتنی تو حسین ہے وہ۔'' فائقہ پھر ہنس دی تھی۔

''اور ہاں میں نے اماں بی سے کہہ دیا ہے جتنی جلدی ہوسکے تم لوگوں کی انگیجمنٹ کا انتظام کریں...... جیسے ہی ایجوکیشن کمپلیٹ ہوتی ہے شادی ہوجائے گی۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں تھیں۔ فائقہ خوشگوار حیرت سے ان کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

❁......☆☆☆......❁

وہ فائقہ کے ہاں آکر بہت خوش تھی کافی سارے دن گزر چکے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ان لوگوں کی امارت سے مکمل طور پر مرعوب ہوچکی تھی۔ فائقہ کو اچانک تیز بخار نے آلیا تھا۔ اگلے دن ماہ آرا نے فون سے کال ملائی تھی۔

یہاں آنے کے بعد وہ دو تین بار سب کی غیر موجودگی میں اس فون سے اپنی ماں سے رابطہ کرچکی تھی۔ کال ملتے ہی دوسری طرف کی آواز سن کر وہ الجھی تھی۔

''اماں کہاں ہے خالہ؟'' خلاف توقع آواز سن کر وہ پریشان ہوچکی تھی۔ وہیں رہنے والی اس کی ماں کی خادمہ تھی جو بہت قابل بھروسہ خاتون تھی۔

''طبیعت کچھ دنوں سے کافی بگڑی ہوئی تھی تو پرسوں ہسپتال لے گئے تھے وہیں داخل ہیں۔''

''کون سے ہاسپٹل......؟'' خبر سن کر وہ ازحد پریشان ہوچکی تھی۔ دوسری طرف سے ہسپتال کا نام بتادیا گیا تھا۔

''میں آتی ہوں ہاسپٹل......''

''بات سنو تمہاری ماں نے سختی سے منع کردیا ہے کہ تم وہاں نہیں آؤ گی حسن آرا کو علم ہوگیا کہ تم وہاں آ گئی ہو وہ پھر تمہیں واپس نہیں آنے دے گی وہ تو ہر جگہ تمہیں ڈھونڈ چکی ہے ایک بار تمہاری یونیورسٹی بھی گئی تھی۔''

''لیکن میں اب نہیں رک سکتی...... میری ماں سخت بیمار ہے اور میں اتنی بے بس ہوں کہ اس سے مل بھی نہیں سکتی۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''حوصلہ کرو...... ماں کے لیے دعا کرو۔'' دوسری طرف سے کال منقطع ہوگئی تھی۔ وہ شدت سے رودی تھی۔

''کیا بات ہے...... کیوں رورہی ہو؟'' اس آواز پر وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی تھی۔

کچھ توقف کے بعد گردن گھما کر دیکھا تو عثمان فاروق عقب میں کھڑا بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے کون بیمار ہے؟'' وہ شاید اس کی گفتگو سن چکا تھا۔

''آپ کی والدہ بیمار ہیں کیا؟'' اس کی خاموشی پر اس نے پھر پوچھا تھا۔

"جی.....'' وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے اندر کی طرف چل دی تھی۔ وہ فائقہ کے پاس آئی تو وہ لیٹی ہوئی تھی۔

"میری امی سخت بیمار ہیں میں آج ہی واپس جاؤں گی۔"

"اوہ..... کیا ہوا انہیں؟"

"میں نے کال کی تھی ملازمہ بتارہی تھی کہ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔" وہ پھر رو دی۔ فائقہ نے اٹھ کر اسے تسلی دی تھی۔

"ٹینشن نہ لو سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"میں ابھی واپس جارہی ہوں.....'' فیصلہ کن انداز تھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"نہیں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں..... تم آرام کرو اگر تمہارا ڈرائیور مجھے ڈراپ کردے تو مہربانی ہوگی۔"

"میں اماں بی سے بات کرتی ہوں..... تم پیکنگ کرو۔"

وہ اٹھ کر اماں بی کے کمرے میں آ گئی تھی۔ عثمان وہیں تھا۔

"ماہ آرا کی والدہ کافی بیمار ہیں..... ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں وہ واپس جانا چاہ رہی ہے۔"

"اوہ کیا ہوا؟'' اماں بی نے پریشان ہوکر پوچھا تھا۔

"یہ تو نہیں پوچھا۔"

"کہاں ایڈمٹ ہیں؟"

"اسلام آباد میں ہی۔"

"اچھا..... تم تو ابھی واپس نہیں جارہی..... وہ ڈرائیور کے ساتھ اکیلی چلی جائے گی کیا؟'' انہوں نے کہا۔

"کہہ رہی تھی ڈرائیور کے ساتھ چلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں..... ویسے عثمان بھی اس وقت اسلام آباد جارہا ہے اگر اسے اعتراض نہ ہو تو عثمان اسے چھوڑ دے گا ورنہ پھر ڈرائیور تو ہے ناں۔"

"میں پوچھ لیتی ہوں۔'' فائقہ نے کہا۔

"کیوں عثمان چھوڑ دو گے اسے؟'' انہوں نے بیٹے سے بھی پوچھنا چاہا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اس لڑکی سے پوچھ لیں۔"

"چلو پوچھ لیتے ہیں۔'' اماں بی فائقہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وہ پیکنگ کررہی تھی۔

اماں بی نے عثمان کے ساتھ جانے کی بات کی تو وہ خاموش ہوگئی تھی کچھ توقف کے بعد اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔ اماں بی نے اسے کافی سارے تحائف دیئے تھے وہ لینے میں متامل تھی لیکن اماں بی اور فائقہ کے اصرار پر اسے قبول کرنے پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ عثمان کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی تھی عثمان گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

"آپ کی والدہ کو کیا ہوا ہے؟'' کافی دیر بعد عثمان نے ہی گفتگو میں پہل کی تھی۔

"وہ استھما کی مریضہ ہیں اکثر پرابلم رہتا ہے اب زیادہ تکلیف دہ صورت حال ہوگئی ہوگی۔"

"چلیں اللہ بہتر کرے گا آپ ٹینشن نہ لیں۔ کتنے بہن بھائی ہیں آپ؟'' وہ پریشان تھی تھوڑی دیر بعد وہ چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھتی تھی۔ عثمان نے نوٹ کیا تو اس کا دھیان ہٹانے کے لیے پوچھنے لگا۔

"میں اکلوتی بیٹی ہوں اپنی اماں کی....."

"والد کیا کرتے تھے آپ کے؟"

"میری پیدائش سے پہلے ہی ان کی ڈیتھ ہوچکی تھی۔"

"اوہ پھر تو بڑا مسئلہ درپیش رہا ہوگا آپ کی مدر کو.....؟"

اس نے محض سر ہلایا تھا۔

"آپ کی تعلیم کے اخراجات کیسے ادا ہوتے ہیں پھر؟"

"ہمارے ریلیٹوز اماں کو خرچ وغیرہ دیتے ہیں۔'' ایک لمبا سفر تھا عثمان تو بالکل بھی خاموش نہیں رہ سکتا تھا اور ماہ آرا وہ بھی جیسے خاموش رہ رہ کر اکتا گئی تھی عثمان فاروق کے یہ سوالات اسے برے نہیں لگ رہے تھے۔

دونوں سارے راستے کوئی نہ کوئی بات کرتے رہے تھے۔ عثمان اسے اپنے بارے میں بتاتا رہا تھا اپنی ایجوکیشن مشاغل، مصروفیات اور وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔ رستے میں ایک دو جگہ رک کر اس نے اس کے لیے کھانے پینے کے لیے کچھ اشیا بھی لی تھیں۔ پھر رستے میں ماہ آرا کو نیند آ گئی تو وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر سوگئی تھی۔

کافی سارا وقت گزر چکا تھا جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ



Perfumed Tissue by Hadeel
Quality
Hygiene Products
Available in
3 different colors

دونوں اسلام آباد میں تھے۔ جانے پہچانے رستے دیکھ کر وہ ایک دم محتاط ہوئی تھی۔ وہ اس سے ہاسپٹل کا نام شروع میں ہی پوچھ چکا تھا' کچھ دیر بعد وہ لوگ ہاسپٹل کے سامنے تھے۔

''آپ نے مجھے یہاں ڈراپ کیا بہت بہت شکریہ...... میں اندر چلی جاتی ہوں۔'' نجانے وہاں اماں کے ساتھ کون کون ہوگا؟ کیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کی ذات کا نجانے کیسے تماشا لگتا؟ وہ عثمان فاروق کے سامنے اپنی ذات کی بے توقیری ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ عثمان فاروق یہیں گیٹ سے ہی واپس چلا جائے۔

''چلیں میں ساتھ ہی چلتا ہوں اسی بہانے آپ کی مدر کی عیادت بھی ہو جائے گی۔''

''لیکن آپ کو مسئلہ ہوگا......'' اس نے بہانے سے منع کرنا چاہا تھا۔

''جہاں میں نے اتنا سفر طے کیا ہے وہیں عیادت کے لیے جاتے مجھے قطعی تکلیف نہیں ہوگی۔'' وہ اپنی جگہ مصر تھا۔

''چلیں آئیں چلتے ہیں...... علم تو ہوگا ناں کس نام سے ایڈمٹ ہیں اور کس طرف؟'' حویلی سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کال کر کے خالہ سے ساری معلومات لے لی تھیں۔

'مرتا کیا نہ کرتا' کے مصداق وہ عثمان فاروق کے ہمراہ اندر آئی تھی' یہ کوئی درمیانے درجے کا پرائیویٹ ہاسپٹل تھا۔ ریسپشن سے معلومات لے کر وہ مطلوبہ کمرے کی طرف آئی تھی۔

''دیکھیں وہاں میرے رشتہ دار بھی ہوں گے' پتا نہیں وہ کس طرح کا ری ایکشن دیں...... میں صورت حال دیکھ لوں تو پھر آپ کو کمرے میں لے جاؤں گی۔'' دوسری منزل پر کمرہ تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے اس نے کہا تو عثمان فاروق رکا۔

''یعنی مجھے دیکھ کر وہ کچھ غلط سمجھ سکتے ہیں؟'' اس نے واضح الفاظ میں پوچھا تھا۔

''کچھ بھی سمجھ لیں۔''

''اوکے آپ مل لیں۔ پھر جو صورت حال ہوئی بتا دیجیے گا میں ادھر ہی ویٹ کرتا ہوں۔'' سیڑھیوں کے ساتھ ہی کمرہ تھا وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود کمرے کی طرف بڑھی تھی' عثمان نے اسے جاتے دیکھا تھا' وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں چند لوگ جمع تھے۔ اسے دیکھ کر فوراً چونکے۔ ایک کام والی ملازمہ تھی' ایک حسن آرا کے ماتحت کام کرنے والی لڑکی۔

''تو آ گئی ماہ آرا بھی۔'' لڑکی ماہ آرا کو دیکھ کر فوراً چہکی تھی لیکن ماہ آرا اسے نظر انداز کرتے اپنی ماں کی طرف بڑھی تھی جو آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔

''بڑے وقت پہ آئی ہے تو...... ڈاکٹر کہتا ہے اب تیری ماں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' ایک دو دن کی مہمان ہے بس۔'' اس لڑکی نے کہا تو اس نے پریشان نگاہوں سے ماں کو دیکھا تھا۔

''اماں......'' اس نے ماں کا کندھا ہلایا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ بیٹی کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر پیدا ہوا تھا۔

''کیوں آئی تو یہاں......؟'' وہ دھیمی سی آواز میں بولی تھی۔

''جا چلی جا...... حسن آرا کو علم ہو گیا ناں تو وہ تجھے قید کر لے گی...... بھوکے شیر کی طرح وہ تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔'' وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

''آپ کی اس قدر خراب طبیعت کا سن کر میں بھلا کیسے رہ سکتی تھی...... حسن آرا کچھ بھی کرے میں آپ کو اس قدر تکلیف میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔''

''ابھی بھی میری بات مان لے چلی جا...... حسن آرا رات کو آئے گی' اس سے پہلے یہاں سے نکل جا۔''

''میں نہیں ڈرتی اس سے جو اس کے خوف میں اپنی ماں کو موت سے لڑنے کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔'' وہ رو دی تھی۔

''کیسے آئی ہے تو؟''

''فائقہ کے کزن کے ساتھ۔''

''میری بات مان اسی کے ساتھ واپس چلی جا...... نہیں تو بہت برا ہوگا...... یہ دیکھ میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کو' ساری زندگی تمہاری خاطر یہ جہنم خریدا ہے میں نے' اب اس مقام پر



یاایہا الذین آمنوا
اے ایمان والو!
وہ راستہ
جس کے مسافر
جنت نعیم ہوں گے
مؤلف
مشتاق احمد قریشی

آ کر میری محنت ضائع مت کر...... مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلی جاؤ یہاں سے.....'' ماہ آرا ماں کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو دی تھی۔

''بڑی بدنصیب ہوں میں جو تجھے اپنی طرف سے کوئی سکھ نہیں دے سکی لیکن بس یہی ایک خواہش ہے کہ تم عزت کی زندگی گزارو بس۔'' وہ بیٹی کا سر تھپتھپا رہی تھیں۔ ماہ آرا خاموشی سے سسکتی رہی کچھ دیر تک وہ ماں کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔

اماں اسے بار بار سمجھا رہی تھیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے پھر اسے اماں کی بات ماننا ہی پڑی تھی۔ وہ اماں سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے جانے لگی تو وہاں موجود دونوں خواتین نے اس کا رستہ روک لیا تھا۔

''اتنی جلدی جا رہی ہو...... حسن آرا تو تمہیں تلاش کرتے ہوئے نجانے کہاں کہاں سے کھوج چکی ہے اور تم ہو کہ ملتی ہی نہیں ہو...... رات کو آئے گی علم ہوا کہ تم آئی تھیں تو ہمیں بھون کر رکھ دے گی...... ہم تو تمہیں اب نہیں جانے دیں گی۔'' لڑکی نے کہا تو ماہ آرا نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں اپنی ماں کی خبر گیری کو آئی تھی۔''

''چلو اس بہانے علم تو ہوا کہ تم زندہ بھی ہو...... ویسے آئی کس کے ساتھ ہو اور ہوتی کہاں ہو؟''

''اپنے کام سے کام رکھو...... میں تم لوگوں کی غلام نہیں ہوں جو تم لوگوں کی مانوں' خبردار میرا راستہ روکا تو۔'' وہ لڑکی کو دھکا دے کر تیزی سے کمرے سے نکلی تھی لیکن باہر کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے عثمان فاروق کو دیکھ کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ ملازمہ اور وہ لڑکی بھی فوراً باہر نکلی تھیں لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر رک گئی تھیں۔

''آپ باہر نہیں آئیں تو میں نے سوچا خود چل کر آپ کی والدہ کی عیادت کر لوں۔'' وہ ماہ آرا کو کہہ رہا تھا' لڑکی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''ارے ماہ آرا تم تو بڑی چھپی رستم نکلی ہو...... بڑی موٹی آسامی پھنسائی ہے تو نے تو...... ویسے ہے کون یہ......؟'' انداز بڑا عامیانہ تھا اور الفاظ اس سے بھی زیادہ ناگوار۔ عثمان فاروق نے نہایت ناگواری سے دونوں کو دیکھا تھا' ماہ آرا تو مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔

''آپ یہاں سے چلیں' وہ ٹھیک ہیں۔'' وہ فوراً یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

''ایسے کیسے چلی جاؤ گی...... حسن آرا نے شہر کا سب سے امیر بندہ تیرے لیے پھنسایا ہے...... وہ تو ہماری بوٹیاں نوچ دے گی اگر تمہیں ہم نے جانے دیا تو......'' وہ لڑکی پھر کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق نے نہایت حیرانی سے ان کو دیکھا۔

''چلیں جلدی سے۔'' وہ فوراً آگے بڑھی تھی لیکن لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آرام سے اندر بیٹھ...... میں ہاسپٹل کے فون سے حسن آرا کو کال کر لیتی ہوں' وہ ابھی پہنچ جائے گی۔'' اس نے زبردستی اسے اندر کی طرف گھسیٹنا چاہا تھا۔ ماہ آرا روہانسی ہو گئی تھی۔

''پلیز عثمان میری مدد کریں۔'' اس نے کہا تو عثمان فاروق نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔

''مجھے یہاں سے لے چلیں پلیز عثمان۔'' وہ مزید کہہ رہی تھی۔ لڑکی زیادہ مزاحمت نہ کر سکی تھی۔

عثمان کے سامنے وہ بالکل بے بس تھی عثمان نے کھینچا تو اس نے ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ ماہ آرا تیزی سے وہاں سے بھاگی تھی۔

''تو اس جھگڑے میں مت پڑ......'' عثمان نے غصے سے اسے دیکھا۔

''تجھے نہیں پتا حسن آرا نے اس کے بدلے کتنا پیسہ اس موٹے سیٹھ سے لیا ہوا ہے...... اسے ماہ آرا نہ دی تو وہ حسن آرا کو ہی بیچ ڈالے گا۔'' وہ زور و شور سے کہہ رہی تھی۔

عثمان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ لڑکی کا لب و لہجہ اس کے الفاظ و اطوار...... وہ کس قماش کی لڑکی تھی سب کچھ واضح تھا۔ وہ اس لڑکی سے الجھے بغیر تیزی سے واپس پلٹا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ وہ باہر

آیا تو وہ ایک طرف روڈ کے کنارے کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

"آؤ میں تمہیں ڈراپ کردوں۔" وہ رو رہی تھی۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔"

"کہاں؟"

"ہاسٹل....." وہ عثمان کے سامنے ازحد شرمندہ تھی' سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔

"چلو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" اس نے دو تین بار کہا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ ہولی تھی۔

"یہ لوگ کون تھے؟" کچھ دیر بعد عثمان نے پوچھا تو وہ ہنوز خاموش رہی تھی۔

"آپ کا تعلق کن لوگوں سے ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا اور ماہ آرا ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رودی تھی۔

وہ جس حقیقت کو ساری دنیا سے چھپاتی آرہی تھی وہ آج آخر کار لوگوں پر آشکار ہونا شروع ہوچکی تھی۔ اس کی ذات بے مول ہوچکی تھی۔ کتنی مشکل سے وہ اپنا مقام بنارہی تھی اور وہ سب بے معنی ہوگیا تھا۔

"آپ پلیز روئیں مت..... دیکھیں مجھے کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔" جواباً وہ روتی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عثمان اسے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا۔

"آئیں چائے پلاتا ہوں..... پھر آپ کو آپ کے ہاسٹل ڈراپ کردوں گا۔" گاڑی روک کر اس نے کہا تو ماہ آرا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں..... آپ نے جو دیکھا' جو سنا وہ جو بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری ماں یا میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے..... میں نفرت کرتی ہوں ان لوگوں سے اور ایک عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور بس۔" وہ اندر جانے کی بجائے کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق کی نظروں میں گرنا..... اس کی عزت نفس پر یہ ایک گہری چوٹ تھی۔

"کیا آپ مجھے تفصیلاً بتانا چاہیں گی ہوسکتا ہے میں اس معاملے میں آپ کی مدد کرسکوں۔" اس نے کہا تو ماہ آرا نے اسے دیکھا تھا۔ بھیگی آنکھوں میں نجانے ایسی کیا بات تھی کہ عثمان فاروق کئی ثانیے تک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جواباً ماہ آرا نے اسے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کی زندگی کی سب سے تلخ حقیقت تھی۔

"اس سب میں بھلا آپ کا کیا قصور..... ٹھیک ہے حالات آپ کو اس مقام پر لے آئے تھے لیکن آپ کی والدہ نے آپ کو معاشرے میں ایک باعزت مقام دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے..... میں سمجھتا ہوں انسان کی اصل ویلیو اس کا اعلیٰ اخلاق و کردار ہے نہ کہ اس کا خاندانی حسب و نسب اور مراتب....." اس نے کہا تو ماہ آرا کو لگا کہ جیسے اس کے اندر ایک سکون سا اتر گیا ہو۔ اس نے پہلی بار کسی کے سامنے اپنا آپ آشکار کیا تھا اور شکر تھا کہ اس شخص نے اس کی حقیقت جان کر اسے ذلیل نہیں کیا تھا۔

"چلیں آئیں چائے پیتے ہیں اور پھر میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔" اس نے پھر کہا اور اس بار ماہ آرا انکار نہ کرسکی اور وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔ اس دن دونوں نے بہت ساری باتیں کی تھیں۔

عثمان فاروق کا اسے اہمیت دینا ماہ آرا کو لگا کہ اسے گویا نئی زندگی مل گئی ہو اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔

"عثمان فاروق کے نام کا ایک نیا باب....." جس نے اس کی نہ صرف دنیا بدل دی تھی بلکہ فائقہ کی زندگی میں بھی بہت سے اثرات مرتب کیے تھے۔

❁......☆☆☆......❁

دونوں اکثر ملنے لگے تھے۔ اس کی ماں صحت یاب ہوکر واپس چلی گئی تھی۔ وہ اکثر عثمان سے کسی نہ کسی کام سے ملتی رہتی تھی۔ چھٹیاں ختم ہوئیں اور نئی کلاسز کا آغاز ہوا تو فائقہ بھی واپس آ گئی تھی۔ فائقہ کی محبت تو ویسی کی ویسی ہی تھی لیکن ماہ آرا اب اکثر اس کے ساتھ اپنی ذات کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ وہ فائقہ سے کسی بھی طور کم نہ تھی لیکن اس کی زندگی میں جو

محرومیاں تھیں وہ فائقہ کی زندگی میں نہ تھیں۔ سب سے بڑھ کر عثمان فاروق جیسا انسان فائقہ کی چاہت تھا۔

وہ اکثر تادیر الجھنے لگی تھی۔ جوں جوں عثمان سے میل ملاقات کا سلسلہ بڑھتا جارہا تھا ویسے ویسے ہی اس کے دل میں فائقہ سے متعلق عجیب سا حسد پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے عثمان فاروق اپنے تمام مسائل کا حل دکھائی دینے لگا تھا۔ کوئی بھی بات ہوتی وہ عثمان فاروق سے کہتی اور عثمان فاروق اس کا مسئلہ منٹوں میں حل کردیتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فائقہ عثمان فاروق کو کیا سمجھتی ہے لیکن ماہ آرأ کو اپنی تمام محرومیوں اور مسائل کا واحد حل عثمان فاروق ہی دکھائی دینے لگا تھا۔

وہ بے شک حسن آرأ جیسی لڑکیوں کی سی زندگی نہیں گزار پائی تھی نہ ان جیسے انداز تھے اور نہ ہی اطوار...... اس کی شروع سے ہی اولین ترجیح عزت نفس کا تحفظ اور اس گندے آلودہ ماحول سے نکلنا تھا لیکن اس نے زندگی کا اولین حصہ ان لوگوں میں گزارا تھا وہ بخوبی جانتی تھی کہ مرد کی کمزوری کیا ہے اور کسی بھی مرد کو ان کے ہاں کی عورتیں کس طرح اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ عثمان فاروق کوئی فرشتہ نہ تھا جو بہکتا نہیں۔ ماہ آرأ کا عزت کی زندگی پانے کا خواب ایسا ہتھیار تھا جو اس نے استعمال کیا اور عثمان فاروق اس کی باتوں میں آ گیا تھا یا اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔ کچھ ماہ کے عرصے میں ہی دونوں کے تعلقات جس موڑ پر آ گئے تھے عثمان فاروق اسے محبت اور ماہ آرأ اسے اپنی تمام تر محرومیوں کا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔ دونوں کی محبت اپنے اپنے مقام پر خاموش ندی کی طرح رواں دواں تھی سا ایسے میں وقت تیزی سے بدلا تھا۔

ایگزامز ہوئے تو فائقہ واپس چلی گئی اور ماہ آرأ وہ کسی اور ویمن ہاسٹل میں شفٹ ہوگئی تھی۔ اس کی اماں اسے ایک معقول رقم بھجوا دیتی تھیں اب اس کی بہت ساری ضروریات عثمان فاروق کے طفیل بھی پوری ہورہی تھیں جو بھی تھا وہ عثمان فاروق کے ساتھ ساری عمر گزارنے کے خواب ضرور دیکھنے لگی تھی۔

انہی دنوں حویلی میں اماں بی نے عثمان فاروق اور فائقہ کی شادی کی بات چھیڑی تو عثمان فاروق ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"میں فائقہ سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔" صاف انکار کردیا تھا۔ اماں بی نے لاکھ سمجھایا لیکن لاڈلے ضدی بیٹے کی ضد نہ ٹوٹی تھی۔

"اگر فائقہ سے شادی نہیں کرنی تو پھر کس سے کرو گے؟" ابھی تک انکار ماں بیٹے کے درمیان ہی تھا ایک دن تنگ آ کر اماں بی نے پوچھ ہی لیا تھا۔

"ماہ آرأ......" دوٹوک انداز تھا۔

"کون ماہ آرأ......؟" کافی ماہ پہلے ان کی حویلی میں رہنے والی فائقہ کی دوست وہ لڑکی اماں بی کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھی۔

"فائقہ کی دوست۔" اماں بی تو حیرت سے پتھر بن گئی تھیں۔

ایک عام سی لڑکی کے لیے وہ ان کی عزیز از جان بھانجی کو چھوڑ رہا تھا۔ وہ عام سی لڑکی جس کی اضافی خوبی صرف اس کا بلا کا حسین ہونا تھا۔ وہ حیران تھیں کہ وہ عام سی لڑکی بھلا کب عثمان فاروق کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور انہیں خبر تک نہ ہوسکی تھی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا......"

"تو ٹھیک ہے آپ میری شادی کا خواب دیکھنا بھول جائیں اگر ماہ آرأ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔" اس کا انداز اٹل تھا۔ وہ منظر سے ہٹ گیا تھا۔

اماں بی نے شوہر اور بیٹے سے بات کی تھی دونوں نے عثمان کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود تھا۔ اماں بی پریشان اور بیمار رہنے لگی تھیں انہوں نے ہر کوشش کر دیکھی تھی لیکن عثمان فائقہ سے شادی پر آمادہ ہی نہ ہوسکا تھا۔

فائقہ شروع میں عثمان کے سرد رویے کو اس کا مزاج سمجھی تھی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا تو اس پر یہ عقدہ کھلنے لگا کہ عثمان فاروق اس کو پسند نہیں کرتا یہ لاتعلقی محض لاپروائی کے سبب نہ تھی بلکہ کسی اور وجہ سے تھی اور جب اماں بی اور عثمان فاروق کے درمیان کی رسہ کشی بڑھنے لگی تو بات اس تک

بھی پہنچ گئی تھی۔
وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ یہ جان کر اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا لیکن وہ لڑکی اس کی عزیز از جان دوست ماہ آرا تھی اس بات سے وہ ابھی بھی بے خبر تھی۔
ایک دن عثمان فاروق اس کے پاس آیا تھا اپنی پسند کا بتا کر دل کی بات کرنے جب اس نے ماہ آرا کا نام لیا تو فائقہ کو لگا کہ گویا زمین و آسمان گھومنے لگے ہیں۔
وہ گم صم تھی۔ عثمان فاروق کسی اور کو نہیں اس کی پیاری دوست ماہ آرا کو پسند کرتا تھا۔ فائزہ باجی حویلی آئی ہوئی تھیں۔ اس نے یہ بات ان کو بتائی تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
''تمہیں تو میں شروع سے ہی سمجھاتی آئی ہوں کہ اس دوست سے محتاط رہو دیکھ لیا ناں اپنا اعتماد وہ آخر کار عثمان کو ہی لے اڑی۔''
''ہوسکتا ہے یہ محض عثمان کی ہی خواہش ہو ماہ آرا بے خبر ہو۔''
''اشفاق بتا رہے تھے لڑکی بھی آمادہ ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ماہ آرا کی مرضی سے سب ہو رہا ہے۔''
فائقہ بے یقین تھی۔ وہ بہت دن تک اسی بے یقینی میں رہی اور پھر ایک دن عثمان فاروق سے سامنا ہوا تھا۔
اب اکثر ایسے ہوتا تھا کہ جب بھی کبھی عثمان سے سامنا ہوتا تو وہ رخ موڑ کر چلی جاتی تھی تب بھی وہ جانے لگی تھی لیکن عثمان کی پکار پر رک گئی تھی۔
''فائقہ رکو...... مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے کہا تھا۔
''لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ پھر سے جانے لگی لیکن عثمان فاروق اس کے سامنے آ گیا تھا۔
''میں جانتا ہوں تم ہرٹ ہوئی ہو لیکن فائقہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ساری عمر ایک ان چاہی زندگی گزارنے کی بجائے ہم اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی گزار لیں۔ میں ماہ آرا سے محبت کرتا ہوں اور تم جانتی ہو میں کوئی تھرڈ کلاس لڑکا نہیں ہوں جو روز بروز لڑکیاں بدلتا پھروں...... ماہ آرا تمہاری دوست ہے تم اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ بھی عام لڑکی نہیں ہے...... ہم دونوں بہت سنجیدہ ہیں تم پلیز اماں بی کو سمجھاؤ وہ یہ ضد چھوڑ دیں وہ اگر میری بات نہیں مانیں گی تو میں یہ حویلی تک چھوڑ دوں گا۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ فائقہ نے بہت خاموشی سے سب سنا تھا۔ ماہ آرا پر تو وہ بہت یقین کرتی تھی لیکن اس نے تو پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ وہ اس رات اماں بی کے پاس آئی تھی۔
''آپ عثمان فاروق کی بات مان کیوں نہیں لیتیں۔''
''میں بھلا کیسے مان لوں ایسی لڑکی کے لیے جس کے خاندان کا کچھ اتا پتا نہیں...... جن کی کوئی مالی حیثیت نہیں اور سب سے بڑی بات تمہاری جگہ میں کسی اور کو کیوں دے دوں۔ زبردستی کیسی؟ شروع سے عثمان آگاہ تھا کہ ہم اس کی شادی تم سے کریں گے۔''
''لیکن وقت ایک سا نہیں رہتا ہمیشہ۔''
''ہمیں وہ لڑکی تمہاری دوست کی حیثیت سے تو پسند آئی تھی لیکن ہم اسے بہو نہیں بنا سکتے۔'' اماں بی اپنی جگہ اٹل تھیں۔
''پلیز آپ مان جائیں...... میں نہیں چاہتی کہ آپ لوگوں میں دوریاں پیدا ہوں اور میری وجہ سے کوئی اختلافات آئیں۔'' اماں بی رو دی تھیں۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ اگلے دن خود سے عثمان فاروق کے پاس گئی تھیں۔
''ہمیں تمہاری خواہش قبول ہے لیکن ہماری بھی ایک شرط ہوگی۔'' عثمان فاروق نے ماں کو دیکھا۔
''ہمارے خاندان میں لڑکے جوانی کے جوش میں اکثر ایسی غلطیاں کر لیتے ہیں لیکن خاندان نہیں چھوڑتے' تمہارے دادا کی دو بیویاں تھیں' تمہارے چچا کی بھی دو بیویاں تھیں لیکن دونوں نے خاندانی حفظ مراتب کا خیال رکھا تھا اور تم نے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا......''
''لیکن میں جانتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔''
''ہوگی......'' اماں بی کے انداز میں ناگواری تھی۔
''لیکن ہماری شرط تمہیں ماننا ہوگی۔''
''کیسی شرط؟''

''تمہیں ماہ آرا سے پہلے فائقہ سے شادی کرنا ہوگی' فائقہ ہی ہماری پہلی اور خاندانی بہو ہوگی اور تم اپنے دل کی خواہش پر اس لڑکی سے شادی کرکے اسے کہیں بھی رکھ سکتے ہو لیکن فی الحال تمہیں فائقہ سے شادی کرنا ہوگی۔''

''میں ایسا نہیں کرسکتا.....'' وہ مکمل طور پر انکاری تھا۔

''میں بٹی ہوئی زندگی نہیں گزار سکتا..... میری زندگی میں صرف اور صرف ماہ آرا ہی ہوگی اور بس۔''

''تو پھر ٹھیک ہے ہم تمہارے بابا صاحب کو کہہ دیتے ہیں اگر تم نے اس لڑکی کو اپنایا تو پھر ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' عثمان نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ وہ عجیب سی کشمکش میں تھا۔ وہ ماہ آرا سے ملنے آیا تو ماہ آرا نے ساری صورت حال سن کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

وہ زمین وجائیداد سے لاتعلق عثمان فاروق کے ساتھ زندگی گزار تو لیتی لیکن یہ زندگی بہت ساری محرومیوں پر مشتمل ہوتی اور وہ ایسی زندگی نہیں چاہتی تھی اس نے بہت سوچا اور پھر عثمان سے کہہ دیا تھا۔

''تم فائقہ سے پہلی شادی کرلو عثمان.....''

''کیا کہہ رہی ہو ماہ آرا.....!''

''میں جانتی ہوں فائقہ تم سے بہت محبت کرتی ہے' ویسے بھی تمہارا خاندان مجھے کبھی بھی قبول نہیں کرے گا..... مجھے کچھ نہیں چاہیے بس تمہاری محبت اور تمہارا نام چاہیے..... تم شادی کرلو پلیز۔'' عثمان حیران ہوا تھا۔

اس کی نظروں میں ماہ آرا کی عظمت اور بڑھ گئی تھی جو اپنی محبت فائقہ سے بانٹنے کو تیار تھی۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی اور پھر اس نے اسے قائل کرلیا تھا۔ عثمان نے اماں بی کو مثبت جواب دے دیا تھا۔ اماں بی مطمئن تھیں۔ انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی اس نے انکار کردیا تھا۔

''مجھے اب عثمان سے شادی نہیں کرنی۔''

''وہ ماہ آرا کو چھوڑ دے گا..... میری اس سے بات ہوئی ہے' وہ خود راضی ہے۔'' انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا وہ حیران ہوئی تھی۔

''ایسے کیسے چھوڑ دے گا ماہ آرا کو.....؟''

''بس میں نے بہت سمجھایا تھا اس نے میری بات مان لی۔'' وہ حیران تھی' اماں بی نے اسے منالیا تھا۔ دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اماں بی نے دل کے سارے ارمان پورے کیے تھے۔

شادی کی رات فائقہ عثمان فاروق کے کمرے میں اس کا انتظار کررہی تھی' عثمان آیا تو اس قدر حسین دلہن دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

''میں نے اماں بی کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا لیکن ان کی ضد تھی کہ تم سے شادی ہو' وہ خوش ہیں لیکن میں خوش نہیں ہوں' تم سے شادی میری مجبوری تھی کہ وہ اسی صورت ماہ آرا سے میری شادی کروانے پر آمادہ ہوئی تھیں۔''

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ۔ فائقہ تو گنگ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ نہ کوئی تعریف نہ کوئی توصیف اور بس چند الفاظ..... اس کے احساسات منجمد ہونے لگے تو وہ اٹھ کر واش روم میں بند ہوگئی تھی۔ وہ خوب روئی تھی اور اگلی صبح اماں بی سے خوب لڑی تھی۔

''یہ میری ذات کی توہین تھی آپ نے میرے ساتھ غلط بیانی کی' مجھے عثمان فاروق سے شادی نہیں کرنی تھی..... بہت غلط کیا آپ نے میرے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی.....'' وہ روتی رہی تھی۔ اماں بی نے محبت سے اسے ساتھ لگالیا تھا۔ وہ ابھی زخم خوردہ تھی' سو تکلیف دوچند تھی۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے..... اسی صورت میں اسے اس لڑکی سے شادی کے لیے روک سکتی تھی..... عثمان کی زندگی پر صرف اور صرف تمہارا حق ہے اور یہ حق میں کسی اور کو بھلا کیسے دے دیتی۔'' وہ روتی رہی تھی۔ وہ اس دھوکا دہی کے حق میں نہ تھی۔

بلکہ وہ تو ماہ آرا کے لیے عثمان فاروق کے جذبات جاننے کے بعد اس کی زندگی میں بھی شامل ہونے کے حق میں نہ تھی لیکن اماں بی کی وجہ سے وہ دھوکہ کھا گئی تھی۔

عثمان کے ساتھ زندگی کی شروعات بہت تکلیف دہ تھیں۔ عثمان فاروق کے دل ودماغ میں صرف اور صرف ماہ

آرا تھی فائقہ تو بس گھر والوں کی خواہش تھی اور فائقہ وہ ان چاہی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس نے عثمان فاروق سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"وہ ماہ آرا سے جب چاہے شادی کرسکتا ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اماں بی کی خواہش تھی کہ وہ فائقہ کو لے کر کہیں چلا جائے اس طرح دونوں کے درمیان تعلقات بحال ہوجائیں گے لیکن فائقہ کے دل سے ہر احساس مٹ گیا تھا۔ وہ عثمان فاروق کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد آئی ہوئی تھی۔ وہ سارا سارا دن ہوٹل کے کمرے میں تنہا رہتی اور عثمان باہر چلا جاتا تھا اور پھر ایک شام وہ واپس آیا تو کافی تھکا ہوا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" فائقہ نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

"نہیں......" وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا تھا۔

"ماہ آرا کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے آج......" کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

"اوہ......" وہ واقعی افسردہ ہوئی تھی۔

"کہاں ہے ماہ آرا؟"

"ہاسٹل میں رہ رہی ہے۔"

"اپنی ماں کی وفات پر نہیں گئی کیا وہ؟"

"نہیں۔"

"مجھے اس کے پاس لے چلیں گے کیا؟"

"کل تیار رہنا۔" وہ کہہ کر کروٹ بدل گیا تھا اور فائقہ گم صم بیٹھی رہی تھی۔

اگلی صبح وہ عثمان کے ساتھ اس وویمن ہاسٹل میں آئی تھی۔ ماہ آرا شدت سے رو رہی تھی۔

"میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ امتحانات کے بعد اب ملاقات ہو رہی تھی۔

فائقہ نے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی اور مخلص دوست سمجھا تھا لیکن یہ لڑکی...... اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ کچھ وقت گزار کر وہ واپس ہوٹل میں آگئی تھی۔ رات کو اس نے عثمان

فاروق سے کہا تھا۔

''ماہ آراء اب بالکل تنہا ہے' مجھے کنفرم نہیں لیکن اندازہ ضرور ہے کہ آپ اس کے ماضی سے بے خبر نہیں ہوں گے۔'' عثمان فاروق نے سوالیہ نظروں سے فائقہ کو دیکھا تھا۔

''میرا مطلب ہے ماہ آراء کی خاندانی حیثیت وغیرہ سے...... وہ کن لوگوں سے تعلق رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''کیا جانتی ہو تم اس بارے میں؟''

''بہت کچھ وہ سب کچھ جو اس کے بارے میں مشہور تھا۔'' وہ ہنس دی' عثمان کو بہت برا لگا۔

''لوگ تو کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔''

''لیکن سیانے کہتے ہیں کہ...... زبان خلق کو نقارا خدا سمجھو۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' وہ ہنس دی۔

''ماہ آراء سے شادی کرلیں' اماں بی اور باقی لوگوں کو منانا میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آراء کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ نارمل ہونے پر واپس آجایئے گا تب تک اماں بی اور بابا صاحب بھی مان چکے ہوں گے۔'' وہ مخلص دوست کی طرح مشورہ دے رہی تھی۔ عثمان فاروق نے اسے دیکھا۔

''اور تم کیا کرو گی؟'' فائقہ ہنس دی۔ بڑی خود اذیتی تھی اس ہنسی میں۔

''میری چھوڑیں صاحب' اپنے دل کی مانیں...... میں حویلی میں رہ لوں گی۔'' عثمان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کسی بھی چیز کی کمی نہ تھی اس میں۔

ماہ آراء زندگی میں شامل نہ ہوتی تو وہ اس کو اپنا کر بہت مطمئن ہوتا۔ وہ اس کی طرف آیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تو فائقہ نے الجھ کر دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کبھی ایسا کوئی لمحہ ہی نہ آیا تھا کہ عثمان نے غلطی سے بھی فائقہ کا ہاتھ پکڑا ہو۔

''مجھے اندازہ ہو رہا ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔'' فائقہ نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''اپنی زندگی کو خوشگوار بنایئے جایئے ماہ آراء کو آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے' میں آپ کے رستے کی کبھی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔'' وہ کہہ کر بالکونی کا دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ ساری رات فائقہ کی بالکونی میں گزری تھی۔ اگلے دن عثمان چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن نہیں لوٹا تھا۔ رات گئے آیا تو ماہ آراء ساتھ تھی۔

''میں نے اور ماہ آراء نے کورٹ میرج کرلی ہے آج۔'' اس نے کہا تو فائقہ کے چہرے کا رنگ زرد ہوا تھا' ہونٹ کپکپائے تھے اور پھر سنبھل گئی تھی۔ وہ ماہ آراء کی گلے لگ گئی تھی۔

''عثمان فاروق کا ساتھ مبارک ہو تمہیں۔'' اس نے کہا تھا۔

ماہ آراء کی نگاہ فائقہ کے سامنے اٹھ نہ سکی تھی اور فائقہ جانتی تھی کہ ماہ آراء اب کبھی بھی اس کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔

''آپ میری سیٹ کنفرم کروادیں مجھے واپس جانا ہے۔'' اس نے عثمان فاروق کو کہا تھا۔ عثمان نے سر ہلادیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ماہ آراء کو لے کر واپس چلا گیا تھا اور فائقہ کی ساری رات جاگتے گزری تھی۔ اگلے دن وہ واپس چلی گئی تھی۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ نارمل رہی تھی ہر ایک سے نارمل بات کی تھی۔ وہ ایک پہاڑ جیسا بوجھ سینے پر لادے ہنس رہی تھی مسکرا رہی تھی۔ بہت سارے دن گزر گئے تو عثمان فاروق حویلی آیا تھا۔

''میں امریکہ جارہا ہوں۔'' اس نے اماں بی اور بابا صاحب کو بتایا تھا فائقہ نے بھی سنجیدگی سے دیکھا تھا۔

''کیوں؟''

''کچھ ماہ کے لیے جارہا ہوں جلد واپس آجاؤں گا۔''

''فائقہ بھی ساتھ جارہی ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو عثمان نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ اماں بی نے دونوں کو دیکھا۔ دونوں کے درمیان حائل خلیج جوں کی توں تھی۔

''تو اسے بھی ساتھ لے جاؤ...... گھوم پھر لے گی۔''

''نہیں اماں بی...... میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔''

"لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم عثمان کے ساتھ ہی جاؤ..... اس کے ساتھ ہی ہر جگہ رہا کرو..... عثمان فائقہ کے بھی پیپرز تیار کرواؤ یہ تمہارے ساتھ جائے گی۔"

"اتنی جلدی پیپرز ریڈی نہیں ہوں گے میں تو نیکسٹ ویک جارہا ہوں۔" اماں بی نے سنجیدگی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

رات کو انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی۔

"عثمان امریکہ کیوں جارہا ہے؟"

"یہ بات آپ عثمان سے ہی پوچھ لیں۔"

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دونوں کا رشتہ بس نام کا ہے۔" فائقہ خاموش رہی تھی۔ نہ تصدیق نہ تردید کی تھی۔

"میں عثمان سے بات کرتی ہوں اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی..... شادی کی ہے تو اب نبھائے بھی۔" وہ تب بھی خاموش رہی تھی۔ عثمان کچھ دن بعد امریکہ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس سے ملنے آیا تھا۔

"ماہ آرا بھی ساتھ جارہی ہے؟" اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

"ہاں....." وہ مسکرادی۔

"گڈ لک۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور عثمان فاروق نے چند پل اسے جاتے ہوئے بغور دیکھا تھا اور پھر وہ اگلے دن چلا گیا تھا۔ اماں بی فائقہ کو دیکھتیں تو دل دکھنے لگتا۔ فائقہ نے کسی سے بھی عثمان کی ماہ آرا سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے عثمان کو بھی منع کردیا تھا۔

انہوں نے اشفاق سے کہہ کر فائقہ کے کاغذات تیار کروانے شروع کردیے تھے۔ فائقہ امریکہ جانے کو رضامند نہ تھی لیکن اماں بی، بابا صاحب اور فائزہ آپی سب بضد تھے اور پھر تین ماہ بعد وہ بھی امریکہ آگئی تھی۔ اماں بی نے عثمان کو کال کردی تھی وہ ریسیو کرنے آیا تھا۔ دونوں میں محض رسمی بات چیت ہوئی تھی۔ وہ گھر آئی تو ماہ آرا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ چند ماہ میں ہی وہ کیا سے کیا ہوگئی تھی۔

وہ جو پہلے ہی خوب صورت تھی اب خوب صورتی کا شاہکار بن چکی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ ماہ آرا کو فائقہ کی آمد اچھی نہ لگی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے پتا چلا کہ ماہ آرا ایکسپیکٹڈ ہے اس نے ماہ آرا کو مبارک باد دی تھی۔ ماہ آرا جو پہلے ہی عثمان فاروق کی آنکھوں کا تارا تھی اب ہاتھ کا چھالا بھی بن گئی تھی۔

فائقہ نے فارغ رہنے کی بجائے وہاں کے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہ فیشن ڈیزائننگ کے کچھ کورسز کرنے لگی تھی۔ اس کا وقت بہت مصروف گزرنے لگا تھا۔ اسے ماہ آرا یا عثمان فاروق کے ہونے یا نہ ہونے سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اب مگن رہتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی تیزی سے وقت گزرا تھا۔ ماہ آرا کی طبیعت کافی خراب رہنے لگی تھی۔

عثمان فاروق نے فائقہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ماہ آرا کا اس کی غیر موجودگی میں خیال رکھ لیا کرے، ماہ آرا بھی مجبور تھی ایسے میں فائقہ گھر کے اکثر معاملات دیکھ لیا کرتی تھی اور پھر ایک رات ماہ آرا نے ایک پیاری سی بچی کو جنم دیا تھا، بچی اتنی کیوٹ اور پیاری تھی کہ فائقہ کو اسے دیکھ کر بے اختیار پیار آگیا تھا۔

ماہ آرا نے بیٹی کا نام "ماہ رخ" رکھا تھا۔ بچی کی ذمہ داری کافی حد تک فائقہ نے اٹھالی تھی۔ بچی اس سے کافی مانوس ہوچکی تھی۔ ماہ آرا کو بھی وقت کے ساتھ اندازہ ہوچکا تھا کہ فائقہ ایک بے ضرر سی لڑکی ہے وہ اس کے اور عثمان فاروق کے درمیان کبھی بھی آنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ بس یہی سوچ کر وہ فائقہ کے ساتھ نارمل ہوگئی تھی۔

بٹوارہ

نادیہ احمد

اس نے بھیجے ہیں چاہت میں لپٹے ہوئے
پھول، خوشبو، حنا، چوڑیاں، عید پر
کاش وہ آجائے جس کے ہیں منتظر
میرا دل، مام و در، کھڑکیاں عید پر



حیَّ علی الفلاح
حیَّ علی الفلاح
فضا میں اذان کی گونجتی پُر کیف آواز فلاح کی طرف بلاتی جاگنے والوں کے دلوں پہ دستک دے رہی تھی۔ قریبی مسجد سے مؤذن صدائیں لگاتے اہلِ محلہ کو پیغام دے رہے تھے۔ لوگوں بھلائی کی طرف آؤ نماز کی طرف آؤ یہ مبارک مہینہ ہے تمہاری ہر نیکی اور اجر کو ستر گناہ کر کے لوٹایا جائے گا پیچھے مت رہ جانا کہ زندگی بے ثبات و فانی ہے۔ کیا پتا اگلے سال تمہارے حصے یہ متبرک ساعتیں آئیں نا آئیں نیکیوں سے جھولی بھرلو کہ رحمتوں اور برکتوں کا پاکیزہ ماہ شروع ہوا جاتا ہے۔

☆☆......☆☆☆☆......☆☆

سحری کے بعد برتن دھو کر ٹوکری میں رکھتے اس نے جھانک کر لاؤنج میں لگی گھڑی پہ نگاہ کی۔ نماز کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ گھر کے سب ہی لوگ سحری کے بعد نماز سے فارغ ہو کر واپس بستروں میں جا چکے تھے۔ اس وقت کے برتن فرخندہ نے اس کے ذمہ لگائے تھے اور وہ سستی کی ماری سحری کے بعد لاؤنج کے صوفہ پہ آنکھیں موندے بیٹھی رہی۔ وہ تو فرخندہ کی جھاڑ پہ کچن میں بھاگی۔ تابندہ اپنے برتن دھو کر نکل رہی تھی۔ سر پہ لپٹے دوپٹے سے اندازہ ہو رہا تھا نماز وہ پہلے ہی پڑھ چکی ہے۔ بلی نے کھسیانے انداز میں ہنستے تائی کو دیکھا۔ جواباً انہوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔ سنک میں برتن زیادہ تو نہیں تھے لیکن اسے تو تھوڑا سا کام بھی وبالِ جان لگتا تھا۔ بے بسی سے اپنے لمبے ناخنوں کو دیکھتے اس نے منہ ہی منہ میں ماں کی بے رحمی پہ بڑبڑاتے برتن دھونا شروع کیے اور اب برتن دھو کر سنک خشک کرتے نماز کا وقت نکل ہی چکا تھا۔ بھاگم بھاگ وہ کچن سے نکل کر باتھ روم میں جا گھسی اور وضو کر کے جائے نماز اٹھائے لاؤنج میں ہی آ گئی۔ جلدی جلدی نماز پڑھ کے سلام پھیرا تو صوفے پہ پُرسکون سے انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اسے بڑی محویت سے اپنی طرف تکتے دیکھ کر ایک پل کو تو حیران ہی رہ گئی۔ پھر گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہیں ماں یا تائی میں سے کوئی وہاں نا کھڑا ہو اور پھر گھور کر دیکھتے اشارے سے پوچھا کہ "وہ اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے؟" بنٹی نے اس کے گھورنے پہ مسکراتے کلائی کی طرف اشارہ کیا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بتایا۔

"آج سے اس کا آفس جلدی شروع ہو رہا ہے اور وہ بس تیار ہونے جا رہا ہے۔" آنکھوں ہی آنکھوں میں اچھا کہتے اس نے غیر ارادی سے انداز میں سر کی چادر درست کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے لیکن اب دھیان بنٹی کی طرف تھا کہ دیکھے بنا بھی اندازہ تھا وہ اسی کو دیکھ رہا ہے۔ بے اختیار دعاؤں میں بھی اس پل وہی شامل ہو گیا اور اللہ سے اس کے تاعمر ساتھ کی دعا مانگی تھی۔ یہ اور بات کہ اپنی دعائیں اسے جلدی پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھیں پر دل کو یقین تھا ایک نا ایک دن کوئی معجزہ ان دونوں کی راہ کی مشکلیں آسان کر دے گا۔ بس اسی گمان کے ساتھ وہ ہر بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی کہ کیا پتا کون سا وقت قبولیت کا ہو آج بھی اسی صدق کے ساتھ اس نے دعا مانگی تھی۔

☆☆......☆☆☆☆......☆☆

بنٹی اور بلی دونوں تایا چچا کے بچے تھے۔ دونوں نے کاشانۂ اعظم میں آنکھ کھولی اور ایک ساتھ جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا۔ اس وقت گھر میں اعظم صاحب کا حکم چلتا تھا تو حکومت حاجرہ بانو کی تھی۔ دونوں بیٹوں کلیم اور سلیم کی باپ کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی تو دونوں بہوؤں تابندہ اور فرخندہ کی سانس کے آگے گھگی بندھ جاتی تھی پر زبان سے مجال ہے جو کبھی ایک لفظ بھی نکلا ہو۔ پھر ایک ایک کر کے آگے پیچھے اعظم صاحب اور حاجرہ بانو کا انتقال ہو گیا تو گھر پہ دونوں بہوؤں کی اجارہ داری قائم ہو گئی۔ بیٹے تو ماں باپ کی بدولت ہمیشہ سے ایک دوسرے کے سگے تھے لیکن تابندہ و فرخندہ کے مزاج مختلف تھے۔ فرخندہ کی خواہش تھی گھر میں دیورانی اپنی چھوٹی بہن پائندہ کو بنا کر لائیں لیکن حاجرہ بانو دو بہنوں کو دونوں بیٹوں سے بیاہنے کے حق میں نا تھیں اس لیے اپنی مرضی سے فرخندہ کو

بیاہ لائیں۔ ایک تو اول روز سے دیورانی سے دل نا مل سکا کہ دل میں ارمان تھا اس کی جگہ اپنی سگی بہن کو دیکھنے کا تو باقی کی کسر پوری کردی دیورانی صاحبہ کی تنگ مزاجی نے۔ ساس کے سامنے تو ہمت نا تھی پر جیٹھانی کی بات سنتا تو جیسے اسے عذاب لگتا تھا۔ اسی لیے گھر کے بڑوں کے آنکھیں موندتے دونوں نے ہی الگ گھر کا تقاضہ کرڈالا۔ کلیم اور سلیم کو الگ رہنا منظور نا تھا تو دوسری طرف بنٹی اور ببلی بھی اس حق میں نہیں تھے۔ بچپن سے جوانی کا سفر کرتے دونوں کے جذبات دوستی سے آگے نکل کر محبت کی سرحد میں داخل ہورہے تھے۔ ان حالات میں تو خواہش تھی دلوں کی طرح وہ بھی ایک ہوجائیں لیکن یہاں تو دونوں کی ماؤں نے ہر دن گھر کو پانی پت کا میدان بنایا ہوتا تھا۔ مسئلہ سوئی کی نوک برابر ہوتا دونوں کی تان الگ گھر کی ڈیمانڈ پہ جا کر ٹوٹتی۔ کبھی جھاڑو کبھی برتن کبھی کھانا پکانے پہ روز ہی کوئی نا کوئی جھگڑا گھر میں منہ کھولے کھڑا ہوتا اور سب کا سکون غارت کرتا۔ ان حالات میں بہت سوچ بچار کے بعد دونوں بھائیوں نے یہی حل نکالا کہ گھر کا بٹوارہ ہوجائے۔ کم سے کم اس طرح انہیں گھر بیچ کر الگ نہیں ہونا پڑے گا اور کیا پتا ایک ہی گھر رہتے کسی دن تابندہ وفرخندہ بھی ایک ہو ہی جائیں لیکن پچھلے چھ سال سے وہ خوش نصیب دن نہیں آیا تھا لیکن امید کا دیا تھا جو آج بھی روشن تھا اور اس دیے کی لو کو بنٹی اور ببلی کی محبت نے تابندہ و فرخندہ کے آندھی وطوفان سے بچار کھا تھا۔

گھر بہت بڑا نہیں تھا اس پہ تھا بھی بس ایک ہی پورشن۔ اب کلیم کی چھوٹی سی کپڑوں کی دکان اور سلیم کے کریانے کے اسٹور سے اتنی آمدن تو نہیں ہوسکتی تھی کہ اوپر کی منزل بنائی جاتی لہٰذا اسی ایک پورشن کے بیچوں بیچ لکیر کھینچ کر گھر کا بٹوارہ کرلیا گیا تھا۔ ایک طرف دو کمرے اور غسل خانہ کلیم کے پاس تھا تو دوسری طرف بنے دونوں کمرے بمعہ باتھ روم سلیم کی فیملی کو مل گئے۔ اب بچے صحن لاؤنج اور باورچی خانہ تو گھر کے داخلی دروازے کے درمیان لکیر کھینچ کر سرحد بنادی گئی تھی جو مکان کی آخری حد یعنی باورچی خانہ تک جاتی تھی۔ اب حالات کچھ اس طرح تھے کہ آدھا صحن لاؤنج اور باورچی خانہ دونوں کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ لاؤنج میں رکھی کھانے کی میز جو اتفاق سے سالوں سے درمیان میں ہی رکھی تھی پہ بھی لکیر لگا کر آدھا آدھا کرلیا گیا تھا۔ ٹی وی البتہ مشترکہ تھا لیکن صوفے دونوں طرف الگ تھے۔ سارا دن گھر کے کام کاج کرتے کھانا پکاتے ٹی وی دیکھتے یہاں تک کے کھاتے پیتے بھی ایک دوسرے کو دیکھا جاتا لیکن گفتگو کرنے پہ پابندی تھی اور ظاہر سی بات ہے یہ پابندی تابندہ وفرخندہ کی لگائی گھر کے اندر تک ہی محدود تھی۔ گھر سے باہر کلیم اور سلیم ہوں یا بنٹی اور ببلی میل ملاقات کرتے خوش باش رہتے تھے البتہ گھر میں داخل ہوتے ہی اجنبی بن جاتے۔ بنٹی نے اسی سال تھرڈ ڈویژن میں ایم اے سوشیالوجی کرنے کے بعد ملازمت شروع کی تھی جبکہ ایف اے میں دو بار انگریزی میں سپلی آنے کے بعد تنگ آکر ببلی نے آئی کام کا انتخاب کیا اب وہ بی اے کے آخری سال میں تھی اور امید واثق تھی کہ ان شاء اللہ دو تین سال میں شاندار طریقے سے بی اے کی ڈگری لے کر خاندان کی پہلی بی اے پاس لڑکی کا اعزاز حاصل کرلے گی۔

بھئی اب دلوں میں محبت کے دیپ روشن ہوں تو علم کی روشنی کو جگہ بنانے میں شدید دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر بھلا یہ لیلیٰ مجنوں شیریں فرہاد ہیر رانجھا سے کبھی کسی نے پوچھا ان کے پاس کون سی ڈگریاں تھیں۔ اب بندہ یا تو عشق کرلے یا پھر کتابوں سے مغز ماری۔ بہر حال یہ تو قصہ تھا بنٹی ببلی اور ان کی گھسی پٹی محبت کا لیکن اصل کہانی تو تابندہ اور فرخندہ کی اندوہناک دشمنی کی ہے۔ بیٹی کے کامیابی سے فیل ہونے کو دیکھ کر فرخندہ کو تو بس اب اس کی شادی کی فکر تھی کہ جلد سے جلد اسے گھر سے نکالوں۔ دوسری طرف تابندہ بھی بیٹے کے دل کے ارمان جان کر صاف دوٹوک کہہ چکی تھیں مرتی مرجائیں گی مگر دیورانی کی بیٹی نہیں بیاہ کرلائیں گی۔ ببلی کو دیکھنے آنے والے پچھلے چند ماہ میں دولڑکے ڈیکلیئر ہوکر جاچکے تھے۔ پہلے والے تو

اسی وقت پسند کر کے خوشی خوشی گھر سے نکل رہے تھے جب بنٹی نے چوہے والے پٹاخے صحن میں چھوڑ کر ان بیچاروں کی دیوالی کر ڈالی۔ اس افتاد پہ بچتے بچاتے وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگے واپس پلٹ کر نا دیکھا۔ دوسرے نمبر پر آنے والوں کو ببلی نے خود ہی چائے میں نمک مرچیں ڈال کر سر سے اتارا۔ فرخندہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا خون ہی پی جائے لیکن فائدہ بھی کیا ہوتا اس کے ڈریکولا بننے کا۔ ببلی نے صاف کہہ دیا تھا کہ مرتی مر جائے گی لیکن کسی ایرے غیرے سے شادی نہیں کرے گی۔

☆☆......☆☆☆☆......☆☆

رمضان کے پہلے دن کا سورج سوا نیزے پہ کھڑا اپنی تپش سے اہلِ زمین کو جھلساتا اللہ کی یاد دلا رہا تھا۔ ایسے میں روزے کی حالت میں پیاس اور گرمی سے بے حال ہوتا بنٹی گھر میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ حالانکہ دفتر تو جلد بند ہو گئے تھے مگر سڑکوں پہ ٹریفک کا اژدھام ایسا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ گھر میں اس وقت بس خواتین ہی تھیں کہ کلیم اور سلیم تو دکاندار لوگ تھے۔ پتا تھا آخری منٹ پہ ہی گھر آئیں گے۔

''امی کہاں ہیں؟'' اس نے صحن سے ہی صدا لگائی۔

''کچن میں ہوں بنٹی۔'' تابندہ باورچی خانے میں کھڑی سالن بھون رہی تھیں۔ وہیں سے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ البتہ ناک چڑھا کر دوسری طرف کھڑی ببلی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں جگنو ٹمٹما رہے تھے بنٹی کی آواز سن کر۔

''ارے واہ...... بڑی زبردست پکوڑوں کی خوشبو آرہی ہے۔'' اندر آتے ہی ناک سکیڑتے اس نے تبصرہ کیا۔ کن انکھیوں سے ببلی کو دیکھا جو آٹا گوندھ رہی تھی البتہ کڑاہی میں تیل ڈالے فرخندہ دھڑا دھڑ پکوڑے تل رہی تھی۔

''آلو قیمہ پکا رہی ہوں۔ پتا ہے نہ ڈاکٹر نے تمہارے ابا کو تیل والی چیزوں سے منع کیا ہے۔ ہم نہیں بنائیں گے اس بار پکوڑے۔ فقط دل کی بیماری...... ہونہہ۔'' تیز لہجے میں کہتے تابندہ نے گھور کر بیٹے کو دیکھا اور ایک ہی ڈائیلاگ سے دیورانی کے تلوؤں میں آگ لگا دی۔

''ابا کو منع کیے ہیں۔ مجھے تو بلڈ پریشر یا دل کا مرض نہیں۔ تھوڑے سے بنا لیں میرے لیے۔'' روزے کی حالت میں تو ویسے ہی طبیعت خوشبو کی طرف مائل ہوتی ہے اس نے للچائے ہوئے انداز میں ماں سے درخواست کی لیکن انہوں نے صاف انکار کرتے اسے کچن سے نکال دیا۔

''امی تھوڑی سی افطاری تایا جی کو بھیج دیتے ہیں۔'' ابلے آلو چھیلتے ببلی نے تائی کے کچن سے نکلتے ہی عاجزی سے ماں سے درخواست کی۔ فرخندہ تو پہلے ہی تابندہ کی بات پہ تپی کھڑی تھی۔ بنٹی کی آرزو سن کر برداشت ختم ہو گئی۔ ایک دم غصے سے جواب دیا۔

''تایا جی کو دل کا مرض ہے۔ ان کے گھر یہ دل کی بیماری بھیج کر انہیں اوپر پہنچانے کی تمنا ہے کیا۔ سنا نہیں تمہاری تائی کتنی باتیں سنا کر گئی ہے۔'' کفگیر کاؤنٹر پہ پٹختے فرخندہ نے باقی کا غصہ اس پہ نکالا۔

''چھوڑیں ناں امی یہ ناراضی کی باتیں۔ آج پہلا روزہ ہے ویسے بھی افطار کروانا تو ثواب کا کام ہے۔'' ببلی نے ماں کا غصہ کم کرتے پیار سے سمجھایا۔

''یہ اٹھا سارے پکوڑے اور باہر محلے میں دے آ ڈھیروں ثواب ملے گا۔'' ہاتھ جھٹکتے فرخندہ نے بیٹی کو اسی کی چال میں مات دی۔ وہ منہ پھلائے پیر پٹختی کچن سے باہر چلی گئی۔

''سب پتا ہے مجھے کس کو افطار کروانے کو مری جا رہی ہے۔'' فرخندہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی جلدی جلدی افطار کا سامان تیار کرنے لگی۔

☆☆......☆☆☆☆......☆☆

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو سب لوگ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میز کے ایک طرف تین کرسیوں پہ کلیم تابندہ اور بنٹی بیٹھے تھے تو دوسری طرف رکھی تین کرسیوں پہ سلیم فرخندہ اور ببلی۔ شربت سے روزہ کھول کر بنٹی نے منہ بناتے آلو قیمے کے سالن کو دیکھا اور بے دلی سے اپنی پلیٹ میں نکالنے لگا۔ دوسری طرف ببلی کے سامنے پکوڑوں کی پلیٹ بھری پڑی تھی۔

خود وہ آلو چنے پہ ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ بلی نے کن انکھیوں سے بنٹی کے افسردہ چہرے کو دیکھا اور پھر چنگیر کھینچ کر اس انداز سے اپنے آگے کی کہ چند پکوڑے میز پہ ہی گر گئے لیکن میز پہ کھنچی بٹوارے کی لکیر کے دوسری جانب سب نے ایک ساتھ پکوڑوں کو دیکھا۔

"اوہ...... یہ تو ان کی طرف چلے گئے۔" بلی نے معصومیت سے ماں کو دیکھا۔

"تو کیا ہوا اٹھا لے۔" فرخندہ نے تنگ کر کہا۔

"ہاں ہاں اٹھاؤ اپنے پکوڑے۔ موا کولیسٹرول۔" تابندہ بھی جل کر بولی۔

"ایسے کیسے اٹھا لیں۔ یہ ہمارے پورشن میں آگئے اب ہمارے ہیں۔" بلی کی چال سمجھ کر بنٹی نے بھی مداخلت کی اور جھٹ پکوڑے اٹھا کر پلیٹ میں رکھ لیے۔

"وہی تو جب ہم اس طرف نہیں جاسکتے تو پکوڑے واپس کیسے اٹھا لیں۔ بٹوارے کا بھی تو یہی اصول ہے ناں امی۔" بلی نے معصومیت سے آنکھیں مٹکائیں۔ فرخندہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ دوسری طرف تابندہ کے گھورنے کے باوجود بنٹی نے فٹافٹ پکوڑوں پہ ہاتھ صاف کیا اور مسجد کی طرف نکل گیا۔

☆☆......☆☆☆......☆☆

رات کو بھاگم بھاگ وہ چھت پہ پہنچا تو بلی اپنی سائیڈ پر موجود چاٹ کھانے میں مصروف تھی۔ وہ بھی اپنی مخصوص جگہ پہ جا کر بیٹھ گیا لیکن اس احتیاط سے کہ بٹوارے کی لکیر کے پار نا جانے پائے۔ مجبوری تھی ماں نے قسم جو دے رکھی تھی۔

"کھا کھا کے تمہارا پیٹ نہیں بھرا موئی۔" اس کے بازو پہ دھپ مارتے بنٹی نے جل کر کہا اور ہاتھ سے پیالہ چھین لیا۔

"لائی تو تمہارے لیے تھی لیکن انہیں دیکھ کر دوبارہ بھوک لگ گئی۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"چاٹ مصالحہ کم ڈالا ہے۔" بنٹی نے کھاتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"کھا تو پھر بھی رہے ہو۔ ذرا جو خیال ہو روزے کی حالت میں کتنی تکلیف کے ساتھ بنائی ہے میں نے۔" جتاتے ہوئے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی توجہ دینے والوں میں سے نہیں تھا۔

"اس کام میں کون سے سو گھنٹے لگتے ہیں۔ مجھے دیکھو صبح کا گیا اب آیا ہوں لیکن تم عورتوں کی نازک مزاجی پہ قربان۔ ایسے احسان کریں گیں جیسے کھانا نہیں پکایا جنگ لڑی ہے۔" اس نے بھی چڑانے کا موقع ہاتھ سے جانے نا دیا۔ فوراً ہی بدلہ چکاتے سنا دیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے تم دفتر تھے تو میں کالج گئی تھی اور تم مجھے ایک بات بتاؤ؟ شادی کے بعد بھی کیا تم یہ عام مردوں کی طرح اپنی بڑائی جھاڑتے میرے کام میں نقص نکالو گے؟" وہ افسردہ ہوتی جذباتی انداز میں بولی۔

"یہ سب تو اس وقت ہوگا جب ہماری شادی ہوگی۔ جس طرح ہماری اماؤں نے محاذ آرائی کی ہوئی ہے مجھے تو مشکل ہی لگ رہا۔" خالی پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے وہ تمسخر سے بولا۔

"تو پھر کیا کریں بنٹی؟" اس نے مایوسی سے پوچھا۔

"تم خالہ کوثر کے بیٹے "چھکن" سے شادی کر لو۔ میں مامی شکیلہ کی بیٹی "گلابو" سے شادی کر لیتا ہوں۔" روانی میں کہتے وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ بلی تو ایک پل کو پریشان ہی ہو گئی۔

"تو یہ کیوں نہیں کہتے اس گلابو پہ دل آ گیا ہے جناب کا۔" زور سے اس کے بازو پہ دھپ مارتے اپنے اندر کا غصہ نکالا اس نے۔ بنٹی بے اختیار ہنس دیا۔

"میں تمہیں وارننگ دے رہی ہوں بنٹی۔ تم نے اگر اس گلابو سے شادی کی تو میں تم دونوں کو زہر دے دوں گی۔" وہ شدید جل کر بولی تو بنٹی کو مزید ہنسی آئی۔

"اتنی جلدی اور بے موت نہیں مرنا مجھے۔ اس سے اچھا تو میں تم سے ہی شادی کر لوں۔" منہ پھلائے بلی نے اسے خفگی سے دیکھا پھر اگلے کئی منٹ وہ اسے مناتا رہا۔

☆☆......☆☆☆......☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ رفتہ رفتہ اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔ گرمی کی شدت کے باوجود بھی ان دنوں بازاروں میں عید کا رش

عروج پہ تھا۔ کل افطار میں بنٹی دفتر سے واپسی پہ لائی فروٹ چاٹ کھا رہا تھا۔ دو دن پہلے اس نے بلی کو فرخندہ سے فروٹ چاٹ کی فرمائش کرتے سنا تھا۔ جس پہ فرخندہ نے اسے پھلوں کی قیمت اور مہنگائی پہ لیکچر دیتے منع کر دیا تھا۔ بنٹی کو اس کا اترا ہوا منہ بالکل اچھا نہیں لگا تھا اسی لیے وہ آج فروٹ چاٹ لے آیا لیکن اب پھر وہی مرحلہ اسے کھلائے کیسے۔ لہٰذا اس بار بھی وہی طریقہ واردات اختیار کیا گیا اور چاٹ کی پلیٹ کہنی سے سرکا کر باؤنڈری لائن کے پار ہوئی جس پہ غلطی کا انکشاف کرتے اسے واپس لینے سے انکار کر دیا گیا۔ کلیم اور سلیم تو کبھی ان باتوں پہ معترض تھے نا ہی بچوں کی شادی پہ کوئی ایشو تھا پر دونوں ہی بیویوں کے سامنے مجبور تھے جو سالوں سے حکومت وا پوزیشن کا کردار ادا کر رہی تھیں۔

صبح نماز کے بعد کالج کی تیاری کرتے بلی بڑے اطمینان سے اپنے ناخنوں پہ نیل پالش لگا رہی تھی۔ دراصل آج بنٹی نے اسے کالج کے بعد ملنے کو کہا تھا۔ لہٰذا وہ اسی حساب سے تیاری کر رہی تھی کہ اچانک کمرے میں داخل ہوتی فرخندہ کی آواز پہ چونک کر دیکھا۔

''ہے ہے یہ کس چکر میں ناخنوں پہ پالش لگ رہی ہے۔ نماز کون پڑھے گا۔ پتا ہے ناں نماز نہیں ہوتی اس طرح۔'' اس نے تیز لہجے میں ٹوکا۔

''ظہر کی نماز میں تو ابھی وقت ہے۔ کالج سے واپس آ کر صاف کر دوں گی۔'' پاؤں کے ناخن سجاتے اس نے لاپروائی سے کہا۔

''آگ لگے تمہارے فیشنوں کو۔ ایسی بھی اب کون سی آفت آ گئی کہ سارا دن اسی پریڈ میں لگی رہو گی۔ لگاؤ اتارو اتارو لگاؤ'' فرخندہ کو موقع چاہیے تھا اپنا غصہ نکالنے کا۔ کل افطار پہ سلیم نے روک دیا تھا کچھ کہنے سے تو آج اس طرح شروع ہو گئی۔

''ہاں تو میرا مسئلہ ہے ناں آپ کس لیے ہلکان ہو رہی ہیں۔'' ہاتھوں کی پشت کو پھیلا کر دیکھتے اس نے بے نیازی سے کہا۔ فرخندہ جلی کٹی سنا کر کمرے سے نکل گئی۔

دوپٹہ درست کرتی بلی شیشے کے سامنے آئی اور بالوں کی چوٹی نفاست سے بنا کر ڈریسنگ ٹیبل سے ایک لپ اسٹک اٹھائی اور ہونٹوں پہ لگانے کو ہی تھی کہ کچھ سوچ کر رک گئی۔

''رہنے دیتی ہوں۔ خوامخواہ روزہ مکروہ ہو جائے گا۔'' لپ اسٹک واپس ڈریسنگ ٹیبل پہ پٹخ کر وہ اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆......☆☆☆☆......☆☆

''آج آفس سے جلدی کیسے آ گئے؟'' کالج کے بعد بنٹی اسے لینے آ گیا۔

''تمہیں عیدی نہیں لینی؟ پھر اپنی مرضی سے کچھ لے آیا تو تم نے کیڑے نکالنے ہیں۔'' موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے اس نے جتایا۔

''چوائس بھی تو بونگی ہے تمہاری۔'' وہ کون سا چھوڑنے والی تھی۔

بازار پہنچ کر بنٹی نے بلی ہی کی پسند سے اسے سوٹ جوتا اور چوڑیاں خرید کر دیں۔ ایک دکان پہ گرما گرم اور خستہ سموسے بن رہے تھے۔ وہ بھی خرید لیے۔

''اس حالت میں سموسے خرید کر کیوں روزہ خراب کر رہے ہو۔'' اس نے ٹوکا۔

''یار افطار میں کھا لینا۔'' وہ لوگ اب گھر کی طرف چل دیے تھے۔

''کیا فائدہ...... افطار تک تو ویسے ہی ٹھنڈے ہو جانے ہیں۔'' بنٹی مسکراتا ہوا اسے گھر سے کچھ فاصلے پہ اتار کر ہی واپس دفتر چلا گیا جبکہ وہ ساری شاپنگ اپنے بیگ میں بھر کر بس سموسوں کا لفافہ تھامے گھر میں داخل ہوئی۔ اب اماں کے آگے کوئی بہانہ بھی کرنا تھا آج دیر سے آنے کا۔ دروازہ کھولا تو سامنے صحن میں تابندہ مشین لگائے دھوبی گھاٹ کھولے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر بھی ان دیکھا کرتی کپڑے نچوڑتی رہی۔ سامنے کچن سے فرخندہ نکلی اور اس کے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔

''امی سموسے کھانے کا دل کر رہا تھا تو بازار چلی گئی تھی۔''

پلان کے مطابق بہانہ بنایا تو فرخندہ کا غصہ کچھ اور بڑھا۔
"چٹور پنا تو ختم ہے تم پہ۔" فرخندہ نے سنائیں۔ بلی لفافہ سامنے دکھا کر جلدی سے کمرے کی طرف بھاگی۔
"ماں پر جو گئی ہے۔" کپڑے ٹوکری میں رکھتی تابندہ نے چوٹ کی۔ فرخندہ نے مڑ کر دیکھا لیکن وہ توجہ دیئے بغیر کپڑوں کی بھاری ٹوکری اٹھائے تار تک آئی تاکہ کپڑے تار پہ سوکھنے کو ڈال دے۔ اب یہ روزہ کا اثر تھا' گرمی کا یا پھر کام کی زیادتی۔ تابندہ ایک دم چکر کھا کر صحن کے پکے فرش پر گری۔ فرخندہ کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گیلے فرش پہ اوندھی پڑی کراہ رہی تھی۔ وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔ ہوش تب آیا جب کمرے میں کسی چیز کے گرنے کی زوردار آواز پہ گھبرا کر بلی باہر نکلی۔
"امی یہ تائی امی کو کیا ہوا؟" وہ بے تحاشہ ان کی طرف بھاگی۔ اس سے پہلے کہ بٹوارے کی لکیر پار کرتی فرخندہ نے ہاتھ بڑھا کر روک لیا۔
"امی' تائی امی کو ہماری ضرورت ہے۔" وہ حیرت و مایوسی کے ملے جلے تاثر سے بولی۔
"ہم وہاں کیسے جاسکتے ہیں بلی۔ میں نے قسم کھائی تھی یہ لکیر مر کر بھی پار نہیں کروں گی۔"
"آپ اپنی قسم نبھائیں پھر بھلے وہاں ان کی جان ہی کیوں ناں چلی جائے۔ امی کیا انسانیت آپ کی انا سے بڑھ کر ہے؟ آپ دلوں کے بٹوارے کی لکیر دلوں کو دور نہیں کرسکتی۔" فرخندہ کے ہاتھ جھٹک کر بلی بے اختیار لکیر کے پار نکل گئی اور جلدی سے تابندہ کو اٹھایا۔ پیچھے فرخندہ سن سی کھڑی بیٹی کی بات پہ شرمندہ اپنی ہی نگاہوں میں گر چکی تھی۔
"تائی امی اٹھیں...... ہمت کریں۔" اس نے بمشکل تابندہ کو اٹھایا لیکن وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھی۔ سر سے الگ خون بہہ رہا تھا۔ بلی نے بے بسی سے ماں کو دیکھا اور سر جھٹکا۔ فرخندہ ایک دم پلٹ کر کچن میں جا گھسی۔ بلی کو شدید تاسف نے آگھیرا پر اگلے ہی لمحے وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لیے تابندہ اور بلی کی طرف بڑھی۔
"پانی پلاؤ انہیں تاکہ ہوش تو آئے۔ مجبوری اور بیماری کی حالت میں روزہ توڑنا گناہ نہیں۔ بعد میں کفارہ دے دیں گے۔" بلی کی حیرانی پہ دھیان دیے بغیر وہ اب تابندہ کو پانی پلا رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے بلی کو جلدی سے رکشہ لانے کا کہا تاکہ تابندہ کو اسپتال پہنچایا جاسکے۔ وہ شکر کا کلمہ پڑھتی جلدی سے گھر سے باہر نکل گئی۔ آج برسوں بعد اس کی ماں کے دل پہ لگا قفل کھلا تھا۔

☆☆......☆☆☆......☆☆

پچھلے آٹھ دن سے تابندہ بیڈ ریسٹ پہ تھیں۔ وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ دوا میں بے احتیاطی اور عرصے سے لاپروائی کی وجہ سے مرض بڑھتا رہا تھا۔ اب بھی کام کی زیادتی اور گرمی کی وجہ سے انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ گو زیادہ سیریس مسئلہ نا تھا پھر بھی دل کا مرض اچھے اچھوں کو ہلا دیتا ہے۔ وہ تو بلی اور فرخندہ کی بدولت وقت پہ اسپتال پہنچ گئیں ورنہ جانے اکیلے میں کتنی دیر یونہی بے آسرا پڑی رہتیں اور پھر جان کو خطرہ بھی ہوسکتا تھا۔ وہ اب خود روزے نہیں رکھ رہی تھی لیکن کلیم اور بنٹی تو پابندی سے روزہ رکھ رہے تھے۔ گھر کے کام بھی سب اسی طرح باقی تھے۔ ایسے میں پچھلے آٹھ دن سے باقاعدہ سحر و افطار اور تابندہ کے لیے تین وقت کا کھانا فرخندہ بنارہی تھی تو گھر کی صاف صفائی اور کپڑے دھونا بلی کے ذمہ تھا۔ وہ لکیر جو سالہا سال سے ایک ہی خاندان کے درمیان سرحد بنی تھی ان گزرے آٹھ دنوں میں جانے کتنی بار پار کی گئی تھی۔ تابندہ کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ فرخندہ کا ایثار اور بلی کی خدمت سر نا اٹھانے دیتی تھی۔ دل ہی دل میں اپنی کہی باتوں پہ شرمندہ ہوتی وہ جانے کتنی بار خود کو کوس چکی تھیں۔
آج چاند رات تھی۔ سب طرف خوشی کا سماں تھا۔ کل صبح عید کا اعلان ہوچکا تھا۔ کلیم اور سلیم دونوں لاؤنج میں ٹی وی پہ چاند رات کا کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ بلی ایک کون مہندی لیے اب اپنی سہیلی کے گھر جانے کے چکر میں تھی کہ اسے مہندی لگوانی تھی جبکہ کچن میں فرخندہ صبح کے لیے شیر خورمہ تیار کررہی تھی۔ تابندہ کمرے سے نکل کر

لاؤنج میں کلیم کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔
"بھابھی عید مبارک۔ بہت اچھا کیا آپ بھی کمرے سے باہر آئیں، ہنسیں بولیں گیں تو دھیان بٹے گا۔" سلیم نے خوش مزاجی سے کہا۔
"خیر مبارک۔ اندر بستر پہ لیٹے لیٹے میرا تو برا حال ہوگیا ہے۔" طبیعت کی خرابی سے ان دنوں ان کا چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔
"آپ کو کہیں باہر لے جاتا ہوں گھمانے۔ چاند رات کی خوب رونق ہے۔" بنٹی ابھی دوستوں سے مل کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ماں کو دیکھ کر محبت سے بولا۔
"باہر جا کر کیا کروں گی۔ یہیں سب کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولیں۔
"فرخندہ کہاں ہے سلیم؟" کچھ سوچ کر تابندہ نے پوچھا۔ سلیم نے آواز دی فرخندہ ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر آئیں۔ سامنے تابندہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں پھر مسکراتے ہوئے عید کی مبارک باد دی اور طبیعت پوچھی۔
"آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں میں خاص طور پہ بلی کا۔ اس بچی نے اتنے دن بہت خدمت کی ہے میری، گھر سنبھالا، میرا خیال رکھا۔" وہ کہتے ہوئے رکی۔ فرخندہ نے کچھ کہنا چاہا پر تابندہ نے روک دیا جیسے ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔
"آج خوشی کا موقع ہے سوچتی ہوں آج ہی بات کرلوں۔ ویسے بھی زندگی کا کیا بھروسہ۔"
"کیسی باتیں کررہی ہیں آپ امی۔ آپ کو میری بھی عمر لگ جائے۔" بنٹی نے ان کا ہاتھ تھامے ٹوکا۔
"یہ بات تو ڈھکی چھپی نہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔ یہ تو میری اور فرخندہ کی ضد تھی جو اپنے دل کی دل میں دبائے رکھی لیکن اب میں چاہتی ہوں ہم اپنے بچوں پہ ظلم کرنا بند کردیں۔ بٹوارے کی لکیر تو مٹ چکی ہے تو کیوں ناں دلوں سے کدورت بھی ختم کرکے ایک نئے رشتے کی شروعات کریں۔" تابندہ نے حسرت سے فرخندہ کی طرف دیکھا۔ سب ہی خاموش اب فرخندہ کے جواب کے منتظر تھے۔
"میں تو خود بڑی شرمندہ ہوں بھابھی سالوں سے سب کو تکلیف میں رکھا۔ بڑی شرمندگی ہوتی ہے جب چھوٹے ہمیں محبت اور ایثار کا سبق دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ دونوں آپ کے بچے ہیں۔ تو بس آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔" فرخندہ کی زبان سے ایسی دھیمی اور عاجزانہ باتیں سن کر سب ہی حیران پریشان تھے تو بلی کا دل خوشی سے دھک دھک کررہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی مہندی کی کون مسلتے اس نے اپنے اضطراب کو کم کرنا چاہا۔ کیا معلوم تھا یہ مہندی جو عید کے لیے ہاتھوں پہ لگوانے جارہی ہے اس بار سہاگ کی ہونے والی ہے کیونکہ اسی وقت سب بڑوں نے مل کر عید والے دن نکاح اور رخصتی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سب نے عید پہ ملنے تو آنا ہی تھا۔ اسی کے ساتھ نکاح کا فریضہ سرانجام پاجاتا۔ دنیاداری میں لگ کر ایک اچھے کام کو ملتوی کرنا یا اس پہ اسراف کرنا اب کوئی اچھی بات تو نہیں تھی۔ پھر انہی پیسوں سے کسی غریب کے گھر کا چولہا جلایا جاسکتا تھا۔ یہی سوچ کر تابندہ اور فرخندہ نے سادگی سے بنٹی اور بلی کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔
دل کی مراد اس بار اتنے حسین انداز میں پوری ہونے جارہی تھی۔ شاید یہ صدق دل سے مانگی ان دعاؤں کا اثر تھا کہ گھر ہی نہیں دلوں میں کھنچی لکیریں بھی مٹ گئی تھیں۔ بنٹی اور بلی کی زندگی کا حسین سفر شروع ہونے والا تھا اور عید کا چاند مسکراتا شرماتا کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔

کوئی سنہرا خواب

صائمہ قریشی

تارے	اترے	جب	پھیلایا	دامن	کو
عید کے	چاند	میں دیکھا	میں	نے ساجن	کو
چاند	رات کی	مہندی	مجھ	سے کہتی	ہے
تم	بھی اک	پیغام	لکھو	نا ساجن	کو



نجانے کتنے سال پرانی یہ عمارت آکسفورڈ میں افلی ویلیج کے ایریا ابریری ایونیو کے بالکل آخر میں واقع تھی۔ دیکھنے میں کسی آسیب زدہ محل سے کسی طور کم نہ تھی اور اُس سیارے کی مانند تھی جس پر طویل ریسرچ کے بعد زندگی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اجاڑ پن' خاموشی' یاسیت اور وہ سب کچھ جس میں رتی بھر بھی زندگی کی کوئی جھلک نہ ہو یہاں کی در و دیوار پر چسپاں تھا' سارا سال عجیب پراسرار فضا اس چار دیواری کا احاطہ کیے رکھتی تھی۔ دور سے دیکھنے پر ایک پراسراری سرسراہٹ اور خوف پورے بدن میں پگھلتے ہوئے لاوے کی مانند تیزی سے سرعت کر جاتا تھا لیکن اس کے باوجود اس ویرانے میں ایک ایسی کشش تھی کہ اس پر نظر پڑتی تو یک دم اس کے قدم ٹھہر جاتے اور نظریں اس رنجیدہ' ملول' سنسان اور اجڑے آنگن پر جم جاتیں اور دل میں اس سناٹے کے پیچھے رقم کہانی کو کریدنے کی خواہش ابھر ابھر کر ڈ دیتی تھی۔ اس بوسیدہ ٹوٹی پھوٹی عمارت کے دائیں جانب ایک کھلا میدان تھا۔ بائیں طرف تقریباً سو یارڈ کی جگہ خالی تھی۔ جو اس عمارت کا حصہ تھی لیکن یہ زمین بھی بنجر تھی۔ دائیں جانب کے کھلے میدان میں فٹ بال کا نیٹ اور کرکٹ کی پچ بنی ہوئی تھیں۔ ایک سائیڈ پر جھولے بھی تھے اور چند بینچ بھی...... جہاں بوڑھے لوگ بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھتے اپنا وقت گزارتے تھے۔ جوں جوں شام گہری ہوتی جاتی وہاں کی وحشت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا لیکن اس کے باوجود اس ویرانے میں ایک خاص کشش تھی کہ کھیل ختم کرنے کے بعد بچے ہوں یا بڑے اس عمارت اور اس میدان کے درمیان کے فینس تک ضرور آتے تھے۔ نظریں اس آنگن پر جمائے دل میں اس سناٹے کی کشش کی تہہ تک جاننے' اس کو کریدنے کی امنگ دل میں جاگتی...... لیکن اس کی طرف آگے بڑھنے کی سکت کسی میں نہ ہوتی۔

اس نے بال کو کک ماری تو پلے گراؤنڈ کو پھلانگتی بال اس عمارت کی حدود میں داخل ہوگئی...... اس کی نظروں نے بال کا تعاقب کیا...... اور پھر بھاگتے ہوئے بال لینے کے غرض سے ایک ہی جست میں فینس پر دونوں ہاتھوں سے وزن ڈال کر اپنا آپ اچھالا۔ اگلے ہی پل بال کو ڈھونڈا جو بکھرے پتوں میں نیچے چھپ گئی تھی۔ طائرانہ نگاہ اس ویرانے پر ڈالی اور اسی برق رفتاری سے واپس پلٹ گیا لیکن ان پلٹتی نگاہوں میں بہت سارے سوال بھی اس کے ہمراہ آئے تھے...... اور پھر اس کا معمول بن گیا' کھیل ختم کرنے کے بعد وہ کھیل کے میدان اور اس ویرانے کی حدود تک آتا' کھوجتی نگاہوں سے وہاں کھڑا رہتا...... اور پھر پلٹ جاتا...... نگاہوں میں تجسس ہوتا' کھوج کی لگن ہوتی' لیکن ابھی اتنی ہمت نہ آئی تھی کہ آگے بڑھ کر جانے۔

"کیسے معلوم ہو کہ یہ کس کا گھر ہے' کس سے پوچھوں؟" خود کلامی پر اس نے دائیں بائیں دیکھا' حسب معمول وہاں کوئی نہ تھا...... کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد وہ آج پھر پلٹ گیا...... وہ روزانہ وہاں آنے لگا...... کتنے ہی دن گزر گئے...... وہ دور کھڑا اس عمارت کو دیکھتا رہتا...... کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا لیکن کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔

اس عمارت کو کسی نے رنگین اینٹوں سے سجایا تھا۔ وہ گہری نظریں جمائے کھڑا تھا جو اب اپنی ناقدری پر آنسو بہاتے ہوئے سیاہی مائل رنگ میں ڈھل چکی تھی۔ سفید فریم والی گلاس ونڈوز پر جمی دھول نے ہر ایک منظر کو دھندلا رکھا تھا۔ گھر کے اندر جانے والا گیٹ نجانے کون' کب اکھاڑ کر لے گیا تھا...... لیکن کسی کو پروا نہ تھی۔ سائیڈ پر لگا لکڑی کا فینس جو بیک گارڈن کی طرف جاتا تھا' اپنی خستہ حالی کا ماتم مناتا محسوس ہو رہا تھا۔ ساری کھڑکیوں پر پردے ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ کتنے دنوں کی تحقیق تھی جو اسے مزید کھوجنے پر اکسا رہی تھی۔ آج انہونی ہوئی کہ ایک طرف والی کھڑکی روشن تھی...... لائٹ آن تھی...... لیکن یہاں کا مکین کہاں ہے' کون رہتا ہے یہاں؟

"کہیں واقعی یہاں جن بھوت کا قبضہ تو نہیں؟" وہ آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ اس خیال نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

☆

محبت ہے کہاں' فقط ایک بھرم' ایک مان' ایک بھروسہ' عزت کے دو بول' تحفظ کا یقین' ہاں ایسا ہی ہے...... ان سب کو باہم ملا کر جو مرکب تیار ہوتا ہے اس کو محبت کہتے ہیں۔ اگر

ایسا نہ ہوتا تو ان سب کے ٹوٹ جانے سے محبت میں کوئی فرق نہ پڑتا...... لیکن ایسا نہیں ہے' بھرم ٹوٹ جائے' مان کی کرچیاں کردی جائیں تو محبت کو دیمک لگنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں وہ انسان ہوں جس نے اپنی محبت کو کھرچ کر اپنے دل کو لہولہان کیا ہے' میں وہ انسان ہوں جس نے محبت کو نفرت میں بدل جانے کی گڑگڑا کر دعائیں مانگی ہیں' میں وہ ہوں جس نے محبت کو ختم کرنے کے لیے تعویذوں کو گھول گھول کر پیا ہے۔ یقین اٹھ جائے' بھرم ٹوٹ جائے تو محبت اس مچھلی کی مانند ہوجاتی ہے جو جال میں پھنس جاتی ہے' تو ہار جاتی ہے' بے بس ہوجاتی ہے اور بلآخر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے۔

بہت سی کمزوریوں میں عورت کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ بہت جلد ہی اعتبار کرلیتی ہے' تحفظ کا لالچ دے کر اعتبار دلایا جائے تو وہ یہ نہیں دیکھ پاتی کہ اعتبار دلانے والا کتنا بے اعتبار ہے' عورت روٹی' کپڑا اور مکان سے زیادہ تحفظ کی متمنی ہوتی ہے' ایک مضبوط حصار میں وہ بھوکی بھی رہ سکتی ہے اور محض چند جوڑوں میں کھلے آسمان تلے بھی زندگی گزار سکتی ہے۔

وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی...... چہرے پر بے انتہا نفرت عیاں تھی۔ سوچیں تلخ تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا رگ وپے میں خون نہیں زہر گردش کررہا ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچے اپنی سوچوں کو لگامیں دے رہی تھی۔ مزید کڑوا ہونے سے روک رہی تھی...... لیکن ناکام تھی۔

''اس نے کہا اسے محبت ہے......'' وہ مان گئی' اعتبار کرلیا...... اس نے کہا ''ایک مرد کی کامیابی عورت کے ساتھ کی مرہون منت ہے۔'' وہ اترائی۔ وہ بولا۔

''عورت ساتھ دے تو فقیر کو بھی بادشاہ بنا سکتی ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک بادشاہ کے ہاتھ میں کشکول تھما سکتی ہے۔ میں کامیاب ہونا چاہتا ہوں' میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں' مجھے تم اور تمہارا ساتھ' تمہاری طاقت چاہیے' میرے پاس تمہیں دینے کے لیے حق مہر میں فقط ایک وعدے کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمہیں تحفظ دوں گا...... میری محبت تمہارے نام...... میری زندگی تمہارا ساتھ......'' وہ چپ ہوا تو وہ مسکرانے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا آپ سونپ دیا۔ اس نے تحفظ کا وعدہ کیا تو اس نے یقین کرلیا۔

اس کے اس چہرے پر کرب تھا...... ہر ایک سانس کے ساتھ ایک ٹیس اٹھتی تھی' اس کا جی چاہتا تھا وہ چیخ چیخ کر بین کرے' روئے اور پھر زہر کھا کر مرجائے۔

''موم......'' بے اختیار ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔

''میں تحفظ دوں گا...... تم میرا ساتھ دو...... اور اس وقت خاموش رہو......'' ان تک محمد سبحان کی آواز آئی تھی۔

''وعدہ کرو......'' ہاتھ بڑھا کر وعدہ لیا گیا تھا۔

''ہاں وعدہ ہے۔''

''موم پلیز آنکھیں کھولیں......'' محمد سبحان ان کے چہرے کی وحشت سے خوف زدہ ہونے لگا تھا۔ وہ سن نہیں رہی تھی۔

''مجھے کھنڈرات پسند تھے...... انہیں کھوجنا مجھے اچھا لگتا تھا' تم نے میری زندگی کو کھنڈر بنادیا۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی' کبھی بھی معاف نہیں کروں گی......'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی...... اپنے اوپر پڑے کمبل کو اتار پھینکا' محمد سبحان بری طرح بوکھلایا تھا۔

''موم...... کیا ہوا؟'' اس نے گلاس سے پانی کے چھینٹے ان کے چہرے پر مارے تو وہ ہڑبڑا اٹھی۔

''کک...... کیا ہوا......؟'' وہ تو جیسے بے خبر تھیں...... وہ واقعی بے خبر تھیں۔

☾......☆......☾

اگلی ویلج میں بہار تو آچکی تھی...... مگر عجیب ہی ڈھنگ سے...... ایسی بہار کے خزاں نے ابھی تک ڈیرے جمار کھے تھے۔ سوکھے زرد پتے' ہر طرف بکھرے بہار کی رنگینی کو ملیامیٹ کررہے تھے۔ پرندے رقص بہاراں کے لیے مچل رہے تھے...... مرجھائے دل جو سرد مہری کے بادل چھٹنے کے منتظر تھے کہر میں بھٹکتے بھٹکتے اکتا چکے تھے...... اب ایسی بہار پر مزید دل گرفتگی سے حسرت بھری نظروں سے موسم کی ستم ظریفی کو تکے جارہے تھے۔ باہر کا موسم دل کے موسم کا تابع ہوتا ہے۔ جب دل بے چینیوں کا گھر ہو تو فضا میں پھولوں کی مہکار لاکھ کوشش کے باوجود نہ ہو تو خوش آئند ثابت ہوکر ہلچل

چھاتی ہے نہ ہی دل کی بنجر زمین پر جمی کائی کو مٹا سکتی ہے۔ نہ تو ہنسی آتی ہے اور نہ ہی دل کسی خوشگواریت کے لیے آمادہ ہوتا ہے اور جب دل پہلے ہی یاسیت اور بے بسی کے شکنجوں میں جکڑا ہو تو باہر کا خزاں زدہ اور رنجیدہ موسم ان چند لمحوں کو بھی مسخ کردیتا ہے جو کبھی کبھار خوشگوار پھوار بن کر دل کی ویران وبنجر زمین پر پھول کھلا کر اس کو انمول کردیتے ہیں' اس ٹھہرے ہوئے موسم میں پھیلی ہیبت ناک اداسی' گھٹن اور حبس نے معاذ ہاشم جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو بھی اپنے آہنی شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

شام کا وقت تھا لیکن خراب موسم کے باعث ہر طرف اندھیرا ایسے چھایا تھا جیسے جاڑے کے دنوں کا آغاز ہو...... معاذ ہاشم پچھلے چند دنوں سے ناساز طبیعت کے باعث اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت کچھ طبیعت کی خرابی اور کچھ موسم کے دل گرفتہ اثرات تھے جو ان پر حاوی ہو کر اس پل ان کی اضطرابیت کو مزید بے چینی میں ڈھال رہے تھے آنکھوں میں تیرتی نمی' ماتھے پر پُرسوچ سلوٹیں' مضمحل ومضطرب چہرے کے ساتھ ڈارک براؤن چادر لپیٹے ہاتھ میں سوپ کا پیالہ تھامے اس سے اٹھتے دھوئیں کو دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں جذب کرتے صدمے اور تاسف بھری نظروں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ جہاں پھیلے اندھیرے میں ان کی آنکھیں امید کی ان کرنوں کو کھوج رہی تھی جو نجانے کب سے رستہ بھولی ہوئی تھیں۔ نجانے کیوں وہ کرنیں ان کی آنکھوں کی پتلیوں کو روشن کرنے سے قاصر تھیں' بے سکونی دن بدن بڑھتی جارہی تھی اور معاذ ہاشم مسلسل بے چینی کا شکار تھے۔ انہیں محسوس ہونے لگا تھا ان کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں ہے...... ماں کا دل دکھایا تھا' باپ کے دل کو بھی ٹھیس پہنچائی تھی اور خود یہاں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے زندگی گزار رہے تھے۔

"معاذ ہاشم تم غلط کررہے ہو بیٹا......" بے بسی پر انہوں نے قدم روک کر دیکھا تھا۔

"اماں...... انہیں بھی تو سمجھائیں...... کیوں ایسے حالات پیدا کردیئے کہ میں غلط کرنے پر مجبور ہوگیا۔"

"معاذ بیٹا یہ باپ ہیں تمہارے......" انتہائی دکھ بھری آواز کو نظر انداز کرکے معاذ نے وہ کمرہ چھوڑ دیا تھا۔

"سر کیا ہوا...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اس سے پہلے کہ یہ یاسیت کسی نقصان کا موجب بنتی غلام احمر کمرے میں داخل ہوا اور اس کی متفکر آواز کے ساتھ ہی کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا' تو معاذ ہاشم اپنے آس پاس پھیلی روشنی کو متنفر نظروں سے دیکھنے لگے۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں......" وہ گہری سانس بھر کر بولے۔

"سر ایک بات نوٹس میں آئی ہے' بہت دنوں سے موقع نہیں مل رہا تھا کہ آپ کے گوش گزار کرتا......" غلام احمر مودبانہ انداز میں ان سے مخاطب ہوا تو معاذ ہاشم نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"غلام احمر حیرت ہوئی یہ جان کر کہ تمہیں موقع کی تلاش تھی۔" معاذ کے لہجے میں ایک خفیف سا گلہ تھا...... جس پر غلام احمر مسکرا کر سر کھجانے لگا۔

"سر آپ موسم کے زیر اثر تھے تو مناسب نہ سمجھا...... اور اب تو جانتا ہوں کہ جب آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو پھر اس حصار سے نکلنے کے لیے آپ کو بہت وقت درکار ہوتا ہے......" غلام احمر نے حقیقت بیان کی جس پر معاذ ہاشم کھسیانے سی ہنسی ہنس دیے۔

"اچھا کیا بات ہے؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"کافی دنوں سے نوٹ کررہا ہوں کہ ایک لڑکا ہے جو بہت چکر کاٹ رہا ہے' بہت گہرائی سے مکان کی جانچ پڑتال کررہا ہے...... پہلے تو خاص نوٹس نہیں لیا کیوں کہ آپ تو جانتے ہیں بہت سے لوگ گہری نظروں سے مکان کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن اس کا انداز کچھ الگ ہے۔" غلام احمر نے تشویش ناک انداز میں کہا۔

"اگر کوئی پراپرٹی ڈیلر ہے تو خود ہی سنبھال لینا...... تم تو جانتے ہو غلام احمر وہ گھر میں نے بیچنا نہیں ہے۔" معاذ ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا۔

"سر بات کچھ سمجھ نہیں آئی' اگر پراپرٹی ڈیلر ہوتا تو ایسی زیرک نظری کا مظاہرہ کرتا کیا؟ اور پھر مکان کی حالت بھی ایسی

نہیں کہ کوئی ڈیل اتنی آسانی سے ہوجائے' بڑا رسک ہے۔"
غلام احمر نے پُرسوچ نظروں سے انہیں دیکھا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
"زیرک نظری سے کیا مطلب؟ اگر پراپرٹی ڈیلر ہے تو بھی ظاہر ہے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے ہی کوئی قدم اٹھائے گا ناں؟"
"آپ کی بات سو فی صد درست ہے سر لیکن...... میں نے بھی زمانہ دیکھا ہے' نظروں کی پہچان مجھے بھی ہے......"
غلام احمر ان کی بات سے قائل نہ ہوا۔
"غلام احمر تمہاری نظر اور تمہارے وہم......" وہ دھیرے سے ہنسے۔
"سر......" وہ خجل سا ہوا۔
"اچھا تم نظر رکھو اور جو بھی رزلٹ سامنے آئے مجھے آگاہ کرنا......" معاذ ہاشم نے مسکرا کر کہا۔
"سر...... اب وہاں کی حالت بہت خستہ ہوتی جارہی ہے چند ماہ تک اگر مرمت نہ ہوئی تو نقصان یقینی ہے......" غلام احمر نے انہیں مکان کی حالت سے آگاہ کیا۔ "آپ خود وہاں کیوں نہیں شفٹ ہوجاتے؟ اس طرح کرائے کے مکان میں رہنا جبکہ آپ کے پاس اپنا ذاتی گھر موجود ہے' کوئی خاص دانش مندانہ بات نہیں۔" غلام احمر ان کا غلام نہیں تھا' لیکن ایک ایسا خیر خواہ تھا جس نے ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ ہر طرح کے حالات میں غلام احمر ان کے ہمقدم رہا...... معاذ ہاشم اسے پورے نام سے پکارتے تھے...... اور غلام احمر انہیں سر کہتا تھا' دونوں میں ایک اٹوٹ رشتہ تھا' غلام احمر انہیں ڈانٹ بھی لیتا تھا اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق بھی رہتا اور ان کا ایک رعب بھی تھا۔
"غلام احمر' وہاں جانے کا دل نہیں کرتا' تم جاتے ہو ناں دیکھ بھال کرآتے ہو' خستہ حالی کے باعث کوئی نقصان ہوا تو بتا دینا......" تھکن آمیز لہجے میں معاذ ہاشم بولے تو احمر نے دوبارہ کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔ نجانے کتنے برسوں سے وہ ان کو قائل کرنے کی کوشش میں تھا...... اب تو برسوں کا حساب بھی محو ہو چکا تھا۔
ان کے انداز نہ بدلے تھے...... وہی گمبھیر اداسی' وہی جان لیوا یاسیت اور وہی تلخی...... وہ زندگی گزار رہے تھے...... فقط غلام احمر کے سہارے۔

......☆......

وہ بہت گھبرا رہا تھا' ایسا نہیں تھا کہ ان کی ایسی حالت پہلی بار ہوئی تھی ہاں لیکن ہر بار ان کی حالت کا پہلے سے زیادہ تشویش ناک ہونا اسے بوکھلا دیتا تھا۔
"ان کی ذہنی حالت ایسی نہیں کہ انہیں اکیلا چھوڑا جائے...... تمہیں بہت زیادہ کیئر فل رہنا پڑے گا۔" ڈاکٹر کی خاص ہدایت تھیں۔
"موم...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ متفکرانہ لب و لہجے کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا۔
"مجھے موم نہ کہو...... میں تمہاری ماں نہیں ہوں......" انہوں نے اسی تلخی سے کہا...... وہ ابھی تک حواسوں میں نہ لوٹی تھیں۔
"آپ میری ماں نہیں تو کیا ہوا؟ آپ میرے لیے میری ماں جیسی ہی ہیں......" محمد سبحان نے عقیدت مند لہجے میں کہا۔
"آپ ٹھیک ہیں ناں اب؟" وہ پھر ان سے مخاطب ہوا۔
انہوں نے غائب دماغی سے اثبات میں سر ہلایا۔
"پھر کچھ سوچ رہی تھیں ناں؟ کتنی بار کہا ہے موم سوچا نہ کریں...... ریلیکس رہا کریں۔ آپ میرے لیے بہت خاص ہیں...... جینا سیکھیں......" محمد سبحان کے لہجے میں التجا تھی۔
"رولیں موم' بہت سارا رولیں لیکن ایسے نہ کریں' بابا کے بعد آپ میری کل کائنات ہیں۔" وہ انہیں احساس دلا رہا تھا کہ وہ بہت خاص ہیں' بہت قیمتی ہیں لیکن صوفیہ بے یقین تھی...... کچھ دیر کے لیے ان کی آنکھوں میں نمی اتری اور پھر خشک سالی درآئی...... وہ رو نہیں پارہی تھی' اگر رو لیتی' کہہ لیتی تو شاید سارا غبار نکل جاتا' وہ واقعی کھنڈر بن چکی تھی اور اب کوئی کھوجنے والا نہ تھا۔
"موم یقین کریں آپ کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" ڈاکٹر جیکسن نے اسے ہدایت دی تھی کہ صوفیہ کو یہ یقین دلانا ہے کہ وہ بہت خاص ہیں' انہیں اپنی

اہمیت کا احساس ہوگا تو ان کا ڈپریشن بھی دور ہوجائے گا۔ پچھلے تقریباً ڈیڑھ سال سے سبحان دن رات ان کے ساتھ رہتا تھا..... صوفیہ نے اسے دیکھا..... نظروں میں بے یقینی تھی لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔

''موم..... بابا کے لیے آپ بہت خاص تھیں..... وہ آپ کو بتانا چاہتے تھے.....'' اس نے ان کو پانی پلایا اور دوائی دی..... ساتھ ان سے باتیں کرتا رہا۔

''کیا ہوا موم..... نہیں یقین آیا کیا؟'' وہ ان کے بے یقین انداز کو دیکھ کر پوچھنے لگا انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''بابا کی محبت کا یقین نہیں کیا؟'' وہ انہیں بولنے پر اکسا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ چیخیں چلائیں تاکہ ان کے اندر کا جمود ٹوٹ جائے اور وہ ایک نارمل انسان نظر آنے لگے۔

''تمہارے بابا ایک شریف انسان تھے..... لیکن میں ان کی شرافت کو ان کی بزدلی کا نام دیتی تھی.....'' وہ دھیرے سے بولیں۔ سبحان نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''وہ محبت نہیں کرتے تھے اس رشتے کو نبھا رہے تھے..... مجبوری کے رشتے نبھا بھی لیے جائیں تب بھی ان میں ایک تشنگی باقی رہ جاتی ہے ان میں محبت نہیں ایک کڑوا سچ ہمیشہ رہتا ہے.....'' صوفیہ کے لہجے میں کرب تھا چہرے پر یاسیت نمایاں تھی۔

''موم کہہ لیں سب جی ہلکا ہوجاتا ہے.....'' تقریباً ایک سال بعد صوفیہ نے بولنا شروع کیا تھا۔ چند باتیں کچھ تفصیل کے ساتھ کہہ پائی تھیں۔

''کہہ لینے سے میرا جی ہلکا نہیں ہوسکتا..... کچھ دکھ کچھ درد اور اداسیاں بہت ذاتی ہوتی ہیں جنہیں ہم چاہ کر بھی کسی پر عیاں نہیں کرپاتے شاید اس لیے کہ ہمیں خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ہم اداس ہیں پریشان ہیں یا دکھی؟ یا شاید اس لیے کہ ہماری اداسی یا پریشانی کوئی دوسرا سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ سمجھانے کی نہیں محسوس کرنے کی ہوتی ہیں..... جب احساسات کو الفاظ کا پیراہن پہنانا پڑے دکھ کیا ہے یہ سمجھانا پڑے تو پھر بتانے کا مقصد نہیں رہتا.....'' صوفیہ نے کچھ نہ بتا کر بھی بہت کچھ عیاں کردیا تھا۔

''موم جو آپ کے اپنے ہوتے ہیں وہ آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں آپ کو دکھ درد یا اپنی اداسی کو ان کے سامنے بیان نہیں کرنا پڑتا..... وہ جان جاتے ہیں آپ کی پریشانی دکھ اور درد کو بھی محسوس کرلیتے ہیں۔ آپ کو صرف یقین کرنا ہوتا ہے کہ وہ آپ کی خوشی چاہتے ہیں.....'' سبحان نے ان کے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو اپنی پوروں سے چنا۔ وہ رونے لگیں زاروقطار..... بے قرار ہوکر..... وہ ان کو حصار میں لیے بیٹھا رہا..... ان کا محافظ بن کر..... سبحان ان کے وہ دکھ درد اور پریشانی محسوس کرتا رہا جو وہ بتا نہیں پارہی تھیں۔

☾.....☆.....☾

وہ گھر میں داخل ہوا تو حسب معمول ایک گہری خاموشی نے اس کا خیر مقدم کیا روزمرہ کی ویرانی اس لمحے مزید نمایاں تھی۔ گہرے بادلوں کے باعث گھر میں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ایک ایک کرکے سارے بلب روشن کردیے۔ سیٹنگ روم کا بلب روشن کرتے ہی اس عورت کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''ممی..... آپ یہاں؟ میں تو سمجھ رہا تھا آپ گھر پر نہیں ہیں۔'' وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھا۔ ان کا ہاتھ پکڑا جس کو انہوں نے ایک پل میں جھٹک دیا۔

''ممی مجھے بھوک لگی ہے.....'' بارہ سالہ سبحان معصومیت سے بولا۔

''میں نے آج کچھ بھی نہیں پکایا۔ باہر سے آرڈر کرلو۔'' تاجدار ناگواری سے کہہ کر وہاں سے چل دیں۔ وہ وہیں بیٹھ گیا..... جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا ایسے ہی دیکھا تھا۔ اس کی عمر صرف بارہ سال تھی لیکن سمجھ کے اعتبار سے وہ ایک میچور بچہ تھا وہ رویوں کو سمجھ جاتا تھا اسے معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ایک ادھورے گھر کا مکین ہے۔ ہمیشہ کی طرح ماں کے کٹھور رویے نے اس کی بھوک کی شدت میں کمی کردی تھی۔ وہ بچہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی جہاں روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔

''ایک مکمل گھر..... لیکن ادھورا.....'' وہ زیرلب بڑبڑایا..... محض بارہ سال کی عمر میں اسے گھر کا ادھورا پن نظر

آ گیا تھا۔

ایک مکمل فیملی اور بے سکونی..... ہر آسائش اور محبت کی کمی..... مسکراہٹوں کا کال اور پیسے کی فراوانی..... تلخیاں، نفرتیں، رنجشیں..... اس کی زندگی میں بہت کچھ تھا۔ ہر لمحہ نفرت، ہر پل چیخ و پکار، آہیں، بددعائیں۔ محمد سبحان جب چھوٹا تھا تو ممی اور بابا کی تلخ کلامی پر سہم جاتا تھا، جوں جوں بڑا ہوتا گیا حالات کو بھی سمجھنے لگا اس نے یہی سمجھا تھا کہ ممی ہی ہمیشہ لڑائی میں پہل کرتی ہیں، کتنے ہی سالوں تک وہ ممی اور بابا کے تعلق کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن ممی کی تلخیاں مزید بڑھتیں جارہی تھیں اور بابا کی خاموشیاں بھی۔

"بابا....." اس کے لیے اب گھر کے ماحول میں سروائیو کرنا بے حد مشکل ہوتا جارہا ہے۔ وہ اب عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اس کو ایک گائیڈ لائن کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنا مستقبل بنانا تھا لیکن یہاں تک کی عمر میں اس نے سوائے نفرت کے اور کچھ نہ دیکھا تھا۔ اس نے بابا سے سوال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گو کہ محمد سبحان کی عمر والدین سے سوال کرنے کی نہ تھی لیکن وہ حاضر ہوا تھا۔

"جی بیٹا آجاؤ" حسب معمول شجاع صاحب نیم تاریکی میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ سامنے کافی کا مگ رکھا تھا۔ جس کی رنگت سے صاف ظاہر تھا کہ کافی اب ٹھنڈی یخ ہوچکی ہے اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کرتے کمرے کو مکمل روشن کردیا تھا۔

"بابا آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ دھیمی آواز میں شجاع کو دیکھ کر بولا۔

"ہاں کہو بیٹا کیا مسئلہ ہے، پیسے چاہیں کیا؟" انہیں یک دم خیال آیا کہ اس ہفتے انہوں نے سبحان کو پاکٹ منی نہیں دی تھی۔

"نہیں بابا....." وہ سر جھکا کر بولا۔

"تو بیٹا کیا مسئلہ ہے؟" اس کے لیے وہ خاص تھا فکر مندی سے استفسار کیا۔

"بابا..... آپ اور ممی کے درمیان محبت کیوں نہیں ہے؟" اس کے سوال پر وہ گنگ رہ گئے۔

"بولیں ناں بابا..... ہمارے گھر میں صرف نفرت کیوں ہے، ہم لوگ ہنستے کیوں نہیں ہیں بابا؟" وہ خاموش رہے تو سبحان نے پھر سوال کیا۔

"بیٹا کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی قسمت میں سب کچھ ہوتا ہے سوائے محبت کے، ہم دولت جمع کرنے میں تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن پھر محبت کی بازی ہار جاتے ہیں۔" اس کے معصوم ذہن میں ان کی بے ربط دلیل سمانہ سکی تھی۔ "سبحان بیٹا آپ پریشان نہ ہوں۔"

"بابا مجھے ایک مکمل گھر چاہیے۔"

"بیٹا....."

"نہیں بابا یہاں خوشی نہیں ہے..... محبت بھی نہیں ہے....." وہ منہ بسور کر بولا۔

"جب تمہارا اپنا گھر ہوگا ناں تو وہاں محبت بھی ہوگی اور خوشی بھی....." شجاع نے اسے بہلایا تھا۔

"کیا آپ اور ممی کی فورس میرج تھی بابا؟" وہ ایسی عمر میں تھا جہاں زبردستی کے بندھن سے شناسائی ہوچکی تھی۔

"ہاں بیٹا..... ہم شادی نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن حالات ایسے تھے کہ ہم انکار نہ کرسکے۔" شجاع نے اپنی ناکامی کو تسلیم کرلیا تھا۔

"میں نے تو سمجھوتہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن تمہاری ممی اتنی مضبوط نہ تھیں۔" وہ نپے تلے الفاظ میں اسے بتانے لگے تھے۔ وہ سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھ رہا تھا۔

"پریشان نہ ہو بیٹا، زندگی بعض اوقات بہت سے ان چاہے فیصلے کروا دیتی ہے۔ سمجھنے کے باوجود ہم اس فیصلے کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک سکے اس لیے زندگی مشکل ترین ہوتی چلی گئی۔" ان کا لہجہ انتہائی شکست خوردہ اور سبحان بہت بیزار ہوا تھا۔

دونوں باپ بیٹے کے درمیان بس یہی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی اور پھر حالات مزید سنگین ہوتے چلے گئے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ان کے جانے سے گھر میں ایک تلخ ماحول کا کھنچاؤ کم ہوگیا۔ اس نے شجاع سے کوئی سوال نہ پوچھا اور خاموشی سے ان کے چلے جانے کو تسلیم کرلیا تھا۔ پھر اچانک ایک دن ان کی

زندگی میں صوفیہ آئی..... گھبرائی ہوئی؟ شدید ڈپریشن کا شکار۔

"سبحان بیٹا..... یہ تمہاری موم ہیں....." شجاع نے صوفیہ کا تعارف کروایا تو اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

اس نے کوئی سوال پوچھا نہ احتجاج کیا۔ کوئی واویلا نہ مچایا کہ اس کی ماں کی جگہ وہ کسی دوسری عورت کو کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کے پاس تو کوئی جگہ تھی ہی نہیں..... شجاع نے صوفیہ کو خوش آمدید کیا..... صوفیہ مسلسل غائب دماغی کا شکار تھی۔ وہ جواب پڑھائی پر توجہ دینے لگا تھا ایک بار پھر الجھنے لگا۔

"صوفیہ کا بہت خیال رکھنا بیٹا..... یہ تمہاری ذمہ داری ہیں۔ یہ یاد رکھنا بیٹا کہ صوفیہ تمہارے بابا کو بہت عزیز ہیں۔ پریشان ہیں، ذہنی دباؤ کا شکار ہیں لیکن تمہیں بہت پیار کرتی ہیں۔ انہیں سنبھال لینا....." شجاع نے سبحان سے کہا تھا اس کے لیے بابا کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا تاجدار کہاں گئی ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا طے ہوا تھا..... وہ یہ بھی نہ جان سکا تھا کہ صوفیہ کون ہیں؟ وہ انہیں موم کہنے لگا..... اور ان کی دیکھ بھال کرنے لگا..... بہت سے سوال پوچھنا چاہتا تھا..... لیکن خاموش رہا۔

چھوٹے سے گھر کا وہ کردار جو زیادہ تر خاموش ہی رہتا تھا، اس کی کہانی پر ختم شد لکھ دیا گیا..... سبحان کے لیے شجاع کی جدائی کا جھٹکا اسے توڑ گیا تھا۔ صوفیہ جو اس کی توجہ اور ایک محفوظ مقام پر اپنے آپ کو سنبھال رہی تھیں ایک بار پھر بکھر گئیں..... اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کیونکہ اسے صوفیہ کو بھی سنبھالنا تھا۔

"موم چائے پئیں گی؟" صوفیہ نے حرکت کی تو سبحان چونکا۔ وہ یہ سمجھ کر وہاں سے اٹھ رہا تھا کہ وہ سوگئی ہیں..... صوفیہ نے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

"موم بابا یاد آرہے ہیں کیا؟" اس نے دیکھا صوفیہ کی آنکھوں میں ابھی تک نمی تھی۔ بلا ارادہ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ زیرلب مسکرلیا۔

"موم بابا تو اب نہیں لوٹ سکتے ناں، لیکن میں ہوں ناں..... آپ ٹھیک ہوجائیں پھر ہم ہماری زندگی کو خوب صورت بنائیں گے..... گھر کو بھی سجائیں گے..... بس آپ ٹھیک ہوجائیں....." وہ ان کے کندھے سے سر ٹکائے بہت محبت و عقیدت سے ان سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے....." صوفیہ نے بھی ارادہ کرلیا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گی۔ انہوں نے سبحان کو دیکھا..... وہ انیس بیس سال کا خوبرو جوان تھا اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی کے ساتھ آنکھوں میں ایک گہری خاموشی تھی تھی۔

"موم، میری اب تک کی زندگی میں، میں نے کچھ نہیں دیکھا، سوائے نفرتوں، آہوں اور آنسوؤں کے..... پلیز موم آپ ٹھیک ہوجائیں تاکہ میں بھی اپنی زندگی کو جی سکوں....." اس کے آبدیدہ لہجے میں ایک التجا تھی۔

"سونے کی کوشش کریں موم میڈیسن لی ہے ناں آپ نے؟" وہ ان پر کمبل سیٹ کرکے ان سے پوچھنے لگا انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور آنکھیں موند لیں، تو وہ بھی وہاں سے باہر نکل گیا۔

⊙.....☆.....⊙

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ چڑیوں کی چہچہاہٹ نے ان کی آنکھوں کو بیداری بخشی تھی۔ کسلمندی سے پہلو بدلا اور پھر اٹھ بیٹھا..... چہرے پر ایک اطمینان تھا، ہلکی سی مسکراہٹ بھی نمایاں تھیں۔ فریش ہوا اور پُررونق چہرے کے ساتھ وہ بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں صبح ہی صبح چہل پہل نے ان کی مسکراہٹ کو گہرا کردیا تھا۔

"السلام علیکم.....!" انہوں نے باآواز بلند سلام کیا تو ہال "وعلیکم السلام" سے گونج اٹھا اور پھر ایک خاص ادا سے چلتا ہوا وہ آگے بڑھا۔

"دادی جان....." اسی انداز سے چلتا ہوا وہ میمونہ بیگم کے پاس جاکر ان کے تخت پر بیٹھ گیا۔

"میرا بچہ کیسا ہے، نیند پوری ہوگئی ناں؟" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلا کر محبت سے پوچھا۔

"ہاں دادی جان آج برسوں بعد ایک اچھی پُرسکون نیند کا مزہ لیا ہے۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر نیم دراز ہوگیا تو

میمونہ بیگم مسکرانے لگیں۔
"اپنا گھر ہی سکون دیتا ہے بچے....." وہ ملائمت سے بولیں۔
"جی جی...... ناشتہ لگاؤں کیا؟" وہ کچھ کہتا اس سے پہلے ایک خوب صورت نسوانی آواز نے اسے یک دم چونکایا۔ دوسرے پل وہ پوری طرح متوجہ ہوا...... اجنبی چہرے سے کچھ شناسائی کا احساس جاگا تھا۔
"ہاں ناشتہ لگا دو...... لیکن پہلے سب کو جگا تو دو......" میمونہ بیگم نے کہا تو دوسرے پل وہ پیاری دوشیزہ جیسے غائب ہی ہوگئی۔
"عازی بھائی آپ کو ہم نے بہت یاد کیا....." ناشتہ کی ٹیبل پر ثناء کی چہکتی آواز پر اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"میں نے بھی ان رونقوں کو بہت یاد کیا ہے...... دادی جان مجھے فریش ملائی میں چینی ڈال کر دیں....." عازی نے بچپن والی فرمائش کی تو دادی جان کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی مسکرا دیے...... دوسرے پل وہ وہاں سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھا۔
"جمیلہ کہاں رہ گئی ہو ملائی لاؤ میرے عازی کے لیے....." میمونہ بیگم نے وہاں سے ہی آواز لگائی۔
"ہاں خالہ وہی لا رہی ہوں بس آتی ہوں۔" جمیلہ نے جواب دیا۔
"دادی جان کبھی ہمارے بھی ایسے لاڈ اٹھالیا کریں......" ثناء نے منہ بسور کر شکایت کی تو میمونہ بیگم نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"تم نے ایسے کون سے کارنامے سرانجام دیے ہیں۔" میمونہ بیگم نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔
"ہاں تو عازی بھائی نے کون سا مسئلہ کشمیر حل کردیا ہے۔" ثناء بگڑے انداز میں بولی۔
"تم ابھی تک جل ککڑی بنی گھوم رہی ہو؟" عازی نے اسے چھیڑا۔
"عازی بھائی...... ناانصافی ہے؟" ثناء نے دہائی دی۔
"ہاں بالکل ہے......"
"تو اس کے خلاف احتجاج بھی تو ہونا چاہیے ناں۔" ثناء اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھی۔
"بالکل ہونا چاہیے۔ میں ملائی کھالوں ناں پھر سوچتے ہیں کچھ......" عازی نے شریر لہجے میں کہا۔
"عازی بھائی ہم سب میمونہ بیگم کے پوتے پوتیاں ہیں لیکن انہیں تو آپ کے علاوہ کوئی اور نظر ہی نہیں آتا......" عمارا نے بھی احتجاج کیا۔
"دادی جان کی نزدیک کی نظر کمزور ہے......" عازی نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔
"تو ان کو چشمہ دلا دو ناں......" عمارا نے تیوریاں چڑھا کر عازی کو دیکھا اور چائے سرو کرنے لگی۔
"تم دونوں ایک کام کرو......" عازی نے عمارا اور ثناء کو دیکھا مسکراتی آنکھوں میں شرارت تھی۔
"کیا کام......؟" دونوں یک زبان بولیں۔
"تم دونوں کے خیال میں دادی جان کے لیے سب سے زیادہ خاص کون ہے؟"
"آپ......" دونوں ہی منہ بسور کر بولیں۔
"تو ایسا کرو دونوں دن رات میری خدمت کرو...... دادی جان جب دیکھیں گی کہ عمارا اور ثناء ان کے چہیتے پوتے کے لاڈ اٹھا رہی ہیں تو خود بخود تم دونوں بھی ان کے لیے خاص ہوجاؤ گی۔"
"اُف ماردیا......" عازی نے ہاتھ آگے بڑھا کر تالی مارنی چاہی تو عمارا نے چائے دانی سے چائے اس کی ہتھیلی پر ڈال دی وہ گرم چائے کے ہتھیلی پر پڑتے ہی چلا اٹھا۔
"مون منزل کے چہیتے لخت جگر کو حسد و جلن کی وجہ سے بہنوں نے قتل کرنے کی کوشش کی۔" عازی نے فوراً بریکنگ نیوز جاری کردی۔
"ہائے لڑکیوں کچھ شرم ورم ہے کہ نہیں حد ہوتی ہے بچے کی ہتھیلی جلا دی۔" میمونہ بیگم کی حسب معمول غصیلی آواز ہال میں بلند ہوئی۔
"دادی جان...... عازی اب بڑے ہوگئے ہیں بچے نہیں رہے......" عمارا نے تنگ مزاجی سے کہا۔

"ارے تو باولی ہوگئی ہے کیا؟ اولاد جتنی بھی بڑی ہوجائے ماں باپ کے لیے بچے ہی رہتے ہیں۔" میمونہ بیگم نے ناک پر آئی عینک کو درست کرکے کہا۔

"دادی جان لیکن خیر کچھ بھی کہنا فضول ہے......" ثناء بھی اعتراض کرنے لگی تھی کہ ارادہ ملتوی کردیا۔

"طلحہ بھائی......" طلحہ کو آتا دیکھ کر عمارا نے اس سے مدد لینا چاہی۔

"نہ بھئی مجھے اس فسادی مہم سے دور ہی رکھو......" طلحہ نے دور سے ہی ہاتھ اونچا کرتے دامن بچالیا اور میمونہ بیگم کی جانب بڑھا۔

"السلام علیکم دادی جان......" طلحہ نے انہیں سلام کیا' عازی کے پاس آکر گرم جوشی سے اس سے ملا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگا...... جبکہ عازی اپنی سرخ ہوتی ہتھیلی کو سہلاتے ہوئے خونخوار نظروں سے عمارا اور ثناء کو دیکھ رہا تھا۔

"چھوڑ یار زیادہ دل پر نہ لے یہ ہیں ہی جنگلی بلیاں...... پنجے مارتی رہتی ہیں۔" طلحہ نے ٹوسٹ پر شہد لگا کر بائٹ لیا۔

"دیکھ لیں دادی جان اب اپنے چہیتوں کو مجھے اور عمارا کو جنگلی بلیاں کہہ رہے ہیں۔" ثناء نے قہر آلود نظروں سے طلحہ کو دیکھا اور عازی کے قہقہے سے خائف ہوکر میمونہ بیگم سے شکایت کی۔

"ہاں تو کیوں تنگ کرتی ہو انہیں......" میمونہ نے بھی انہی کا ساتھ دیا۔

"تو بتادیں ان کو یہ جنگلی بلیاں جس دن جنگلی شیرنیاں بنیں نا حشر نشر کردیں گیں۔" عمارا نے دانت پیس کر کہا اور وہاں سے چل دیں۔

"ایک تو آج کل کی یہ لڑکیاں...... بات ہوتی نہیں کہ یہ جادو جا...... مقابلے کی تو ان میں سکت ہی نہیں۔" میمونہ بیگم کی بھی زبان چل پڑی تھی۔ طلحہ اور عازی نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

☾......☆......☾

کتنے ہی دن گزر گئے۔ محمد سبحان پھر اس پراسرار وادی کی طرف جھانک بھی نہ سکا تھا۔ وہ مسلسل گھر میں صوفیہ کی دلجوئی میں مصروف تھا لیکن گاہے بگاہے اس کی سوچیں ابریری ایونیو میں واقع اس عمارت کی ویرانی میں الجھنے لگی تھیں' اس نے صوفیہ کو اس حالت میں اکیلے چھوڑنا مناسب نہ جانا اور ان کی طبیعت کے سنبھل جانے کا انتظار کرنے لگا۔ مسلسل ان کو وقت دیتا' باتیں کرتا' وہ کسی معصوم سی بچی کی طرح بہل رہی تھیں مسکرانے لگی اور باتیں بھی کرنے لگی تھیں' ان کا یہی ردعمل ان کی بہتر حالت کی نشاندہی کررہا تھا۔ ڈاکٹر جیکسن نے کہا تھا کہ صوفیہ شدید ڈپریشن کا شکار ہیں اور ان کو اس فیز سے نکالنے کا ایک ہی علاج ہے کہ ان کو وقت دیا جائے......ان کو اہمیت دی جائے' انہیں احساس دلایا جائے کہ وہ خاص ہیں' جب انہیں یقین آنے لگے گا تو ان کی ذہنی حالت میں بھی اعتدال آتا جائے گا اور یہی ہوا جیسے ہی سبحان نے انہیں وقت دینا شروع کیا چند ہفتوں میں وہ بہتری کی طرف گامزن ہونے لگی تھیں۔

شاید اسی لیے شجاع نے صوفیہ کی ذمہ داری سبحان کو سونپی تھی وہ جانتے تھے کہ سبحان صوفیہ کو سنبھال لے گا...... بے شک وہ عمر میں چھوٹا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ وہ صوفیہ کی ذمہ داری نبھالے گا۔ صوفیہ اور شجاع میں کیا رشتہ تھا' وہ کون تھیں' کہاں سے آئی تھیں' ان کی زندگی میں اس کا کیا کردار ہے...... سبحان ہر سوال سے انجان تھا۔

"کیا ممی اور بابا کے درمیان صوفیہ کا وجود تھا؟" وہ اکثر سوچتا۔

لیکن پھر صوفیہ کو دیکھ کر اپنی ہی سوچ کی نفی کردیتا تھا۔ شجاع کی خاموشی' صوفیہ کا ڈپریشن' تاجدار کا چلے جانا' شجاع کا سبحان کو صوفیہ کی ذمہ داری سونپ جانا' بہت سے سوال تھے...... لیکن ان کے جواب کس کے پاس ہیں؟ سبحان بعض اوقات الجھ جاتا تھا لیکن پھر سر جھٹک کر صوفیہ کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔

"موم آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟" سبحان کتنے دن سے اگلی ویج جانے کے لیے مناسب وقت ڈھونڈ رہا تھا۔ آج صبح سے ہی صوفیہ کی طبیعت پہلے کی نسبت بہت بہتر لگ رہی

تھی تب اس نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔

"میں اب ٹھیک ہوں..... تم نے اپنے کام کرنے ہوں گے ناں تو آرام سے کرنا شروع کرو اب.....'' صوفیہ چائے کا سپ لیتے کہنے لگی۔ "اور میری فکر نہ کرو اب.....'' صوفیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی فکر نہ کروں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے مام..... میری ذمہ داری ہیں آپ..... بابا نے آپ کو مجھے سونپا تھا تو میں آپ کی فکر نہ کروں یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ بولا تو صوفیہ نے مسکرانی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں' موم کہتے ہو مجھے.....'' وہ بولیں تو سبحان ہنسنے لگا۔

"میری پیاری سی چھوٹی سی موم.....'' سبحان نے انہیں بغور دیکھا۔ وہ واقعی چھوٹی سی تھی..... بلا کی معصومیت اور یقین ان کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت طویل بیماری کے باعث زردی مائل ہوچکی تھی لیکن چہرے پر رنگین تاثر آنکھوں میں حیاء برقرار تھی۔ ایسی کے دیکھنے والے کو اس عمر میں بھی اپنے عشق میں مبتلا کرلے۔ وہ کچھ کمزور لگ رہی تھیں' آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے' ان کے حسن میں اضافہ کررہے تھے۔ بالوں میں چند ایک چاندی کے تار بھی نظر آرہے تھے۔

"آپ کی عمر کیا ہے موم؟" بے ساختگی سے کیا گیا سوال صوفیہ کو چونکا گیا۔

"تم مجھے موم نہ کہا کرو سبحان.....'' سوال کے جواب میں ایک درخواست کی۔

"بابا نے تو کہا تھا آپ میری موم ہیں۔" سبحان حیران ہوا تھا۔

"نہیں میں تمہاری موم نہیں ہوں' تمہاری ماں صرف تاجدار ہے.....'' صوفیہ نے اپنے لہجے کو مضبوط کیا۔

"آپ موم کو کیسے جانتی ہیں؟" سبحان واقعی حیران ہوا۔

"بتائیں ناں موم..... آپ بابا کی کون ہیں؟ ممی کو کیسے جانتی ہیں.....؟" وہ مسلسل خاموش تھیں۔ تو اس کا اصرار بڑھا۔

"موم.....'' وہ ابھی تک خاموش تھی تو سبحان نے پھر پکارا۔

"ہاں کیا؟" صوفیہ یوں چونکی جیسے اس کے پچھلے سوالوں سے انجان ہوں۔

"موم میں نے کچھ دیر کے لیے باہر جانا ہے۔ آپ ٹھیک ہیں ناں؟" وہ سمجھ گیا تھا کہ صوفیہ اس کے سوالوں کے جواب نہیں دینا چاہتیں۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں' تم آرام سے اپنے کام کرلو۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے صوفیہ نے اسے اطمینان دلایا تو وہ اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سبحان.....'' وہ دروازے تک پہنچا' صوفیہ کی پکار پر رک گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم میرے لیے بہت خاص ہو کیونکہ تم شجاع کے بیٹے ہو..... کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟" صوفیہ کی مدھم آواز پر اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"شجاع کے بعد میرے پاس فقط تم ہو.....'' صوفیہ مزید گویا ہوئیں۔

"اوکے جو آپ کی خوشی' لیکن میں آپ کو موم ہی کہوں گا۔" سبحان نے استحقاق سے کہا تو صوفیہ مسکرانے لگی۔

"ایسے ہی مسکراتی رہیں..... اور اپنا خیال رکھیں۔" سبحان کہہ کر باہر نکل گیا۔

"تم مسکراتے ہوئے بہت دلکش لگتی ہو..... جی چاہتا ہے تم ہنستی رہو' میں دیکھتا رہوں اور یوں ہی زندگی تمام ہوجائے۔" آس پاس ایک فسوں خیز سرگوشی ابھری تھی۔

اس کے یک دم لب بھینچ لیے..... جی چاہا چیخے چلائے' دونوں ہاتھوں سے کانوں کو ڈھانپا اور اپنی ہذیانی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"موم میں تقریباً دو گھنٹے تک آجاؤں گا.....'' سبحان کی آواز پر صوفیہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے.....'' بمشکل انہوں نے اپنے لہجے کو نارمل کرکے کہا۔ پھر مین ڈور کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر صوفیہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور ان سرگوشیوں کو اپنی سماعتوں میں

گونجنے سے روک لیا..... ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا..... کچھ دیر کی تگ ودو کے بعد وہ قدرے نارمل ہوئیں تو اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی..... اور کمبل میں اپنے آپ کو چھپا کر آنکھیں موندلیں۔

......☆......

وہی منظر تھا..... ویسی ہی ہیبت ناک خاموشی اداسی اور ویرانی..... فرق صرف اتنا تھا کہ آج بھی دوسری منزل کے کمرے کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور لائٹ بھی آن تھی..... ایک توجہ طلب بات کہ ٹوٹے پھوٹے فینس کے بالکل پاس وائٹ رینج روور پارک تھی۔ سبحان کو حیرانی کے ساتھ ساتھ تجسس بھی ہوا..... غیر ارادی طور پر اس نے پارک ہوئی گاڑی کے گرد چکر کاٹا..... اس گھر کو دیکھا..... اسے محسوس ہوا جیسے کمرے کا پردہ ہل رہا ہے..... مطلب کوئی اندر موجود ہے۔

"جاؤں کیا؟" اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فینس پر رکھے اور پُرسوچ نظروں سے اس کھڑکی کو گھورا..... یہ یقین کرلیا کہ پردہ واقعی حرکت کررہا ہے..... تو وہ آگے بڑھا۔

"سر یہی وہ لڑکا ہے جو....." معاذ ہاشم اور احمر وہاں موجود تھے۔ غلام احمر بہت دنوں کے اصرار کے بعد انہیں وہاں لایا تھا کہ وہ خود چل کر ایک بار اس مکان کی حالت دیکھ لیں..... انہوں نے کھڑکیاں کھولیں، پچھلی طرف والا دروازہ بھی کھولا تاکہ مکان میں سیل زدہ حبس کو زائل کرسکیں..... انہوں نے سینٹرل ہیٹنگ بھی آن کی تاکہ درودیوار میں گرمائش پہنچے۔ معاذ ہاشم نے خود سارے کمروں کا جائزہ لیا تھا اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا..... بہت دنوں سے بند اسٹڈی روم میں کتابوں پر دھول جمی ہوئی تھی۔

"غلام احمر کسی کو بلا کر یہاں کی صفائی کروادو....." معاذ ہاشم نے غلام احمر کو کہا۔ اتنے میں سبحان کی وہاں آمد ہوئی تو غلام احمر جو کھڑکی میں ذرا فاصلے پر کھڑا کافی دیر سے سبحان کی چھان بین کو ملاحظہ کررہا تھا نے معاذ ہاشم کو بتایا تو انہوں نے قدم آگے بڑھائے لیکن غلام احمر نے انہیں روک لیا۔

"سر..... پیچھے کھڑے ہوکر ہی دیکھیں..... مجھے بہت تشویش ہورہی ہے اس لڑکے کے طریقہ کار پر....." غلام احمر نے انہیں کھڑکی کے پاس جانے سے باز رکھا..... معاذ نے اسے دیکھا۔

"غلام احمر تم بھی عجیب انسان ہو اور وہ تو چھوٹا سا لڑکا ہے اس کا بھلا کیا مقصد ہوسکتا ہے....." معاذ ہاشم نے سبحان کو چند پل دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

"سر..... آپ اس کی نظریں دیکھیں..... جیسے یہ کسی ٹوہ میں ہے..... وہ دیکھیں سر جو میں دیکھ رہا ہوں....." احمر نے کہا تو معاذ ہاشم ہنس دیے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم شکی مزاج ہو....." معاذ نے سر جھٹک کر کہا۔

سبحان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اندر کوئی موجود ہے اور وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ مکان اتنا ویران کیوں ہے؟ اسی سوچ کے زیر اثر وہ آگے بڑھا تھا۔ غلام احمر نے اس کے بڑھتے قدم دیکھے۔

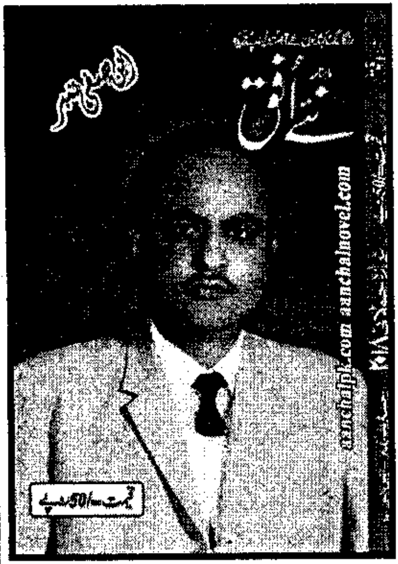
"سر وہ لڑکا اندر آرہا ہے۔" غلام احمر نے معاذ کو اطلاع دی۔

"آنے دو بات کرے گا تو پتا چل جائے گا اس کے ارادے کیا ہیں....." معاذ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہے تھے کہ ابھی وہ آدھی سیڑھیوں تک پہنچے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی..... دروازے کے درمیان میں لگے شیشے سے اسے اندازہ ہونے لگا کہ اندر کوئی موجود ہے۔ تھوڑی دیر گزر گئی لیکن دروازہ نہ کھلا تو سبحان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرسراہٹ سی ہوئی..... یک دم ایک خوف محسوس ہوا..... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دوبارہ دستک دے یا پلٹ جائے کہ اسے محسوس ہوا کہ دروازہ کھل رہا ہے۔

"ہیلو....." دروازہ کھولنے والے معاذ تھے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی گھبرا کر کہا۔

"ہیلو..... جی فرمائیں.....؟" معاذ نے سرتاپیر اسے دیکھا۔

"آپ کون ہیں؟" بے ربط سوال پر معاذ نے حیرت سے



aanchal.com.pk

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے افق

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

جولائی 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

دی لیجنڈ آف واریئر: شبینہ مظہر رانجھا خواتین ناول نگاروں میں ایک معتبر نام ہے آپ نے ان کے افسانے اور ناول ماہ نامہ آنچل اور ماہ نامہ حجاب میں پڑھیں ہوں گے ان کے لکھنے کا اپنا ایک انداز ہے وہ پڑھنے والے کو اپنی تحریر سے ہپناٹائز کرنے کے فن سے واقف ہیں یہ نئے افق کے لیے ان کا پہل ناول ہے دیکھیں وہ نئے افق کے قارئین کو کس حد تک متاثر کرتی ہے۔

پچھتاوا: ان لمحوں کی روداد، جب پچھتاوے زندگی بھر کا روگ بن کر رہ جاتے ہیں ہمارے اپنے معاشرے میں جنم لینے والی ایک کہانی کی روداد۔

سوالیہ نشان: برہان وانی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا ہیرو، نوجوانوں کی امیدوں کا مرکز، جس کی قربانی نے قوم کو ایک نئی امید دی۔ایک لکھاری کی روداد اسے کہانی کی تلاش تھی۔

بھٹکتی آتما: ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے لوگوں کے نزدیک وہ ایک قلب دو جان تھے۔پھر بھی زمانے نے انہیں ایک دوسرے سے الگ کردیا لیکن وہ مرکر زمانے سے انتقام لینے لگے۔ایک مسلم نوجوان اور اس کی ہندو محبوبہ کی داستان محبت، وقت نے انہیں سراپا انتقام بنادیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

اور غلام احمر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔
"یہ غلام احمر ہیں، میں معاذ ہاشم آپ کون ہو؟" معاذ نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ گھبرا کر یہ سوال پوچھ بیٹھا ہے۔
"میں محمد سبحان...... اس پلے گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔ اس گھر کو روز دیکھتا ہوں، بہت ویرانی ہے یہاں......" سبحان نے وہیں کھڑے ہوکر کہا تو معاذ نے اپنے ساتھ کھڑے غلام احمر کو دیکھا۔
"کیا یہ مکان آپ کا ہے؟" وہ کچھ نہ بولے تو سبحان نے پوچھا۔
"یہ گھر میرا ہے......" معاذ گہری سانس خارج کر کے بولے۔
"غلام احمر تم صفائی کروانے کا انتظام کرو...... میں تب تک محمد سبحان سے باتیں کر رہا ہوں۔" معاذ نے مختصراً جواب دے کر غلام احمر کو کہا، وہ انہیں ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔
"تم کیوں ریسرچ کر رہے ہو......؟" معاذ نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے ایکسپریشن میں کوئی ایسی تشویش ناک بات نہ تھی جس سے غلام احمر کو ڈر تھا۔
"پتہ نہیں...... مجھے اس ویرانی نے متوجہ کیا ہے...... یہ گھر بہت پیارا لگ رہا ہے لیکن بہت اجڑا ہوا بھی ہے......" سبحان کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔
"توجہ طلب چیزوں سے غفلت برتی جائے تو ویرانی اور اجاڑپن ہی جنم لیتے ہیں۔" معاذ زیرلب بولے۔
"کیا مطلب؟" سبحان کی سمجھ میں ان کی بات نہ آئی۔
"یہ گھر بہت پیارا تھا لیکن میں سنبھال نہ سکا...... ویسے تم اندر آؤ...... اس گھر کی ظاہری و بیرونی حالت کافی خراب ہے لیکن اندر سے اتنا خراب نہیں......" انہوں نے ذومعنی بات کی لیکن وہ کیسے سمجھ سکتا تھا؟ تجسس کی آگ مزید بھڑکی اور ان کے ایک بار کہنے پر وہ اندر آنے پر راضی ہوگیا...... وہ موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا اور اس کے تجسس کو دیکھ کر معاذ نے اس سے دوستانہ رویہ اپنالیا۔
وہ واقعی صحیح کہہ رہے تھے یہ گھر اندر سے اتنا خستہ حال نہیں تھا جتنا باہر سے نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی معاذ نے ٹینک ایریا کا جائزہ لیا، گھر میں تقریباً سارا سامان موجود تھا صوفے، ڈائننگ ٹیبل، فرج، ٹی وی...... معاذ کے ساتھ ساتھ سبحان بھی دیکھ رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ سامان مکان کو گھر میں تبدیل نہیں کرسکتا، بے شک وہاں سب کچھ موجود تھا لیکن ایک ویرانی اور یاسیت تھی، سبحان کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنے گھر میں گھوم رہا ہے...... دوسرے پل اس نے سر جھٹکا۔
"غلام احمر یہاں کی دیکھ بھال کرتا ہے، میں یہاں دو سال کے بعد آیا ہوں۔" معاذ ہر ایک چیز کو چیک کرتے ہوئے اسے بتا رہے تھے۔
"آپ کہاں رہتے ہیں؟" سبحان نے پوچھا۔
"میں دو گلیاں چھوڑ کر رہتا ہوں۔" معاذ نے مصروف انداز میں اسے آگاہ کیا۔
"دو گلیاں چھوڑ کر اور دو سال کے بعد یہاں آئے ہیں۔" سبحان کی مدھم آواز میں، معاذ تک یہ آواز بخوبی پہنچی تھی لیکن وہ نظر انداز کر گئے۔
"آؤ میں تمہیں اس پراسرار مکان کی لائبریری دکھاتا ہوں۔ میرا مطلب ہے میرا اسٹڈی روم۔" معاذ نے مسکرا کہا تو سبحان ان کے ساتھ چل پڑا۔
"میں آپ کو انکل کہہ لوں؟" اسٹڈی روم بیڈ روم کے ہمراہ تھی، ان کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے سبحان نے اجازت طلب کی، سبحان نے انہیں دیکھا وہ کوئی عمر رسیدہ شخص نہ تھے۔ تو سبحان کو ان کا نام لے کر مخاطب کرنا مناسب محسوس نہ ہوا تھا۔
"ہاں کیوں نہیں ضرور......" معاذ نے خوش دلی سے کہا۔
"تم سوچ رہے ہوگے میں تمہارے ساتھ بے تکلف کیوں ہوں۔" معاذ اس سے ایک سیڑھی اوپر تھے، پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اسٹڈی روم کیوں دکھانے لگے ہیں۔
"ضروری نہیں ہوتا کہ کسی کے چہرے پر شرافت درج ہو بعض اوقات دل بھی گواہی دیتا ہے کہ بھروسہ کرلو...... کوئی نقصان نہیں ہوگا......" معاذ ہاشم نے جاندار مسکراہٹ کے ساتھ کہا، ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ اسی سیڑھی پر لے آئے

جہاں خود کھڑے تھے۔

"محمد سبحان..... محمد کا نام لے کر صرف وہی لوگ دھوکا دیتے ہیں جن کے دل سیاہ ہوچکے ہوتے ہیں' تمہارے چہرے پر نرمی ہے' معصومیت ہے اور تم مجھے کیا دھوکا دو گے محمد سبحان' میرے پاس تو دھوکے میں لٹانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" معاذ ہاشم سست روی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے اور محمد سبحان کم عمری کے باوجود ان کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ وہ اسٹڈی روم میں داخل ہوئے..... باقی کمروں کی نسبت وہاں زیادہ حبس تھی۔ کتابوں کی عجیب سی مہک ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی اور پردے ہٹا کر کھڑکی بھی کھول دی تاکہ تازہ ہوا اس حبس کو کم کردے۔ محمد سبحان آگے بڑھا اور اسٹڈی روم کا جائزہ لینے لگا' وہ کمرہ یقیناً بہت محنت و محبت سے سیٹ کیا گیا تھا۔ بہت سے شیلف بنے تھے اور ان پر بہت سی زبانوں کی کتابیں رکھی تھیں۔ محمد سبحان حیران ہوا۔

"آپ کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟" وہ بک شیلف کے پاس آ کھڑا ہوا' کتابوں سے تو اسے بھی انسیت تھی لیکن وہ تسلسل سے اپنے اس شوق کو پورا نہ کرسکا تھا۔

"بہت شوق تھا' اب اتنا نہیں ہے۔" معاذ اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر بولے۔

"اتنی ساری محبت کی داستانیں؟" ایک پورا شیلف لو اسٹوریز پر مبنی تھا' انگلش' اردو' فرنچ اور جرمن کی لو اسٹوریز نے اسے حیران کیا۔

"یہ کتابیں میری نہیں ہیں۔" بے اختیار وہ بولے۔

"ویری انٹرسٹنگ....." سبحان نے یقیناً ان کی بات پر دھیان نہ دیا تھا۔

"کیا میں کچھ بکس لے سکتا ہوں۔" سبحان نے التجائیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

"لے سکتے ہو لیکن واپس کرنی پڑیں گی۔" معاذ نے اجازت دی لیکن واپسی کی ڈیمانڈ کے ساتھ۔

"ہاں واپس ضرور کروں گا۔ میں بھی یہ ساری بکس پڑھوں گا....." محمد سبحان خوش ہوا۔

"سر....." وہ کتابیں دیکھ رہا تھا کہ غلام احمر واپس آ گیا۔

"صفائی والے کا پتہ کروالیا ہے۔ دو دن تک وہ آئے گا لیکن میں نہ ہوں شاید تو آپ کو خود آنا پڑے گا۔" احمر نے انہیں اطلاع دی۔

"ہاں ٹھیک ہے میں آجاؤں گا....." معاذ نے سبحان کو انہماک سے کتابیں دیکھنے میں مصروف پایا تو بولے' جس پر احمر نے متعجب نظروں سے انہیں دیکھا..... آج سے پہلے انہوں نے یہاں آنے کے لیے کبھی اتنی جلدی حامی نہیں بھری تھی۔ احمر نے سبحان کو دیکھا۔

"انکل میں یہ دو کتابیں لے جاؤں؟ کچھ دن تک واپس کردوں گا....." سبحان نے ایک لو اسٹوری اور فٹ بال کے حوالے سے ورلڈ ریکارڈ کی کتابیں اٹھا کر کہا۔

"ہاں ضرور....." معاذ نے اجازت دی' تو اس نے دونوں کتابیں لے لیں' احمر ان کو اطلاع دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ معاذ کچھ دیر محمد سبحان کے ساتھ وہاں رہے' تھوڑا بہت تعارف ہوا۔

"یہ گھر محبت کی نشانی ہے....." معاذ کے انکشاف پر سبحان نے متغیر نظروں سے انہیں دیکھا' ان کے چہرے پر خستہ حالی نمایاں تھی جو بتا رہی تھی کہ محبت میں جب دل کا آنگن اجڑ جائے تو گھر بھی کھنڈر بن جاتے ہیں۔

"کیسی نشانی؟" سبحان پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"ضروری تو نہیں کہ محبت کی نشانی صرف تاج محل ہی ہو' ایک کھنڈر بھی تو محبت کی نشانی ہوسکتا ہے ناں۔" معاذ نے قہقہہ لگایا' ایک یاسیت آمیز قہقہہ..... ایک کھوکھلی ہنسی..... سبحان نے انہیں دیکھا..... وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن پہلی ملاقات میں اس سے زیادہ بے تکلفی اسے مناسب نہیں لگ رہی تھی۔

دو دن کے بعد واپس آنے کا وعدہ کیا اور کتابوں کو لے کر وہاں سے چلا گیا تو شکستگی کے احساس کے ہمراہ معاذ ہاشم بھی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

☾.....☆.....☾

"مون منزل......" میمونہ بیگم کے لیے وہ تاج محل تھا جو ان کو ان کی زندگی میں مل گیا تھا۔ امین صاحب بہت عاشق مزاج انسان تھے' میمونہ بیگم سے محبت کا برملہ اظہار بھی کیا کرتے تھے اور تحفے تحائف دینے میں بھی فراغ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ دو منزلہ گھر کو تعمیر کروایا اور کالے گیٹ پر "مون منزل" کا بورڈ لگا کر میمونہ بیگم سے محبت کا عملی ثبوت بھی پیش کردیا۔ "مون" میمونہ بیگم کا وہ پیار کا نام تھا جو امین صاحب نے انہیں دیا تھا۔ میمونہ بیگم کے لیے یہ فخر کا مقام تھا' ان کے قدم زمین پر نہ پڑرہے تھے۔ ان دنوں مون منزل کی رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ اور خوشیاں عروج پر تھیں۔ ہر دم ایک میلہ لگا رہتا تھا' چہل پہل ہلہ گلہ مہمانوں کی آمدورفت۔ نت نئے کھانوں کی اشتہاء آمیز خوشبو ہر وقت مون منزل کے آنگن کو مہکائے رکھتی۔ ہر کام کے لیے الگ الگ ملازم ہر وقت جی حضوری میں مصروف رہتے تھے۔

میمونہ بیگم نے اوپر تلے دو بیٹوں کو جنم دیا تو امین صاحب کی محبت میں بھی کئی گنا اضافہ ہوگیا تھا۔ مبشر اور جواد میں سال بھر کا ہی فرق تھا۔ کاروبار بھی ترقی کی منازل طے کررہا تھا' مون منزل کی چکا چوند روشنی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی...... مبشر اور جواد نے کالج کی سرزمین پر قدم رکھا تو ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں امین موقع پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

وہ مون منزل جہاں ہر دم چاندنی برستی تھی وہاں کے چاند کو گرہن لگ گیا۔ بمشکل میمونہ نے خود کو سنبھالا تھا۔ دونوں بیٹوں نے جن کٹھنائیوں سے اپنی تعلیم جاری رکھی وہی جانتے تھے۔ کاروبار کو سنبھالنا اور پھر مون منزل کی بھی دیکھ بھال میمونہ بیگم ان دنوں انتہائی مشکل زندگی گزارنے لگی تھیں۔ مبشر نے بی اے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور بزنس کو سنبھالنے میں ماں کا ہاتھ بٹانے لگے' جبکہ جواد کا ارادہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔

کتنے ہی سال بیت گئے...... مبشر اور جواد بھی گھر بار والے ہوگئے...... مون منزل کی رونقیں آہستہ آہستہ لوٹنے لگی تھیں۔ میمونہ بیگم نے مون منزل کو ہی وسیع کرکے دونوں کے الگ الگ پورشن بنوا دیئے تھے۔ دونوں بیٹے بہوئیں ان کی نظروں کے سامنے بھی تھے اور ایک دوسرے کی زندگی میں مداخلت بھی نہ تھی۔

عمار اور عازی جمیلہ اور مبشر کی اولادیں تھیں۔ عازی لندن یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے چلا گیا تھا اور میمونہ بیگم کا سب سے لاڈلا تھا' بچپن میں عازی ہی سب سے زیادہ میمونہ بیگم کے پاس رہا تھا' ثناء اور طلحہ جواد اور عالیہ کی اولادیں تھیں۔ طلحہ پاکستان میں ہی باپ اور چاچا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بی اے کرکے فارغ ہوچکی تھیں اور انہی دنوں میمونہ بیگم' عالیہ اور جمیلہ کے ساتھ مل کر لڑکیوں کے لیے آئے ہوئے رشتوں کے متعلق چھان بین کرنے میں مصروف تھیں۔

سب اپنی اپنی جگہ نارمل تھے لیکن ایک عازی تھا جو انوکھا لاڈلا تھا۔ میمونہ بیگم کے لاڈ اسے مزید شہہ دیتے تھے۔ عجیب ضدیں تھیں اس کی...... عجیب انداز کی من مانیاں تھیں اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ میمونہ بیگم کا ہی تھا۔ اس نے جو کہا بنا چوں چراں مان لیا گیا۔ اس کی پسند ناپسند سب سے الگ تھی۔ کوئی چیز پسند آتی' کوئی دوسرا بھی اس کی تعریف کردیتا تو عازی کے لیے وہ چیز ناپسند ترین چیز بن جاتی...... اس کی پسند کا خیال رکھنے کے لیے اکثر پسندیدہ چیزوں کو ناپسند قرار دے دیا جاتا تھا۔

"بیگم صاحبہ میری مدد کریں بیگم صاحبہ...... میں بہت مشکل میں ہوں......" بختاور مون منزل کی پرانی ملازمہ تھیں' میمونہ بیگم کے دکھ سکھ کی ساتھی بھی تھیں اور زمانہ شناس اور سمجھدار خاتون تھیں۔ اکثر اوقات میمونہ بیگم سے وہ بھی اپنے مسائل حل کروانے کے لیے آجایا کرتی تھیں۔

"بختاور کیا ہوا؟" میمونہ بیگم اس وقت اکیلی تھیں' انہی دنوں عازی کے لندن سے واپسی کی پلاننگ بھی جاری تھی۔ انہوں نے اس کے لیے کمرہ سیٹ کروانا تھا کہ چہیتا پوتا اتنے عرصے بعد واپس آرہا ہے تو اس کو کوئی کمی نہ محسوس ہو کہ بختاور ان کے پاس آئی' دونوں ہاتھ جوڑے التجا کرتی ہوئی۔

"بیگم صاحبہ میری صوفی کو بچالیں...... وہ اس کا سودا کردے گا......" گھگھیائی آواز میں بختاور نے انہیں پریشانی

میں مبتلا کردیا۔

"کیا ہوا بختاور بتاؤ تو سہی.....؟" میمونہ بیگم گھبرا گئی تھیں۔

"الیاس نے صوفی کا رشتہ طے کردیا ہے.....وہ بھی تین بچوں کے باپ کے ساتھ صرف اس لیے کہ اس کو جہیز نہیں دینا پڑے گا....." بختاور ضبط کے باوجود اپنے آنسو نہ روک سکی تھی۔ صوفی اس کی نواسی تھی اس کی پیدائش پر ہی نرگس کا انتقال ہوگیا تھا صوفی کی ساری ذمہ داری بختاور نے لے لی تھی اور پھر صوفی بھی میمونہ بیگم کے لیے گھر کے فرد کا مقام رکھنے لگی تھی۔ انہیں بھی صوفی بہت عزیز تھی۔

"الیاس کا دماغ خراب ہے کیا؟" میمونہ بیگم غصیلے لہجے میں بولیں۔

"پتہ نہیں بیگم صاحبہ دماغ خراب ہے کہ نہیں پر نرگس کے لیا کہہ رہے ہیں کہ بے شک صوفی کی ذمہ داری ہم نے لی ہے لیکن اس کا قانونی وارث الیاس ہی ہے۔ بیگم صاحبہ میری صوفی بہت معصوم ہے۔ اس کی مدد کریں۔" بختاور انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کررہی تھی۔

"تم فکر نہ کرو بختاور..... صوفی میرے لیے بھی اتنی ہی خاص ہے جتنی تمہارے لیے۔" میمونہ بیگم نے اسے تسلی دی اور پھر اپنی بات پر انہوں نے عمل بھی کیا تھا۔ وہ صوفی کو مون منزل لے آئی تھیں الیاس مان نہ رہا تھا میمونہ بیگم سارے قاعدے قانون سے واقفیت بھی رکھتی تھیں اس نے زبردستی صوفی کو لے جانے پر اعتراض کیا لالچی انسان تھا اور بیٹی کی ذمہ داری سے گھبراتا تھا۔ تین بچوں کے باپ کو بچوں کے لیے آیا چاہیے تھی تو چند روپوں کی خاطر سودا طے ہونے لگا تھا۔ پھر وہی سودا میمونہ بیگم نے کیا تو الیاس مان گیا اور صوفی مون منزل میں آگئی۔

دھان پان سی معصوم سی صوفی کو مون منزل نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا ثناء اور عمارا کے ساتھ پہلے بھی جان پہچان تو تھی ہی اب مزید دوستی ہوگئی تھی۔ کچھ خاموش طبع صوفی میمونہ بیگم کو بہت پسند آئی تھی۔ انہوں نے چند ہفتوں میں ہی اس کی عادت و اطوار کا بخوبی جائزہ لیا اور عازی کے لیے صوفی کو پسند کرلیا تھا۔

"اماں..... یہ کیسے ممکن ہے بھلا.....!" مبشر اور جمیلہ نے اعتراض کیا۔

"کیوں..... ممکن کیوں نہیں ہے.....؟" میمونہ بیگم نے تیوریاں چڑھا کر انہیں دیکھا..... ایسا نہیں تھا کہ میمونہ بیگم اپنے فیصلے اولاد پر مسلط کردیا کرتی تھیں۔ وہ بہت کھلے ذہن کی خاتون تھیں۔ ان کی اپنی ازدواجی زندگی بہت پُرسکون گزری تھی۔ ساس سسر کی طرف سے ان کو کبھی کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی تھی کہ کسی طرح کی انتقامی مہم جاری ہوتی۔

"اماں عازی سے تو پوچھا تک نہیں اور پھر صوفی بختاور کی نواسی ہے....." مبشر نے جھنجلا کر کہا۔

"عازی کی تم فکر نہ کرو وہ میرا پوتا ہے میرا کہا کیسے ٹال سکتا ہے؟ اور بختاور کی نواسی ہے کا کیا مطلب ہوا؟ اچھا خاندان ہے شریف لوگ ہیں اور سب سے بڑی بات کہ رزق حلال کماتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں۔" میمونہ بیگم ان کے دونوں اعتراضات کو خاطر میں نہ لائیں۔

"اچھا عازی مان گیا تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" مبشر اور جمیلہ نے ہتھیار ڈال دیے اور صوفی کو قبول کرلیا ثناء اور عمارا نے اسے خوب تنگ کیا..... چھیڑ چھاڑ.....اور عازی کے آنے سے پہلے ہی اسے بھابی کہنا شروع کردیا۔ صوفی آناً فاناً اس فیصلے پر گھبرا گئی تھی۔

"بی جی....." وہ میمونہ بیگم کو بی جی کہا کرتی تھی اس دن ان کے پاس آئی۔

"بی جی مجھے نجانے کیوں خوف محسوس ہورہا ہے۔"

"خوف کس بات کا خوف؟" میمونہ بیگم نرمی سے بولیں۔

"پتہ نہیں بی جی..... لیکن ڈر لگ رہا ہے۔" صوفی کو مناسب الفاظ نہ مل رہے تھے جن میں وہ اپنے احساسات بیان کرتی۔

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بیٹا..... عازی کبھی انکار کرہی نہیں سکتا....." میمونہ بیگم نے اسے دلاسہ دیا۔

"لیکن بی جی....."

"میں نے کہا ناں، عازی میری بات کبھی ٹال ہی نہیں سکتا.....'' میمونہ بیگم نے پُریقین لہجے میں کہا۔ تو صوفی کو خاموش ہوجانا پڑا لیکن دل نجانے کیوں وہموں کی زد میں رہا تھا۔

اور پھر عازی واپس آ گیا..... مون منزل میں اس کا شاندار استقبال بھی کیا گیا' ذومعنی باتوں کا تبادلہ خیال عازی کو چونکا جاتا لیکن اس نے دھیان نہ دیا۔ لندن سے ڈگری لے کر آنا اس کی وجاہت میں چنداں اضافہ ہوا تھا۔ نخروں نے سب کو چونکایا تھا اور من مانیوں نے حیران کیا تھا۔

"تم کون ہو؟'' دوپہر کو سب اپنے اپنے کمروں میں آرام فرما رہے تھے' عازی کچن میں داخل ہوا تو وہاں صوفی کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔ بڑی سی چادر میں اپنے آپ کو چھپائے وہ اس وقت اس کی وہاں آمد پر گھبرا گئی تھی۔

"میں صوفی.....'' وہ جھکی نظروں کے ساتھ بمشکل بولی۔ وہ اتنی پُراعتماد نہ تھی کہ دھڑلے سے کسی سے بھی بات کرلے اور پھر میمونہ بیگم نے عازی کے ساتھ اس کی نسبت طے کرکے اس کے سامنے سے مزید گونگا بنادیا تھا۔

"صوفی کون؟'' عازی نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

"میرا نام صوفی ہے۔'' اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا..... سرخ و سفید رنگ' بڑی بڑی آنکھیں' گھبرایا انداز' عازی یک دم چونکا۔

"صوفی.....! یہ کیسا نام ہے' کس نے رکھا؟'' عازی اس کے گھبرانے اور نظریں جھکا لینے سے لطف لیتے ہوئے قدرے رعب دار آواز میں پوچھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ جھکی نگاہوں میں ارتعاش پھیلا جسے عازی نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"بتاؤ.....'' وہ بول نہ پائی تو عازی نے پھر کہا۔

"صوفیہ.....'' وہ اپنا اصل نام بتا گئی۔

"صوفیہ..... تو صوفی تمہارا نک نیم ہے؟'' عازی نے پُرشوق نظروں سے اسے دیکھا۔ تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"لیکن تم ہو کون؟'' عازی نے پھر دریافت کیا۔ "اور ہمارے پورشن میں کیوں گھوم رہی ہو؟''

"م..... مجھے بی جی لائی ہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔

"اب مون منزل میں بی جی کون ہیں؟'' عازی اب اسے زچ کرنے لگا تھا۔

"دادی جان.....'' وہ بولی۔

"اچھا.....'' عازی مزید کچھ نہ بولا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟'' عازی نے باہر قدم بڑھاتی صوفیہ کو روکا۔ تو بنا کچھ کہے وہ پتیلی اٹھا کر چائے کے لیے پانی بھرنے لگی۔ عازی نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی' نجانے کیوں اسے وہ اچھی لگی تھی۔ بنا جانے کے وہ کون ہے؟ مون منزل سے اس کا کیا تعلق ہے' عازی کا دل مسکرایا تھا۔ "اچھی ہے'' کی گواہی دی تھی۔ شاید پہلے بھی آمنا سامنا ہوا ہو لیکن عازی کے ذہن میں اس کا کوئی عکس نہ تھا۔

"آپ نے سگریٹ پی ہے؟'' چائے کے ابلتے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے صوفیہ نے عازی سے پوچھا۔

"نہیں تو.....'' اس کے نہیں تو کہنے پر صوفی نے پلٹ کر اسے دیکھا' دھیمے سے مسکرا کر چائے میں چینی ڈالنے لگی۔ تو عازی کو حیرت ہوئی۔

"کیوں پوچھا.....؟'' اپنی حیرانی کو اس نے الفاظ دیے۔

"اس لیے کہ اگر سگریٹ پیتے ہیں تو چائے میں چینی کم ڈالوں پہلے ہی جگر کالا ہوگا اور میٹھا پینے سے شوگر ہوسکتی ہے۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر صوفی نے کہا تھا تو عازی نے بمشکل اپنا قہقہہ روکا۔

"چینی کم ہی ڈالنا پھر.....'' عازی نے معنی خیزی سے کہا۔

"کم ہی ڈالی ہے.....'' اس کے جواب پر عازی اب کی بار اپنا قہقہہ دبا نہ سکا۔

چند منٹ بعد چائے کا کپ اسے تھما کر وہ باہر نکل گئی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے گرم گرم چائے کا سپ لیا۔

"ہمم ذائقہ دار.....'' وہ زیرلب بڑبڑایا..... اور کچن سے باہر نکل گیا..... اپنے کمرے تک جاتے ہوئے اس نے نگاہیں چاروں طرف دوڑائیں..... کچھ کھوج رہا تھا شاید.....

پھر خود کو سرزنش کیا اور آگے بڑھ گیا۔

"موم آپ کا وقت ٹھیک گزرا ناں، طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سبحان واپس آچکا تھا۔ معاذ ہاشم کے آخری چند الفاظ اسے دلچسپ بھی لگے تھے اور پراسرار بھی۔ لیکن بہرحال اس نے پھر ملاقات کا وعدہ کرلیا تھا اور وہ نبھانا بھی جانتا تھا، گھر آتے ہی وہ صوفیہ کے پاس آیا جو صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں، ان کے ساتھ آ کر بیٹھا اور ان کا حال دریافت کرنے لگا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" صوفیہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کہاں گئے تھے، کھانا کھانا ہے ناں؟" صوفیہ نے مزید پوچھا تو سبحان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کھانا.....؟" اس نے فقط اتنا ہی کہا۔

"کیوں کیا کھانا کبھی نہیں کھایا؟" اس کی حیرانی پر صوفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سچ کہوں گا موم، گھر کا کھانا کبھی نہیں کھایا..... ماں کے ہاتھ کا کھانا بھی نہیں کھایا۔" سبحان کے لہجے میں ایک دکھ تھا۔

"اب میں ہوں ناں تو اب اس گھر میں کھانا پکا کرے گا۔" صوفیہ نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔" سبحان ان سے تصدیق چاہ رہا تھا۔

"ہاں میں اب ٹھیک ہوں..... تم فریش ہوجاؤ، پھر ہم فوراً شاپنگ کے لیے چلیں گے..... اب یہ دیواریں فقط چار دیواری نہیں رہیں گی بلکہ ایک گھر بدل جائیں گی۔" صوفیہ نے کہا۔

"یاہو.....!" سبحان نے صوفے پر اچھل کر نعرہ لگایا تو صوفیہ کی مسکراہٹ بھی مزید گہری ہوئی۔

"میں ابھی فریش ہوکر آتا ہوں پھر چلتے ہیں۔" سبحان یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے میں جب تک دیکھ لیتی ہوں کون کون سی چیزیں لانی ہوں گی۔" انہوں نے کہا تو سبحان نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے باہر نکل گیا، صوفیہ نے کتنے ہی پل خاموشی سے گزار دیئے تھے۔

"صوفیہ میرا سبحان بہت اکیلا ہے، وہ بکھر رہا ہے، اس بکھرے گھر کی زد میں اس کی ذات بھی آرہی ہے، میرے سبحان کو سنبھال لینا صوفیہ..... میں جانتا ہوں تمہارا دل دکھ سے بھرا ہے..... تم میرے سبحان کی طرف قدم بڑھاؤ گی تو وہ تمہیں بھی سنبھال لے گا۔ وعدہ کرو صوفیہ میرے سبحان کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑو گی؟" شجاع ان دنوں بہت بکھرے ہوئے تھے۔ یا شاید انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ ان کی زندگی ختم ہو رہی ہے، غالباً اسی لیے وہ صوفیہ کو گھر لے آئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے سارے کام جلدی جلدی نپٹا لیے تھے۔ صوفیہ کے اردگرد ان کے الفاظ ان کی التجا گونج رہی تھی، اس وقت خاموش نظروں سے شجاع کو دیکھا تھا، وعدہ نبھانے کا اقرار کیا تھا، ذمہ داری اٹھانے کی حامی بھری تھی لیکن آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ شجاع اسے ایک مضبوط سائبان عطا کرکے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اسے تحفظ دے کر گئے تھے حالانکہ انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ شجاع نے بنا کہے وعدہ نبھایا تھا اور اب صوفیہ کو اپنے آپ کو سنبھالنا تھا، اس کے وعدے کو پورا کرنا تھا، اس کے سبحان کو گھر کا ماحول دینا تھا..... بے شک سبحان اب ایسی عمر میں تھا جہاں اس کو اب کسی سہارے کی ضرورت نہ تھی، حالات انسان کو بے حد حساس بنا دیتے ہیں۔ سبحان کو پرسکون ماحول کی ضرورت تھی، اسے بھی چند تحفظات چاہیے تھے فقط آسائشوں سے زندگی تو گزری جاتی ہے مگر دل ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ صوفیہ نے اپنی محبت سے اپنے ساتھ سے سبحان کے خالی دل کو پُر کرنا تھا۔

"چلیں موم....." کچھ ہی دیر میں وہ واپس آ گیا تھا۔ صوفیہ نے اسے دیکھا اور اس کے ہمراہ چل دیں۔ صوفیہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھتی رہیں اس کی پسند ناپسند اس کی مصروفیات اس کی دوستیاں اس کے شوق اور وہ بتاتا رہا۔

"موم یہ آپ کے لیے....." شاپنگ کے دوران سبحان نے ایک چھوٹا سا ٹیڈی بیئر اسے دیا۔ جس نے ہاتھ میں ایک گلاب کا پھول پکڑا ہوا تھا۔ صوفیہ نے اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور مسکرا کر فوراً ٹیڈی بیئر پکڑ لیا۔

"بھلا میری عمر اس کو رکھنے کی ہے؟" انہوں نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"ٹیڈی بیئر کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا موم....." سبحان نے فوراً ٹیڈی بیئر کاؤنٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہر لڑکی کے پاس ایک ٹیڈی بیئر ضرور ہونا چاہیے..... وہ اس کا سب سے پیارا دوست ہو اور وہ اس سے ہر بات کہہ کر پُرسکون ہو جائے....." سبحان نے مسکرا کر کہا۔

"تو کیا تم میرے پیارے دوست نہیں ہو؟" صوفیہ نے اچٹتی نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔

"میں تو ہوں ناں.....لیکن آپ اپنی باتیں مجھ سے کہاں کہتی ہیں....." سبحان نے سرسری سے لہجے میں ایک شکایت کی تو صوفیہ نے سر جھکا لیا۔

"زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے سبحان! چپ رہنا بھی برداشت کرنا بھی اور آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کرنا بھی..... محبت کچھ نہیں ہوتی سبحان اعتبار سب کچھ ہوتا ہے....." وہ دونوں واپس گھر آچکے تھے۔ صوفیہ نے سارا سامان سمیٹا..... سبحان وہیں کچن میں ہائی اسٹول پر بیٹھا انہیں سب کام کرتے دیکھتا رہا۔ صوفیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور مدھم آواز میں بولیں۔ وہ مسلسل خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"شجاع نے میری ٹوٹی بکھری حالت کے باوجود سہارا دیا تھا، تمہاری ذمے داری سونپی تھی۔ وہ وعدے نبھائے جو انہوں نے کبھی نہ کیے تھے..... تم جانتے ہو میری اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے....." صوفیہ دھیرے سے ہنس کر بولیں۔

"تم مجھے موم کی بجائے آپی یا باجی بھی کہہ سکتے ہو....." صوفیہ نے کہا تو سبحان حیران رہ گیا۔ بغور انہیں دیکھا..... وہ واقعی ایک جوان بیٹے کی ماں کہیں سے بھی نہ لگ رہی تھی۔ بال ان کے سر میں چند ایک سفید بال تھے لیکن وہ عمر رسیدہ نہ لگ رہی تھیں۔

"بابا نے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں....." وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اب صوفیہ خاموش ہو گئیں۔

"ممی کہاں ہیں..... کتنی ہی دیر خاموشی رہی....." سبحان کافی دیر سے ان تین لفظوں کو ادا کرنے کی کوشش کر رہا تھا، صوفیہ نے اسے دیکھا اور پاس آ کھڑی ہوئی۔

"تاجدار نے خلع لے لی تھی۔ شجاع نہ چاہنے کے باوجود بھی ان پیپرز پر سائن کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد اس نے کوئی رابطہ نہ کیا۔ مجھے نہیں پتہ کہ تاجدار کہاں گئی۔" صوفیہ نے آہستگی سے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

"ممی نے ایسا کیوں کیا؟ اور آپ بابا کی زندگی میں کیسے آئیں؟" سبحان نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ان سے سوال کر کے اپنی الجھن دور کرے گا۔

"تمہارے بابا اور ممی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ جب ساتھ ہوئے تو دونوں ہی سمجھوتہ نہ کر سکے، ایک دوسرے کے ساتھ کوئی جذباتی لگاؤ نہ ہوا اور ایک بندھن میں بندھ جائیں تو اس تعلق کی عمر تب تک نہیں بڑھتی جب تک سمجھوتہ نہ کر لیا جائے۔ تمہارے بابا سمجھدار تھے، پہلے تو نہیں لیکن بعد میں انہوں نے کوشش کی تھی، تاجدار یوں تو بہت اچھی تھی لیکن اس تعلق کو وہ نبھا نہیں سکی۔ یہ ان کی غلطی نہیں تھی محبت زبردستی نہیں کی جاتی۔ ان سے سمجھوتا نہیں ہو پایا تھا اور بالآخر علیحدگی ہو گئی۔" صوفیہ نے پوری ایمان داری سے سبحان کو بتایا۔

"آپ.....آپ کون ہیں؟ کس حوالے سے بابا نے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں؟" سبحان کو ان کی باتوں پر اس لیے بھی یقین آ گیا تھا کہ شجاع نے بھی اکثر یہی کچھ بتایا تھا۔

"تمہارے پاس ماں کی کمی تھی ناں اس حوالے سے....." صوفیہ نے مسکرا کر مختصر سا جواب دیا اور دوبارہ کام کرنے لگی.....تو سبحان نے بھی مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا جانتا تھا وہ اسے سب بتا دیں گی، لیکن ابھی نہیں ابھی وقت درکار ہے۔

☆

وہ ابھی تک جان نہ سکا تھا کہ وہ کون ہے؟ موون منزل سے اس کا کیا رشتہ ہے، وہ اتنے استحقاق سے موون منزل میں کیوں تھی، وہ کسی سے پوچھ بھی نہ رہا تھا کہ یہ اس کی شان کے خلاف بات تھی۔ وہ اسے چلتے پھرتے کام کرتے سب کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتا رہا تھا۔

''تم میرے کام کیوں نہیں کرتی؟'' شدید گرمی کے باعث سب لوگ لان میں براجمان تھے' صوفی' ثناء اور عمارا سب کے لیے لیموپانی تیار کررہی تھیں کہ عازی کچن میں داخل ہوا۔

''کون سا کام......؟'' وہ اب قدرے پُراعتماد ہوچکی تھی۔ اس کے سامنے آجانے پر ہچکچاتی نہ تھی' یوں بھی اسے معلوم تھا عازی ابھی ان دونوں کے درمیان تعلق سے انجان ہے۔ میمونہ بیگم نے سب کو منع کررکھا تھا کہ جب تک وہ نہ کہیں عازی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔

''کوئی بھی کام......'' اس کا انداز روٹھا تھا' یا شاید اس کو صوفی کی جانب سے کوئی توجہ نہیں مل رہی تھی تو جان بوجھ کر ایسا لہجہ اپنایا تھا کہ وہ مزید گفتگو کرنے پر مجبور ہوجائے۔

''آپ کام بتادیں میں کردوں گی۔'' صوفی نے مسکراہٹ روک کر کہا۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے۔''

''آپ پوچھ رہے ہیں یا حکم دے رہے ہیں؟'' صوفی نے آئس کیوبز والا پیالہ اٹھا کر اس سے پوچھا۔

''نہ پوچھ رہا ہوں نہ حکم دے رہا ہوں' دے سکتی ہو تو پکادو۔''

''اسٹرونگ چائے اتنی شدید گرمی میں کس کے لیے؟'' صوفی نے پوچھا۔

''میرے لیے......'' عازی نے اسے دیکھ کر کہا' اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ جلد از جلد کچن سے نکل جانا چاہتی ہے۔

''پکادیتی ہوں' آپ یہ آئس کیوبز باہر لے جائیں......'' اس نے بنا کسی اعتراض کے کہا اور پیالہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''اوکے تھینکس......'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''چینی......؟'' صوفی نے پوچھا۔

''کم ہی' جگر کالا ہے اور شوگر زیادہ افورڈ نہیں کرپاؤں گا۔'' ان دونوں میں در پردہ ایک بات چل پڑی تھی' وہ جان چکی تھی کہ عازی اسموکنگ کرتا ہے اور عازی بھی اس کے جان جانے سے انجان نہیں تھا۔

''اتنی گرمی میں کون چائے پیے گا؟'' وہ ایک چھوٹی سی ٹرے میں چائے کی پیالی رکھ کر لان میں پہنچی تو عازی کی حیرت زدہ آواز پر سب نے پلٹ کر صوفی کو دیکھا جو بے وقوفوں کی طرح عازی کو دیکھ رہی تھی۔ جو مسکراہٹ دبائے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اس سے پوچھ رہا۔

''میں نے سوچا شاید کسی کو چائے پینے کا جی چاہ رہا ہے تو بنا کر لے جاتی ہوں۔'' چند ہی پل میں صوفی سنبھل گئی تھی۔ پُراعتماد لہجے میں بولی اور آگے بڑھ کر ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

''ماشاءاللہ...... یہ ہوتے ہیں اچھی تربیت کے گن...... سب کی ضروریات کا خیال رکھنا صرف میری صوفی کو ہی آتا ہے۔'' میمونہ بیگم کی تعریف پر وہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھی جبکہ عازی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ اب سب کو آئس کریم اور ٹرائفل سرو کرنے میں ثناء اور عمارا کی مدد کرنے لگی تھی۔ عازی من ہی من میں اس کی حاضر جوابی کا قائل ہوگیا تھا اور اس کی تعریف پر تلملایا بھی تھا۔

''دادی جان یہ صوفی کون ہے؟'' جب کافی دن گزر گئے اس کی بڑھتی اہمیت نے عازی کو میمونہ بیگم سے پوچھنے پر مجبور کردیا۔

''بختاور کی نواسی ہے۔'' میمونہ بیگم اپنے تخت پر بیٹھی تکیے کے غلاف پر کڑھائی کرتے ہوئے بولیں۔

''بختاور بی بی کی نواسی اور اتنی خوب صورت......!'' وہ زیرلب بولا۔ میمونہ بیگم نے کن اکھیوں سے اس کے پُرسوچ انداز کو دیکھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' انہوں نے اس سے پوچھا۔

''یہاں کام کرتی ہے؟'' وہ اس کی موں منزل میں موجودگی کی نوعیت جاننا چاہتا۔

''نہیں...... وہ اب یہاں ہی رہتی ہے۔'' میمونہ بیگم نے اسے بتایا۔

''اس پر نوکروں والے رعب نہ جمانا' مجھے بہت عزیز ہے وہ...... میں چاہتی ہوں وہ ہمیشہ یہاں ہی رہ جائے...... بہت مخلص اور پیاری بچی ہے۔'' میمونہ بیگم نے ذومعنی انداز میں کہا لیکن عازی کا دھیان نہ تھا ان کی طرف۔

"کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟" اس کے کمرے کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا وہ دلچسپی سے اسے دیکھ کر پوچھ رہا تھا اس کی وہاں اچانک آمد پر صوفی گڑبڑا گئی تھی۔

"نہیں.....'' وہ کرسی پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی اس کے سوال پر یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسرے پل سنبھل کر انکار کیا۔

"اتنا غرور کس بات کا ہے؟" عازی نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کسی بات پر بھی نہیں۔"

"پھر اکڑ کیوں رہی ہو.....؟" عازی نے بھنویں سکیڑ کر کہا۔

"نہیں تو۔" صوفی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو دوستی کیوں نہیں کر رہیں؟" وہ منہ بسور کر بولا۔

"تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عازی نے اس کی گھبراہٹ محسوس کرتے کہا۔ وہ واقعی گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اسے اس کی طرف سے کوئی خطرہ تھا بلکہ اس لیے کہ عمارا ثناء میں سے کوئی آ گیا تو اسے چھیڑ چھیڑ کر زچ کر دیں گی۔

"مجھے آپ سے ڈرنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے۔" صوفی اعتماد سے بولی۔

"دوستی کیسے کرتے ہیں میں نہیں جانتی..... اور میرے خیال میں دوست بھی محبت کی طرح ہوتے ہیں' کوئی ساری عمر ساتھ رہے لیکن دوست نہیں بن سکتا اور کبھی راہ چلتے بھی کوئی دوست بن جاتا ہے۔" صوفی مسکرائی۔

"انٹرسٹنگ....." وہ ایک بار پھر متاثر ہوا۔

"او کے..... تو ہم دوست ہیں۔" عازی نے کہا تو صوفی کی مسکراہٹ بھی گہری ہوگئی۔

اور یہی تو میمونہ بیگم کا پلان تھا۔ عازی خود اس کی جانب راغب ہو جاتی تھی کہ ضدی ہے اپنی مرضی ظاہر کی تو اگر اسے پسند ہوئی تب بھی انکار کر دے گا تو انہوں نے عازی کو موقع دیا کہ وہ صوفی کو ان کے پاس لے کر آئے۔

"تھینکس..... میں ایک اچھا دوست ہوں....." عازی نے اس کی گہری مسکراہٹ کو گرین سگنل جانا اور کالر جھاڑا۔

"اس کا فیصلہ تو میں کروں گی....." صوفی کا جواب اسے چونکا گیا۔

"تمہیں میری اچھائی پر شک ہے؟" عازی نے دونوں ہاتھ کمر میں رکھے اور خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو اچھائی کا سرٹیفکیٹ مل جانا قبل از وقت ہے۔" صوفی شریر مسکراہٹ کو دباتے ہوئے بولی تو عازی اس کی ذہانت پر فدا ہونے لگا۔

"مسکراتے ہوئے پیاری لگتی ہو....." عازی نے یک لخت اعتراف کیا اور دوسرے پل وہاں سے باہر نکل گیا۔ صوفی کی دھڑکن کی رفتار یک دم تیز ہوگئی تھی۔

دونوں میں دوستی ہو چکی تھی۔ عازی دھیرے دھیرے اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں اس کے لیے ایک خاص مقام بنتا جا رہا تھا۔ وہ بہت الگ نیچر کی لڑکی تھی' اس کے خواب بہت انوکھے تھے۔ اس کی ہنسی بہت پیاری تھی' اسے زندگی سے بہت کچھ نہیں چاہیے تھا اس کا خواب ایک بڑا سا گھر نہیں ایک محبت بھرا گھر تھا..... عازی دھیرے دھیرے اس کی محبت میں گرفتار ہونے لگا تھا۔ صوفی تو پہلے ہی اس کے حوالے سے بہت سے سپنے آنکھوں میں سجا چکی تھی۔ اب صرف اس کی طرف سے اشاروں کی منتظر تھی۔

"تم نے پہلے تو نہیں بتایا تھا کہ تم واپس لندن جاؤ گے۔" طلحہ نے اس کی واپسی کی خبر سنی تو حیرت سے گویا ہوا۔

"اگلے سال گریجویشن مکمل ہو جائے گی تو واپس آ جاؤں گا۔" عازی نے کنکھیوں سے صوفی کو دیکھا تھا جو اسے بہت اداس لگی تھی۔

"بیٹا اب اتنے دنوں سے یہاں ہو تو مون منزل میں خوب رونق بھی رہی' ہمارا تو اب دل ہی نہیں کر رہا کہ تم جاؤ۔" میمونہ بیگم نے اس کی اہمیت بتائی تو ہمیشہ کی طرح اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

"دادی جان میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم میرے جانے کا سن کر

اداس ہورہی ہو۔" محفل برخاست ہوچکی تھی۔ صوفی ڈائننگ سے برتن سمیٹنے آئی تو عازی کو وہیں ٹیبل پر موجود پایا۔

"اس لیے لگ رہا ہے کہ میں واقعی میں اداس ہوں۔" اس کے الفاظ پر عازی جیسے گنگ ہوکر رہ گیا۔

"تم میرے جانے سے اداس ہو؟ اس کا کیا مطلب ہے؟" عازی نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

"آپ سے پہلے میں نے ثابت کردیا کہ میں اچھی دوست ہوں۔" صوفی مسکرا کر بولی۔

"اگر میں اداس نہ ہوتی تو آپ کہتے میں اچھی دوست نہیں ہوں۔ آپ کے جانے کا سن کر بھی اداس نہیں ہوئی۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کہتا؟" عازی سچ میں حیران رہ گیا تھا۔

"زیادہ نہیں لیکن اتنا سا تو دوست کو سمجھ ہی چکی ہوں۔" صوفی نے انگلی اور انگوٹھے کے درمیان انچ کا فاصلہ رکھ کر اس کے سامنے کیا۔ عازی جو انتہائی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"مجھے تم اور تمہارا ساتھ چاہیے' تمہاری طاقت چاہیے' میرے پاس حق مہر میں فقط ایک وعدہ ہے کہ مجھے بادشاہ بنانے میں تمہاری کوشش اور تمہارا ساتھ ہوگا' میری محبت تمہارے نام میری زندگی تمہاری امانت......" عازی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسے پروپوز کررہا تھا' صوفی کا دل تیزی سے دھڑکا......ایک نظر اس نے بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور مسکرا کر نظریں جھکائیں اور اس کے پھیلے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

......☆......

معاذ ہاشم اور محمد سبحان میں دوستی ہونے لگی تھی۔ گھر کی صفائی بھی کروائی جاچکی تھی۔ پہلے کی نسبت اس کی حالت بھی اب بہتر ہوگئی تھی۔ معاذ ہاشم خود دلچسپی لینے لگے تھے۔ ایک تو غلام احمر خود اپنے کسی کام میں مصروف تھا دوسرا سبحان کی کمپنی انہیں میسر آ گئی تھی۔ وہ گھر جو چند ہفتے پہلے بے انتہا یاسیت کا شکار تھا' ہر ایک دیوار پر ویرانی چسپاں تھی انہی در و دیوار میں آج کل بہتری نظر آرہی تھی۔ روزانہ کی بنیاد پر معاذ وہاں آرہے تھے۔ دروازے اور کھڑکیوں سے آتی تازہ ہوا کمروں میں پھیلی سیلن اور حبس کو کم کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی تھی۔

سبحان کا گھر صوفیہ کی بہتر طبیعت کی وجہ سے روشن ہونے لگا تھا۔ روزانہ بہت سے کھانوں سے ڈائننگ ٹیبل سجنے لگی تھی۔ سبحان کی پسند کا خیال رکھنا' اس کے کام کرنا' صوفیہ نے مکمل گھر کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔ اپنے آپ کو مصروف کرلیا تھا' دل بہل رہا تھا تو برسوں پرانا ڈپریشن بھی دور ہونے لگا تھا۔

"انکل کل کھانا ہم ساتھ کھائیں گے۔" سبحان معاذ کے گھر گیا اور کافی وقت گزارنے کے بعد واپس آنے لگا تو ان سے کہا۔

"بیٹا میں شاید نہ آسکوں۔"

"کوئی بات نہیں' میں کھانا ساتھ لے آؤں گا' پھر ہم مل کر کھائیں گے۔" معاذ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میری موم کھانا بہت اچھا پکاتی ہیں۔ آپ اپنی پسند بتادیں۔" سبحان نے ان سے پوچھا۔

"چکن بریانی اور کوفتے۔" معاذ نے یک دم فرمائش کی۔ شاید ان کا واقعی دل چاہ رہا تھا۔

"اوکے کل ہم ساتھ میں کھائیں گے۔ موم بریانی تو بہت ٹیسٹی پکاتی ہیں۔" سبحان نے حامی بھرلی اور چلا گیا۔ جبکہ معاذ اس کی دعوت پر مسکرا کر رہ گئے تھے۔

"موم آپ کے کھانے کی بہت تعریف کی ہے' اب بریانی اور کوفتے بہت مزیدار ہونے چاہئیں۔" گھر آتے ہی سبحان نے فرمائش کی۔

"گھر میں بلا کر دعوت کرتے ناں' یہ کیسی دعوت ہے۔ بریانی گرم گرم ہی کھائی جائے تو مزہ آتا ہے۔" صوفیہ نے اسے اس طرح کھانا لے جانے پر سرزنش کی۔

"موم میں نے تو کہا تھا لیکن انکل نے کہیں جانا ہے اس لیے لیٹ ہوجائیں گے' تو میں نے کہا کہ کھانا لے آؤں گا۔"

"انکل؟" صوفیہ نے حیرانی سے کہا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اس کے ہم عمر دوستوں کی دعوت ہے۔ اس کے انکل کہنے پر وہ چونکیں۔

"وہ موم ایک انکل ہیں ناں ان سے میری دوستی ہوگئی

ہے۔" سبحان نے معاذ ہاشم سے دوستی کی ساری تفصیل ان کے گوش گزار کردی۔ اس کھنڈر نما محبت کی نشانی سے لے کر ان کی لائبریری سے کتابیں لانے تک..... گھر کی صفائی اور ان سے کی گئی ہر ایک بات صوفیہ اب جان چکی تھی۔

"احتیاط کرنا بعض لوگ محبت کے نام کا جھانسا دے کر اعتماد کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور اعتبار ریزہ ریزہ کردیتے ہیں۔" صوفیہ نے بے حد سنجیدگی سے اسے سمجھانا ضروری سمجھا۔

"ڈونٹ وری موم..... ہی از اے جنٹل مین۔" سبحان نے انہیں تسلی دی' صوفیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔

☆

اس کا ہاتھ پکڑے وہ میمونہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بنا کوئی اعتراض کیے اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ میمونہ بیگم کے ہمراہ جمیلہ اور عالیہ بھی براجمان تھیں۔ انہی دنوں عمارا اور ثناء کے لیے آئے رشتوں پر سنجیدگی سے غور و فکر کی جارہی تھی۔ صوفی کا یوں عازی کے ہمراہ آنا ان تینوں نے پہلے ایک دوسرے اور پھر انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا؟" میمونہ بیگم نے عازی سے دریافت کیا۔ اس نے صوفی کو ان کے پاس بٹھایا اور خود نیچے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپ چاہتی تھی ناں یہ ہمیشہ یہاں رہے؟" عازی نے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ صوفی اس ساری صورت حال پر شرماتی رہی۔

"میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں' مما آپ کی بہو بن کر یہ یہاں رہے۔" اس نے جمیلہ کو دیکھا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا ناں ابھی اس کو کچھ نہ بتانا..... یہ خود میری صوفی کو میرے پاس لائے گا۔" میمونہ نے فخر سے کہا تو جمیلہ اور عالیہ بھی ہنسنے لگیں۔ عازی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا مطلب؟" یک دم وہ پوچھنے لگا اور چونکہ وہ خود راضی تھا بنا کسی دباؤ کے تو میمونہ بیگم نے ساری بات اسے بتادی۔ عازی نے صوفی کو دیکھا جو لب بھینچے بیٹھی تھی۔

"کیا تم جانتی تھیں....." عازی نے انتہائی سنجیدگی سے میمونہ بیگم' جمیلہ اور عالیہ کی ہنسی کو دیکھا اور صوفی سے پوچھا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو یک دم اس کی نظریں بدل گئیں۔ ایک پل میں اس کی ضد لوٹ آئی' جو چیز باقیوں کو پسند ہوسکتی ہے وہ اس کے لیے کبھی خاص نہیں ہوتی تھی جہاں چار لوگوں کی پسند اس کی پسند سے ملتی وہاں وہ اپنی پسند بدل لیتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صوفی بختاور بی بی کی نواسی ہے جب عازی اس سے رشتہ جوڑنے کی خواہش ظاہر کرے گا تو مون منزل میں ایک ہنگامہ برپا ہوجائے گا بے شک صوفی ان کی چہیتی ہے لیکن بہو کے روپ میں اسے قبول کرنا یقیناً ایک بڑی بات تھی' لیکن یہاں تو ساری بازی ہی الٹ گئی تھی۔

"سوری دادی جان یہ نہیں ہوسکتا....." انتہائی سپاٹ انداز میں اس نے اپنا فیصلہ بدلا' اسے منظور نہ تھا کہ خواتین اس پر ہنسیں' ان کی چال کامیاب ہو اور وہ عورتوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنتا..... مردانہ انا کا جھنڈا لہرانے لگا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ چیزوں کے لیے پسند کو بدل لینا آسان ہوسکتا ہے لیکن کسی انسان سے وعدے کرکے پھر اسے ناپسندیدہ قرار دے دینا انتہائی کٹھن۔

"تمہارا دماغ درست ہے' کیوں نہیں ہوسکتا؟" جمیلہ نے اس کے خطرناک تیور کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

"تم اچھی دوست نہیں ہو' تم نے دھوکا دیا ہے مجھے۔" عازی نے صوفی کی طرف دیکھ کر انتہائی تلخ انداز میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا اور وہ سب جو چند لمحے پہلے بے انتہا خوش تھے یک دم ہی جیسے سکتے میں آگئے اور پھر ہزاروں دلیلوں' منتوں کے باوجود بھی عازی نہ مانا..... میمونہ بیگم کو پوتے پر جو مان تھا وہ ٹوٹ گیا تھا۔

"میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ مون منزل سے ہر ناطہ توڑ کر جانا ہوگا تمہیں۔" صوفی کی محبت سے زیادہ انہیں اپنا مان ٹوٹ جانے کا غم تھا۔ لاڈ پیار سے بھی اس کی انا کا پرچم نیچے نہ آیا تو میمونہ بیگم نے دھمکی دی اور یہ وہ مقام تھا جہاں وہ ہار گیا کہ اپنوں کے بغیر رہنا وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

لندن جانے سے پہلے اس نے صوفی کو باقاعدہ اپنے نام

سے منسوب کردیا' دونوں کا نکاح ہوا' پھر وہ چلا گیا..... پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع دی اور پھر عازی کہاں تھا مون منزل کے مکینوں میں سے کسی کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس کی گریجویشن مکمل ہوچکی تھی اور مون منزل میں اس کی آمد کے سب ہی منتظر تھے۔ صوفی کوئی جرم نہ کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی' ایک سال سے مسلسل خاموشی تھی۔ میمونہ بیگم اسے ہمہ وقت تسلی دیتی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو وہ لوٹ کر آئے گا۔ وہ میرا خون ہے' تھوڑا ضدی' خودسر ہے لیکن پتھر دل نہیں....." ان کی تسلی پر وہ دھیرے سے مسکرا دیتی۔

"تم جانتی ہو کبھی کبھی مجھے اپنا آپ اچھا نہیں لگتا' میں اپنی ضدی طبیعت سے تنگ آجاتا ہوں' ضد میں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرا دل پتھر کا ہوچکا ہے' کوئی احساسات نہیں' دھڑکنوں میں کوئی تسلسل نہیں.....اور مجھے اتنا ضدی اور پتھر دل عازی اچھا نہیں لگتا۔"

"تو ایسی ضد نہ کیا کریں جس میں دل پتھر کا بن جائے۔"

"کوشش کرتا ہوں لیکن پھر کنٹرول نہیں رہتا..... تم دعا کرنا کہ میں بدل جاؤں' میرا دل کبھی پتھر کا نہ بنے۔" پچھلے ایک سال سے وہ دعا ہی تو کررہی تھی۔

"عازی بیٹا واپس آجاؤ اب۔" صوفی کی سماعت میں میمونہ بیگم کی التجا پہنچی تو اس کا ہر ایک عضو کان بن گیا۔

"لیکن عازی....."

"یہ جاب میرے لیے بہترین آفر ہے دادی جان میں اس سال پاکستان نہیں آسکتا۔"

"لیکن تمہارا تو وہاں جاب کا کوئی ارادہ نہ تھا؟" وہ غصے سے بولیں۔

"بہت اچھی جاب ہے دادی جان پانچ سال کا کنٹریکٹ ہے۔"

"تو تم پانچ سال تک پاکستان نہیں آؤ گے؟" میمونہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

"ابھی سوچا نہیں دادی جان....."

"ٹھیک ہے پھر صوفی کو وہاں بلالو۔" میمونہ بیگم نے کہا جہاں اسے حیرانی ہوئی وہاں صوفی بھی چونکی۔

"دادی جان میرے پاس ابھی گھر نہیں ہے۔" اس کا لہجہ مدھم ہوا۔

"کیا تم فٹ پاتھ پر رہتے ہو؟" انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"نہیں دادی جان لیکن ایسی کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ فیملی کو ساتھ رکھا جائے۔"

"عازی تم میرا مان توڑ رہے ہو' صوفی کے سامنے میرا سر جھکا رہے ہو۔"

"دادی جان..... مجھے چند ماہ کی مہلت دیں۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اقرار کیا اور اس اقرار نے صوفی کے دل کو جیسے دبوچ لیا تھا اور پھر چھ ماہ کے بعد وہ عازی کے پاس چلی گئی۔ اس کا دل جیتنے کے لیے' اس کے پتھر دل کو بدلنے کے لیے۔

"تم نے جھوٹ بولا ہے میرے ساتھ۔"

"میں نے کون سا جھوٹ بولا' اگر آپ میرا ہاتھ پکڑ کر بی جی کے پاس نہ جاتے تو آج میں یہاں کبھی بھی نہ ہوتی۔" اس کی بات سچ تھی لیکن عازی کو ہار جانا منظور نہ تھا' وہ اس کے پاس آتو گئی تھی لیکن وہ مسلسل اسے نظر انداز کررہا تھا۔ ایک سال مسلسل کوشش کے بعد جب وہ کامیاب نہ ہوئی تو ایک روز اس کے جاب پر جانے کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی۔

"عازی..... میں ایسے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جو مجھے تحفظ نہ دے سکے' جو میری غلطی نہ ہونے کے باوجود مجھے سزائے موت سنا دے' جو میرے خلوص کو میری چال سمجھے' میں نے کوشش کی تھی کہ میں ایک اچھی دوست نہ بنی تو اچھی بیوی ضرور بنوں لیکن آپ نے مجھے اس کوشش میں بھی ناکام کردیا۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا' میں نہیں جانتی کہ میں کہاں جارہی ہوں' پولیس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنا' شاید میں آپ کو مل جاؤں' مل گئی تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی' زبردستی کی تو یہاں عورتوں کے حقوق بہت ہیں میری ایک چیخ آپ کی بنی بنائی عزت مٹی میں ملا دے گی۔ مون منزل میں میرے حوالے سے آپ

سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ اپنا خیال رکھنا اور کوشش کرنا کہ ضد میں اتنا آگے نہ جائیں کہ کسی دوسرے کی زندگی برباد ہوجائے۔ میں نے آپ سے محبت کی تھی لیکن وہ آپ کی ضد کی نظر ہوگئی۔ اللہ نگہبان۔
صوفی“

اور وہ چلی گئی' سارے دروازے بند کر کے..... شاید وہ واقعی تھک گئی تھی اور اس کے جاتے ہی عازی کے دل کا پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔

اجنبی ملک' اجنبی لوگ' زبان سے ناآشنا' جانے وہ کہاں چلی گئی تھی' وہ اسے ڈھونڈتا رہا لیکن اب کی بار وہ اس کی حصے میں ناکامی رقم کرگئی تھی۔ کوئی سوال نہیں' کوئی پوچھ کچھ نہیں' مون منزل کا وعدہ نبھا گئی تھی۔ کہاں گئی وہ بے خبر تھے' کیسے رہ رہی ہے وہ انجان تھے..... کتنے ہی ماہ وسال گزرے لیکن صوفی ان کی طرف پلٹ کر نہ آئی..... وہ انتظار بہرحال کررہے تھے۔

☆

حسب وعدہ محمد سبحان کھانا لے کر اسی گھر میں آ گیا تھا۔ بریانی کی خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔

”تمہاری موم کے ہاتھ میں واقعی ذائقہ ہے۔“ انہوں نے بریانی کھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں بہت اچھے کھانے پکاتی ہیں موم۔“ سبحان نے فخر سے کہا۔

”تمہاری اچھی صحت کا راز آج پتہ چلا۔“ معاذ ہاشم مسکراتے ہوئے اسے چھیڑنے لگے تو وہ بھی ہنس دیا۔

”میں آپ کی کتابیں لے آیا تھا۔“ محمد سبحان نے بیگ سے کتابیں نکال کر انہیں دیں۔

”کتابیں پڑھنے کے شوق نے مجھے متاثر کیا۔“ معاذ ہاشم نے تعریف کی۔

”تم اگر چاہو تو اور کتابیں بھی لے جاسکتے ہو۔“ معاذ نے مزید کہا تو محمد سبحان بے انتہا خوش ہوا۔ اسے کتابوں کے ساتھ ساتھ ایک اچھی کمپنی بھی میسر ہورہی تھی۔ معاذ ہاشم سے اکثر اب وہ مختلف موضوعات پر ڈسکشن بھی کرلیا کرتا تھا۔ ان کی طرف سے اجازت ملتے ہی وہ ان کے اسٹڈی روم کی جانب بڑھا۔

کتابیں دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک البم لگی..... اس نے پہلا صفحہ پلٹا وہاں ایک نوجوان کی تصویر نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر دی۔ وہ معاذ ہاشم کی تصویر تھی۔ اس نے البم بند کی اور کتابیں دیکھنے لگا۔ پھر دو کتابیں اٹھائیں اور ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا لیکن جاتے ہوئے پلٹا اور البم بھی ہمراہ لے لی۔

”انکل یہ البم تھی آپ کی بک شیلف پر۔“

”یہ فیملی البم ہے' بہت عرصے سے رکھی ہوئی ہے۔“ معاذ ہاشم نے بنا چونکے اسے بتایا۔

”آپ کی اجازت ہوتو میں دیکھ لوں؟“ محمد سبحان نے ان سے اجازت لی تو مصروف انداز میں معاذ ہاشم نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”ضرور دیکھ لو..... اس میں ایسی چھپانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔“ معاذ ہاشم نے اسے کہا۔ ان کے کہتے ہی محمد سبحان نے البم کھول لی۔ پہلے چند صفحوں پر معاذ کی مختلف پوز کی تصویروں کی اس نے خوب تعریف کی۔

”انکل آپ نے اتنی ڈشنگ پرسنالٹی کو کیوں ختم کردیا؟“ محمد سبحان نے ان سے پوچھا۔

”کیا اب ڈیشنگ نہیں لگتا؟“ معاذ ہاشم نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”لگتے ہیں لیکن ان تصویروں میں تو آپ اصلی ہیرو لگ رہے ہیں۔ کمال کی ڈریسنگ ہے اور خوب صورت ہیئر اسٹائل.....“ محمد سبحان نہایت دلچسپی سے ان کی تصویروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے تعریفی کلمات پر معاذ ہاشم نے جھک کر دیکھا اور مسکرادیئے۔

”موم.....؟“ یک لخت ہی سبحان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ معاذ ہاشم نے اسے دیکھا۔

”کیا.....؟“ معاذ ہاشم نے پوچھا۔ جبکہ محمد سبحان کی نظریں اس تصویر پر جمی تھیں' اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں نے معاذ ہاشم کو حیران کردیا۔

"محمد سبحان.....؟" انہوں نے اسے پکارا۔

"یہ.....یہ کون ہیں.....!ان کا نام صوفیہ ہے ناں؟" محمد سبحان نے ایک لڑکی کی تصویر کوان کے سامنے کر کے پوچھا۔

"تم صوفی کو کیسے جانتے ہو؟" معاذ ہاشم کے لیے یہ پل انہیں خواب کی طرح لگ رہا تھا۔

"یہ میری موم ہیں۔" محمد سبحان نے انہیں بتایا۔

"تمہاری موم.....!صوفی؟" معاذ ہاشم کی حالت ناقابل بیان ہو رہی تھی' محمد سبحان کے لیے بھی یہ انکشاف کہ معاذ ہاشم اس کی موم کو جانتے ہیں کسی دھچکے سے کم نہ تھا۔

"ہاں یہ میری موم ہیں۔" بابا نے کہا تھا۔

"مجھے صوفی سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔" معاذ ہاشم اٹھ کھڑے ہوئے تو محمد سبحان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے ایسے ہی وہ معاذ ہاشم کو گھر لے کر نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ ایسے موم سے نہیں مل سکتے۔"

"پلیز محمد سبحان مجھے صوفی سے ملنا ہے میں اسے سات سال سے ڈھونڈ رہا ہوں بیوی ہے وہ میری۔" ان کے الفاظ نے محمد سبحان کے سر پر جیسے کوئی بم پھوڑ دیا تھا۔

"آپ ابھی گاڑی میں بیٹھیں میں کچھ دیر تک آپ کو بلاتا ہوں۔" وہ گھر پہنچے تو محمد سبحان نے کہا اور ان کو گاڑی میں چھوڑ کر خود اندر چلا گیا۔

"موم....." اس نے انہیں آواز دی۔

"کیا ہوا میں یہاں ہوں۔" انہوں نے ٹی وی لاؤنج سے آواز لگائی۔

"موم آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔" ان کے پاس آ کر وہ بولا۔

"مجھ سے کون ملنا چاہتا ہے؟" انہوں نے حیرانگی سے استفسار کیا۔

"آپ معاذ ہاشم کو جانتی ہیں موم.....؟" ان کے چہرے پر نظریں جمائے محمد سبحان نے پوچھا تو ان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"نہیں..... میں نہیں جانتی۔" انہوں نے نظریں چرائیں۔

"موم.....عازی آئے ہیں آپ سے ملنے کے لیے۔" وہ دروازہ کھلا چھوڑ آیا تھا انہیں میسج کیا اور چند لمحوں بعد وہ بھی وہاں موجود تھے۔

"مجھے کسی سے نہیں ملنا ہے محمد سبحان۔" انہوں نے مدد طلب نظروں سے محمد سبحان کو دیکھا یہاں آتے وقت گاڑی میں معاذ ہاشم نے محمد سبحان کو ساری سچائی بتادی تھی۔

"موم ایک بار بات تو سن لیں۔" محمد سبحان نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں صوفے پر بٹھایا معاذ ہاشم بالکل خاموش تھے انہیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ صوفی انہیں مل گئی ہے۔

"انکل آپ بیٹھیں۔" اس نے انہیں بٹھایا۔

"میں چائے لاتا ہوں؟" معاذ ہاشم مکمل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں کو یقین دلا رہے تھے کہ جسے وہ دیکھ رہے ہیں یہ وہی صوفی ہے جس کا انتظار کر رہے تھے محمد سبحان سے ان کی لگاوٹ ان کے لیے انوکھی باتیں تھیں۔

"صوفی....." معاذ ہاشم اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے پاس آ کر بیٹھے وہ بدک کر پیچھے ہوئی۔

"اتنی بے رخی تم تو ایسی پتھر دل نہ تھیں۔" معاذ ہاشم نے اس کا ہاتھ تھاما اس نے جھٹکنا چاہا لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"کیوں کیا ایسا؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"تم نے بہت غلط وقت پر مجھے چھوڑا تھا صوفی' اسی دن تو تمہارے لیے پھول لایا تھا۔" اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

"بہت ڈھونڈا میں نے تمہیں ہر جگہ' ہر رستے پر کوئی ایسے چھوڑتا ہے کیا؟"

"کوئی ایسا چھوڑتا ہے کیا؟" ڈبڈباتی نظروں سے اس نے انہیں دیکھا تو عازی مسکرا دیے۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں میں نے نہیں چھوڑا تمہیں اگر چھوڑنا ہوتا تو کیا دادی جان کے ایک بار کہنے پر اپنے پاس بلا لیتا۔" معاذ ہاشم نے اس کے پریشان حال چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"نہیں ایک بار چھڑا لیا تھا اب ناممکن ہے۔" اس نے ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تو معاذ نے پھر گرفت

مضبوط کرلی۔

"مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔" جتنی بیزارگی سے اس نے کہا تھا اتنے ہی شیریں لہجے میں معاذ نے بھی کہا۔

"اب بہت وقت گزر چکا ہے عازی اور میرے پاس محمد سجان کی ذمہ داری ہے۔"

"کون سا وقت گزر چکا ہے صوفی ہمارا وقت تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا میں جانتا ہوں میری غلطی تھی' میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اپنی ضد اور من مانی میں میں نے تمہارا دل بھی دکھایا۔"

"توڑ دیا ہے اور ٹوٹی چیزیں جڑتی نہیں ہیں۔" وہ ابھی تک کٹھور بنی ہوئی تھی۔

"تم مجھے ایک موقع دو میں جوڑلوں گا۔" معاذ نے ملائمت سے کہا۔

"مون منزل کا ہر ایک مکین مجھ سے خفا ہے سات سال سے میرا کسی سے کوئی رابطہ نہیں۔" معاذ اسے بتایا۔

"میں نے آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا تھا۔" وہ رخ موڑ کر بولی۔

"لیکن تمہارا یوں غائب ہو جانا مجھے مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔" معاذ نے کہا۔

"میری غلطی نہیں ہے آپ کے ساتھ رہنا میرے لیے ممکن نہ رہا تھا۔" صوفیہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا اور ان کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محمد سجان کون ہے..... اور تمہیں موم کیوں کہتا ہے؟" معاذ نے گہری سانس لے کر پوچھا۔ صوفیہ نے انہیں دیکھا۔

"شجاع اور تاجدار کا بیٹا۔"

"شجاع کون.....؟" معاذ نے حیرانی سے پوچھا۔

"بختاور بی بی کا پوتا....." دوسرے پل معاذ کو یاد آ گیا۔

"لیکن وہ تو....."

"ہاں ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ سجان کی ذمہ داری مجھے سونپ کر گئے تھے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی صوفیہ کو انہیں بتانا پڑا۔

"تمہیں وہ کہاں ملے تھے؟" معاذ جاننا چاہ رہے تھے کہ صوفیہ اتنا عرصے تک کہاں اور کن حالات میں رہی تھی' ان کے لہجے میں کسی قسم کا شک نہیں بلکہ ایک فکر تھی' صوفیہ کو محسوس تو ہوا لیکن تا حال وہ بدظن رہی۔

"جب آپ کے گھر سے نکلی تو شجاع سے ہی رابطہ کیا تھا' انہی دنوں ان کے اور تاجدار کے حالات سنگین صورت اختیار کر چکے تھے دونوں میں علیحدگی طلاق کی صورت میں ہو چکی تھی' شجاع بہت پریشان تھے' محبت کے باوجود وہ تاجدار کو اپنا نہ بنا سکے تھے۔" صوفیہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے انہیں بتا رہی تھی' اس کی آخری بات پر معاذ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں بہت پریشان تھی' ڈپریشن آخری حدود کو چھونے لگا تھا' شجاع کا گھر بھی بکھر رہا تھا' محمد سجان کی زندگی بھی متاثر ہو رہی تھی' محمد سجان کو سنبھالنے کی خاطر شجاع نے اسے کہا کے وہ مجھے موم کہہ سکتا ہے' شجاع نے اپنے گھر کو بچانے اور مجھے سہارا دینے کی کوشش کی اور جب حالات سنبھلنے لگے تو ان کی زندگی نے بے وفائی کر دی' تاجدار کی جدائی اور محبت کی ناکامی برداشت نہ کر سکے اور چل بسے۔"

"کیا تمہیں میرا انتظار تھا؟" معاذ ایک بار پھر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

"نہیں....." وہ ایک بار پھر رخ موڑ گئی' تو معاذ مسکرا دیئے۔

"چائے حاضر ہے۔" ہلکی سی دستک دے کر محمد سجان کمرے میں داخل ہوا۔

"انکل آپ....."

"نہیں..... انکل نہیں..... تم آج سے مجھے بابا کہو گے..... تم صرف اپنی موم کی نہیں میری بھی ذمہ داری ہو۔" یکدم ہی معاذ نے فیصلہ کیا۔

"آپ زبردستی ہماری زندگیوں میں نہیں شامل ہو سکتے۔" صوفیہ نے تلخی سے ان کی بات روکی۔

"میں آپ کی زندگی میں شامل ہوں مسز صوفیہ معاذ..... اور اگر آپ کو یاد ہو تو آپ کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اب آپ انکار نہیں کر سکتی۔" معاذ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا جبکہ سجان ابھی تک کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ اسے کیا

کرنا چاہیے۔

"ہونہہ...... خوش فہمی ہے آپ کی......" صوفیہ نے نخوت سے کہہ کر قدم باہر بڑھائے۔

"باہر جانے کے سارے راستے اب مسدود ہوچکے ہیں۔" معاذ یک لخت ان کی راہ میں حائل ہوئے۔ صوفیہ نے شعلہ برساتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"ہوچکا ہوں گھائل مزید گنجائش نہیں ہے اب۔" ان کی آنکھوں میں جھانک کر وہ بولے۔

"محمد سبحان بیٹا ہم پاکستان جارہے ہیں۔ آپ بھی اپنی تیاری کرو۔" صوفیہ نے ایک بار پھر باہر قدم بڑھائے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک کر معاذ محمد سبحان سے مخاطب ہوئے۔

"ہم کہیں نہیں جارہے۔" وہ چلا کر بولی۔

"صوفی اب ضد نہ کرنا۔" معاذ مکمل استحقاق سے بولے۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔

"تو میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔" وہ شریر انداز میں سرگوشی کر گئے۔

"محمد سبحان آپ تیاری رکھو بیٹا' موم کی باتوں پر دھیان نہ دو میں اب ان کو سنبھال لوں گا۔" معاذ نے اس سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

"تم نے وہ گھر دیکھا' جہاں تم آئی تھی؟ تب سے آج تک اس کی حالت ویسی ہی ہے' ایک چیز بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہوئی' وہ مکان مکمل کھنڈر بن چکا ہے۔ سبحان اس گھر کی حالت جاننے کے شوق میں ہی مجھ تک پہنچا تھا۔" معاذ نے اسے بتایا۔ صوفیہ کو یاد آیا سبحان نے کسی گھر کا ذکر کیا تھا' لیکن تب اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

"مان جاؤ صوفی...... اپنے اور میرے اکیلے پن کو دور کردو...... میری زندگی میں واپس آجاؤ...... مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔" وہ ہاتھ جوڑے اس سے کہہ رہے تھے۔

"اوکے چلیں...... لیکن مجھے وقت چاہیے۔" یک دم وہ بولی۔

"سارا وقت تمہارا ہے' بس میری زندگی میں آجاؤ' سبحان کی ذمہ داری میں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں' اسے ایک مکمل گھر دیں گے' شجاع کے خواب اور تمہارے اس کے ساتھ کے گئے وعدے کو پورا کریں گے۔"

"تھینک یو۔" وہ دھیرے سے بولی تو معاذ نے یک دم اسے حصار میں لے لیا۔

"یہ تحفظ اب تاعمر قائم رہے گا۔" وہ دھیرے سے بولے۔

"اب میں دادی جان کے سامنے سرخرو ہوسکوں گا' اب خواب محبت کی روشنی سے منور ہوں گے۔" معاذ کی خوشی دیدنی تھی' برسوں کی تھکن پل بھر میں اتر چکی تھی' طویل انتظار وصل رت میں ڈھل چکی تھی۔

کھنڈر نما محبت کی نشانی کو ایک خوبصورت محل بنانے کی ذمہ داری غلام احمد کو سونپ کر معاذ ہاشم' صوفیہ اور محمد سبحان کے ہمراہ پاکستان روانہ ہوگئے تھے۔

"مون منزل" میں ان کا استقبال شاہانہ انداز میں کیا گیا تھا۔

"واہ بھئی واہ بیٹے کو تو جوان کرکے لائے ہو۔" محمد سبحان کو سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان دونوں کا خوب ریکارڈ بھی لگا۔ مون منزل ایک بار پھر جگمگانے لگی تھی۔

اب کہیں کوئی ضد نہ تھی
محبت تھی اور بہت ساری خوشیاں

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

نظر کی کمزوری

جسم کے محسوس کرنے والے اعضا میں سب سے اہم اور قیمتی چیز ہماری آنکھیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ہم دنیا کے دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں انہی آنکھوں سے ہر چیز کی پہچان ہوتی ہے پڑھتے لکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں اسی لیے ہمیں اپنی آنکھوں کی حفاظت ہر ممکن کرنی چاہیے۔

نظر کی کمزوری کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں عام کمزوری پر عینک کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے اس کے لیے آنکھوں کے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے بچوں کی آنکھیں کمزور ہوں تو چھوٹی عمر سے ہی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اگر کمزور نظری میں اوائل عمری سے عینک نہ لگائی جائے تو آنکھوں کی بینائی آہستہ آہستہ کمزور ہوتی جاتی ہے جسے بعد میں ٹھیک کرنا مشکل ہوجاتا ہے نظر کمزور ہو تو آنکھوں پر زور پڑتا ہے جس سے اکثر سر درد کی شکایت ہوجاتی ہے یہ شکایت بھی صحیح نمبر کی عینک لگانے سے دور ہوسکتی ہے پینتیس، چالیس سال کی عمر کے بعد زیادہ تر لوگوں کی قریب کی نظر کمزور ہوجاتی ہے جس سے سوئی میں دھاگہ ڈالنے یا باریک کام کرنے میں دقت ہوتی ہے یہ ایک عام بات ہے اور عمر کا تقاضہ ہے اس کے لیے بھی عینک لگائی جاتی ہے جسے صرف پڑھنے اور باریک کام کرنے کے لیے لگاتے ہیں بینائی کی کمزوری کی چند خطرناک وجوہات بھی ہوسکتی ہیں مثلاً کالا موتیا (Glavcoma) یا اندرونی پردے کا ہل جانا (Detached Retina) دونوں صورتیں خطرناک ہیں اس صورت حال میں جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے کیونکہ دیر کرنے سے بینائی کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا تدارک ناممکن ہے۔

نظر کی کمزوری

Asthenupia

وجوہات:۔

دماغی یا عصبی کمزوری کثرت دماغی محنت باریک بینی یا مختلف وٹامن کی کمی نظر پر برے اثرات ڈالتی ہے۔

علامات مرض:۔ (ClinicalFeactures)

تھوڑی دیر لکھنے یا پڑھنے سے یا کوئی اور نظر کا کام کرنے سے آنکھیں تھک جاتی ہیں اور ان کے سامنے اندھیرا سا آجاتا ہے کتاب وغیرہ پڑھتے ہوئے حروف گنجلک ہوجاتے ہیں آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگتا ہے۔

ضروری ہدایات:۔

اصل سبب کو رفع کریں زیادہ باریک بینی کا کام نہیں کرنا چاہیے آنکھوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے نیز وقتاً فوقتاً آرام دینا چاہیے صبح شام ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیں ہر روز غسل کریں صبح شام ہریالی کو دیکھنے اور گھاس پر ننگے پاؤں پھرنے سے بھی نظروں کو تراوٹ ملتی ہے غذا زود ہضم اور غذائیت سے بھرپور کھائیں مرچ مصالحہ اور چٹپٹی اشیا اور دیگر منشیات مثلاً تمباکو نوشی سے پرہیز لازمی ہے۔

نظر کا کم ہونا:۔ (Amblyopia) دھند غبار۔

اس مرض میں نظر رفتہ رفتہ کم ہوکر دھندلی ہوجاتی ہے اگر یہ مرض بڑھ جائے تو پھر زہاب **Amaurosis** ہوجاتا ہے (نظر چلی جاتی ہے)

اسباب مرض:۔ کثرت تمباکو نوشی خصوصاً کڑوا تمباکو، سیگا یا سگریٹ کا زیادہ پینا، کثرت شراب نوشی، کثرت چائے نوشی، سر پر چوٹ لگنا، جسم سے زیادہ خون نکل کر کمزوری ہوجانا ایام حمل میں مرض ہیلبیو می نوریا کا ہونا یا مڑں باؤ گولہ اور کبھی کونین کھانے سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے اور کبھی یہ مرض پیدائشی بھی ہوتا ہے۔

علامات مرض:۔

دونوں آنکھوں کی نظر آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگتی ہے اور تھوڑے عرصے میں بہت گھٹ جاتی ہے یہاں تک کہ مریض روزمرہ کے کام کرنے سے بھی عاری ہوجاتا ہے جو چیزیں آنکھ کی سیدھ میں ہوتی ہیں وہ دکھائی نہیں دیتیں اور دور کی چیزیں بھی دھندلی نظر آتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں، سبز اور سرخ رنگ کی شناخت نہیں ہوسکتی روشنی سے طبیعت گھبراتی ہے لیکن صبح شام جب یہ روشنی کم ہوتی ہے تو بے چینی کم ہوتی ہے سر میں درد ہوتا ہے نیند کم آتی ہے اور بھوک بھی کم لگتی ہے۔

نظر کا جاتے رہنا

(Amaurosis) اندھا پن

اسباب مرض:۔ اس مرض کے بھی وہی اسباب ہیں جو (Amblyopia) کے ہیں جیسے سر پر چوٹ لگنا دماغ میں رسولی یا پھوڑا یا تشکر ابھار یا جریان خون یا اجتماع رطوبت ہونا، عصبی خراش، وبائی خناق، سرخ بخار، سوزش گردہ، دردسر، عصبی کمزوری، پیٹ کے کیڑے تمباکو شراب نوشی، جسم میں بعض زہروں کا پھیلنا مثلاً بیلا ڈونا یا زہر کا ہونا عورتوں میں بندش حیض و ایام حمل وغیرہ۔

علامات مرض:۔

کبھی تو مرض رفتہ رفتہ اور کبھی بہت جلد ہوجاتا ہے نظر روز بروز کمزور ہوکر اور کبھی دفعتاً زائل ہوجاتی ہے مختلف قسم کی علامات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً کبھی نظر دھندلی ہوجاتی ہے کبھی ایک شے نصف دکھائی دیتی ہے۔ کبھی ایک چیز کی دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں کبھی مریض اپنے ہی لکھے کو نہیں پڑھ سکتا آنکھ دیکھنے میں بالکل صحیح سالم دکھائی دیتی ہے مگر میدان بصارت میں نقص یا زوال آجاتا ہے بینائی میں نقص کے باعث مریض کسی چیز کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا آنکھ کی پتلیاں پھیلی ہوئی یا ساقط ہوتی ہیں اندھیرے میں مریض کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اس لیے وہ اندھوں کی طرح چلتا ہے ہسٹریا وغیرہ اور کونین کے بکثرت استعمال کرنے سے یہ عارضہ ہوجاتا ہے کبھی یہ مرض پیدائشی بھی ہوتا ہے۔

علاج:۔

اصل سبب کو معلوم کرکے اسے دور کریں منشیات تمباکو، سگریٹ وغیرہ سے قطعی پرہیز کریں۔

چائنا:

جب مرض بوجہ اخراج خون یا بوجہ اخراج رطوبت زندگی وغیرہ سے پیدا ہو۔

ایسڈ فاس:۔

جسمانی کمزوری سے جب یہ مرض ہوجائے۔

نکس وامیکا:۔

جب شراب نوشی یا تمباکو نوشی کے باعث یہ عارضہ پیدا ہو۔

روٹا:۔

جب آنکھوں سے زیادہ کام لینے کے باعث یہ عارضہ ہوا ہو۔

نیٹو نائٹم:۔ جب باریک بینی کا کام کیا گیا ہو اور آنکھوں کے آگے رنگ دکھائی دیتے ہوں۔

ایکونائٹ:۔

موسم گرما میں سرد غسل کرنے سے یکایک اندھا پن ہوجانا۔

جلی میم:۔

یکایک نظر کا زائل ہوجانا۔

بیلا ڈونا:۔

چمکیلی اشیا کی چمک کے باعث نظر کا جاتے رہنا۔

فاسفورس:۔

نکس وامیکا کے بعد فاسفورس کا استعمال مفید ہوا کرتا ہے مریض کو مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں پڑھتے وقت حرف سرخ نظر آتے ہوں۔

ہیپر سلف:۔

موم بتی کی روشنی میں مریض ٹھیک طرح نہ دیکھ سکے، پڑھتے وقت نظر دھندلی پڑجائے روشنی سے ڈر لگے۔

اس کے علاوہ فیرم میٹ اور پلم بم ایٹ کم وغیرہ بھی اپنی اپنی علامات میں کام آتے ہیں۔

رتو ندا

اندھراتا (Hemeralopia)

اس مرض میں مریض کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ مرض درحقیقت ایماروسس کی ہی قسم ہے۔

اسباب مرض:۔

کبھی یہ مرض موروثی ہوتا ہے اور کبھی عام سی جسمانی کمزوری یا آنکھ پر تیز دھوپ کی شعاع پڑنا یا تھکن وغیرہ اس کے اسباب ہوتے ہیں غالباً ملیریا کا زہر بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔

علاج: مریض کو تیز دھوپ میں نہیں جانا چاہیے اور غذا مقوی کھانی چاہیے۔

کونیم اور نکس وامیکا کا استعمال اس میں مفید ہوا کرتا ہے۔

بیاضِ دل

میمونہ رومان

فیض محمد شیخ...... بھاگ ناڑی، بلوچستان
مرحبا کیا موسم فرحت فزا ہے عید کا
ہر طرف جشن مسرت ہورہا ہے عید کا
خاک نکلے دل کی حسرت جب نہ ہو تم سا حبیب
سچ ہے دل ہی خوش نہ ہو تو کیا مزہ ہے عید کا
ایمان عائشہ...... اسلام آباد
تحفہ دعاؤں کا تمہیں پہنچے میرا
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا گھیرا
مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا
طیبہ شیریں
درد اوروں کے بانٹ لینے کو
بزم ہستی میں عید کہتے ہیں
ریا ایمان...... تلمبہ
مصروف ہے خلق عید کی تیاریوں میں اور میں
محوِ فکر ہوں کہ سب سے ہنس کر ملنا ہوگا
حیا مغل...... اسلام آباد
عید حسین ہے یوں تیری ہمراہی میں
جیسے چودھویں کا چاند ہو رات کی سیاہی میں
مصباح خبیب...... کالا گوجراں جہلم
کس سمت سے آؤ گے عید پر اتنا تو بتا دو
میں آج سے ہی بچھا دوں اس راہ پر نگاہیں
ناہید اختر بلوچ...... ڈیرہ اسماعیل خان
ہجر کی ماری اِن آنکھوں کو اشکوں کی تمہید مبارک
جن آنکھوں میں تم بستے ہو اُن آنکھوں کو عید مبارک
ثمر فاطمہ...... وہاڑی
دل آرزو ہے کہ عید پہ تجھ سے گفتگو کروں
مگر یہ حسرت، حسرتوں کا شمار رہی
صباحت علی...... کراچی
تم آؤ جو اس عید پہ تحفہ کریں گے پیش
ہم تو مگر حسرت کے مجسمہ بنے رہے
کنول خان...... ہری پور ہزارہ
دیکھوں جو چاند سا چہرہ تیرا
عید سے پہلے میری عید ہو جائے
فضہ خان...... ہری پور ہزارہ
تیرے کہنے پہ لگائی ہے یہ مہندی میں نے
عید پہ اب نہ تو آیا تو قیامت ہوگی
سیدہ فرحین جعفری...... کراچی
خوشبو مہندی چوڑی آنچل سجنا سنورنا اور مسکان
جھلک دکھا کہ کردو عید کی ساری خوشیاں میرے نام
انابیہ رحمٰن...... ڈیرہ غازی خان
ہجر کے ماروں کا درد کا سامان بنے
شب کے آنچل میں چمکتا یہ عید کا چاند
صباحت رفیق چیمہ...... گوجرانوالہ
وصل خواہش، ہجر حاصل اُداس موسم درد کامل
عید کیا ہے شبرات کیا ہے، دن کیا ہے رات کیا ہے
عظمیٰ راجپوت...... شیخوپورہ
مل لیں گے ہم اپنے ہی گلے ڈال کر باہیں
اے بھولے ہوئے دوست تجھے عید مبارک
اجالا سحر...... این ایس آر عمر کوٹ سندھ
وہ جن کہ کاسۂ دل میں فقط درد مسلسل ہے
بتاؤ تو سہی، وہ عید کا مفہوم کیا جانیں
صفیہ گل...... سلانوالی
اک سکون مانگا ذرا اور وہ سناٹے ملے
اب دبے پاؤں تمہاری یاد بھی آتی نہیں
وہ ملتا ہے ابھی تک مسکرا کر ہی مگر!
اک گرہ جو پڑگئی ہے دل میں وہ جاتی نہیں
صباحت صباح...... آزاد کشمیر
اب ان دنوں میری غزل خوشبو کی اک تصویر ہے
ہر لفظ غنچے کی طرح کھل کر تیرا چہرہ ہوا
شاید اسے بھی لے گئے اچھے دنوں کے قافلے
اس باغ میں اک پھول تھا تیری طرح ہنستا ہوا
ظلِ ہما...... فیصل آباد
خود بھی اترا ہے آسمانوں سے
مجھ کو پستی میں ڈالنے کے لیے

خود بھی بدنام ہو گیا کوئی
مجھ پر تہمت اچھالنے کے لیے
ارم صبا.....تلہ گنگ

دیکھو کیسے دل پھیلا پھیلا کر ہاتھ
مانگ رہا ہے تم سے چاہت کی خیرات
میں جی لوں گا مجھ کو راس ہے تاریکی
سارے دن تم لے لو بس مجھ کو دے دو رات
جویریہ ضیاء.....کراچی

جذبات دوستی کے نہیں ہیں تو کیا ہوا
آپس میں میل جول کی راہیں کھلی رہیں
یہ سب سے اولین سیاسی اصول ہے
دل کے کواڑ بند ہوں بانہیں کھلی رہیں
ہالہ سلیم.....کراچی

میری پلکوں پر جمادی گرم صحراؤں کی دھوپ
اپنی آنکھوں کے لیے اس نے سمندر رکھ لیا
دید کی جھولی کہیں خالی نہ رہ جائے عدیم
ہم نے آنکھوں پہ تیرے جانے کا منظر رکھ لیا
سدرہ شاہین.....پیرووال

کسی کو کیا جو قدموں میں جبین بندگی رکھ دی
ہماری چیز تھی ہم نے جہاں چاہا وہاں رکھ دی
جو دل مانگا تو بولے ٹھہرو! یاد کرنے دو
ذرا سی چیز تھی ہم نے خدا جانے کہاں رکھ دی
آیت فاطمہ.....رحیم یارخان

کسی سے بولنا اور دیکھنا اچھا نہیں لگتا
تجھے دیکھا ہے جب سے دوسرا کوئی اچھا نہیں لگتا
تیرے چہرے پر جب سے اپنا عکس دیکھا ہے
میرے چہرے کو کوئی آئینہ اچھا نہیں لگتا
ماہم چوہدری.....گنگاپور

موسم موسم آنکھوں کو ایک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوسِ قزح کے رنگ تھے ساتوں اس کے چہرے پر
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا
عاصمہ.....بھلوال

رستے پر نہ بیٹھو کہ ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو ہر ایک ادا تنگ کرے گی
فیاض اسحاق.....سرگودھا

بے چین مزاجی کا سبب کچھ نہ تھا
سوچا تو بچھڑنے کا سبب کچھ نہ تھا
اس بخت زمانے میں تجھے لاکھ چاہیں
ہم نے تجھے تب چاہا جب تو کچھ بھی نہ تھا
حرمت رداا کرم.....ڈلوال

دل تھا کہ خوش خیال تجھے دیکھ کر ہوا
یہ شہر بے مثال تجھے دیکھ کر ہوا
طوقِ شب فراق تیری خیر ہو کہ دل
آمادۂ وصال تجھے دیکھ کر ہوا
پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

اپنی زلفوں میں اترتی ہوئی چاندی کو چھپا
میرے بکھرے ہوئے بالوں سے پریشان نہ ہو
دیکھ یوں درد نہ ہو مجھ کو لگا لے دل سے
تو میری روح کے اجالوں سے پریشان نہ ہو
سلمٰی خسرو.....شیش محل

زندگی کے دن کیسے بھی ہوں گزر جائیں گے
ایک دن ہم بھی چپکے سے مر جائیں گے
آج رہتے ہیں آپ کے دل میں یاد بن کر
کل آنسو بن کے آنکھوں سے بھی نکل جائیں گے
اقراء.....خانیوال

زندگی کے سب لمحے یادگار ہوتے ہیں
لوٹ کر نہیں آتے ایک بار ہوتے ہیں
خود پرست مت کہنا، خود پرستیاں کیسی
جو اصول رکھتے ہیں وضع دار ہوتے ہیں
عائشہ سلیم.....اورنگی کراچی

ہمارے لب پہ نہ اس کی زباں پر حرف کوئی
مگر نگاہوں میں لکھیں، حکایتیں تھیں بہت
اداس ہم تھے، تو وہ بے قرار کم تو نہ تھا
ہمارے پیار میں حامد صداقتیں تھیں بہت

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

پہلا انعام
سموسے سبزی بھرے

اجزاء:

مٹر	۲۵۰ گرام
آلو	۲۵۰ گرام
میدہ	۳۵۰ گرام
پیاز	ایک عدد
مرچ سبز	دو عدد
لہسن	آدھی گٹھی
ادرک	ایک ٹکڑا
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
گھی	حسب ضرورت
ہلدی	حسب ضرورت
سرخ مرچ	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

آلو چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیجیے اور مٹر کی پھلیوں سے دانے نکال لیجیے آلو اور مٹروں میں ہلدی' ادرک' لہسن' پیاز' سرخ مرچ' سبز مرچ اور سفید زیرہ پیس کر ڈال دیجیے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر پکنے دیجیے آدھے گل جائیں تو اتار کر رکھ دیجیے میدے میں پچاس ملی لیٹر گھی ملا کر اس کو پانی سے اچھی طرح گوندھ لیجیے ملائم ہونے پر اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر روٹی کی طرح بیل لیجیے روٹی کو درمیان سے دو ٹکڑے کر کے ایک حصے پر پکے ہوئے آلو مٹر رکھیے اور دوسرا حصہ اوپر رکھ کر کناروں کو انگلیوں کی مدد سے اچھی طرح دبائیں تاکہ تلتے وقت سموسہ کھل نہ جائے سموسے کی شکل تکونی ہونی چاہیے فرائی پین یا کڑاہی میں گھی گرم کیجیے اور اس میں سموسوں کو تل لیجیے۔ سموسے بادامی رنگ کے ہو جائیں تو نکال لیجیے سبزی بھرے لذیذ سموسے تیار ہیں۔

عائشہ پرویز صدیقی......کراچی

دوسرا انعام
اسپائسی کباب

اجزاء:

بون لیس چکن	آدھا کلو
آلو	آدھا کلو
انڈے بوائل	تین عدد
ٹماٹر	ایک عدد
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ پسی ہوئی	دو چمچ
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	4 عدد
ہرا دھنیا	باریک کٹا ہوا دو چمچ
انڈے فرائی کرنے کے لیے	دو عدد
آئل	ایک پیکٹ تلنے کے لیے
بریڈ کرم	
چیڈر چیز کش کی ہوئی	۲۰۰ گرام

(یاد ہے یہ میری اپنی ذاتی ریسیپی ہے اور بے انتہا ٹیسٹی ہے)

ترکیب:

چکن کے چھوٹے چھوٹے پیس کر کے تھوڑا سا پانی اور تھوڑا سا نمک ڈال کر بوائل ہونے کے لیے رکھ دیں' پانی اتنا ڈالیں کہ چکن گل کر ریشہ ریشہ ہو جائے اور پانی جذب ہو جائے ایک پتیلی میں آلو بوائل کر لیں' اور ٹھنڈے ہونے پر چھیل کر میش کر کے بوائلڈ چکن میں شامل کر دیں۔ اس آمیزے میں بوائل انڈے میش کر کے' ٹماٹر باریک کاٹ کر' پسی ہوئی ہری مرچ' کٹی ہوئی ہری مرچ' کالی مرچ پاؤڈر' دو چمچ آئل' ہرا دھنیا' سب ڈال کر اچھی طرح گوندھ لیں' اب اس آمیزے کو ۳۰ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں ۳۰ منٹ بعد اس کے گول گول پیڑے بنائیں چھوٹے سائز میں اور پیڑے کے بیچ میں تھوڑی سی کش کی ہوئی چیز ڈال کر اسے دونوں ہاتھوں کے درمیان دبا کر کباب کی شکل دے دیں۔ سب کباب اسی طرح ریڈی کر لیں۔ ایک کڑاہی میں آئل ڈال کر اچھی طرح گرم کر لیں اور درمیانی آنچ کر لیں اب ایک پلیٹ میں انڈہ پھینٹ لیں' اور ایک ایک کباب پہلے انڈے میں ڈپ کریں پھر بریڈ کرم لگائیں اور درمیانی آنچ پر آئل میں دونوں طرف سے فرائی کر لیں' گولڈن براؤن خستہ کباب تیار ہیں' کیچپ کے ساتھ بہت

مزہ دیں گے میرے بچوں کو بہت زیادہ پسند ہیں آپ بھی ٹرائی کر کے دیکھیں۔

ریحانہ اعجاز......کراچی

تیسرا انعام
ڈرائی فروٹ کیک

اجزاء:

میدہ	۲۰۰ گرام
مکھن	۲۰۰ گرام
چینی (باریک پیس کر چھان لیں)	۲۰۰ گرام
انڈے	۴ عدد
بیکنگ پاؤڈر	۲ ٹی اسپون
ڈرائی فروٹ مکس	ایک پیالی
مربے یا اشرفیاں	آدھی پیالی
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب:

سب سے انڈے ایک پیالے میں ہینڈ بیٹر یا الیکٹریک بیٹر کی مدد سے جھاگ بننے تک بیٹ کرلیں۔ پھر اس میں مکھن اور پسی چینی شامل کرکے اچھی طرح بیٹ کریں۔ میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو دو دفعہ چھان کر اس آمیزے میں آہستہ آہستہ شامل کرلیں۔ یہاں تک کہ آمیزہ اچھی طرح یکجان ہوجائے۔ پھر اس میں ونیلا ایسنس اور ڈرائی فروٹ، مربات شامل کرکے کیک کے سانچے (سانچے کو ذرا سا مکھن اور پھر میدہ ڈال کر گریس کرلیں) میں ڈال کر پہلے سے پری ہیٹ اوون میں ۱۸۰ ڈگری پر کیک ۳۰ منٹ کے لئے بیک کرلیجیے ٹینگو جیم کو ایک منٹ مائکروویو کرلیں کیک ٹھنڈا ہونے پر جیم لگا کر سارے ڈرائی فروٹ کیک پر سیٹ کردیں آپ کا مزیدار سا کیک ریڈی ہے عید پر آئے مہمانوں کی کیک سے تواضع کرکے خوب داد سمیٹیں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مہر چوہدری......نامعلوم

چاکلیٹ کیک

اشیاء:

تازہ دودھ	ایک پیالی
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا چمچہ
کوکو پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
چاکلیٹ	سو گرام
گھی	آدھی پیالی
میدہ	دو پیالی

ترکیب:

چینی اور گھی کو مکس کرکے اچھی طرح پھینٹ لیں، میدہ، چینی اور کوکو پاؤڈر کو چھان کر اچھی طرح ملا لیں، دودھ ملا کر اچھی طرح مکس کرکے مزید پندرہ منٹ تک پھینٹیں، چینی کے مکسچر میں میدے کا مکسچر تھوڑا تھوڑا کرکے ملائیں اور پھینٹتے جائیں، کیک کے سانچے کو آئلنگ کرکے اس میں مکسچر ڈالیں اور اوون میں چھ سے سات منٹ کے لیے بیک کریں۔

اریبہ منہاج......کراچی

میٹھی ٹکیاں

اشیاء:

میدہ	ایک پیالی
دودھ	ایک پیالی
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
تیل یا گھی	تین کھانے کے چمچے
سوجی	ایک پیالی (دودھ میں آدھے گھنٹے کے لیے بھگو دیں)
ناریل (پسا ہوا)	آدھی پیالی
چینی (پسی ہوئی)	ایک پیالی
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

میدہ میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر چھان لیں، بھیگی ہوئی سوجی میں میدہ، گھی، ناریل شامل کرکے گوندھیں، ضرورت ہو تو تھوڑا سا دودھ اور ملا لیں (ایک کپ کے علاوہ) تاکہ میدہ اچھی طرح گوندھا جا سکے آدھے گھنٹے بعد چھوٹے بسکٹ نما ٹکیاں بنا کر ڈیپ فرائی کرلیں۔ میدے کی ایک چوتھائی انچ موٹی سی روٹی بیل کر اپنی مرضی سے چوکور یا مثلث شکل میں بھی بنائی جا سکتی ہے۔

چکن بروسٹ

اشیاء:

چکن لیگ اور بریسٹ کے درمیانی سائز کے ٹکڑے	آدھا کلو
کارن فلور	چار کھانے کے چمچے

نمک آدھا چائے کا چمچ یا حسب پسند
انڈے تین عدد
کالی مرچ (پسی ہوئی) آدھا چائے کا چمچ
تیل تلنے کے لیے

ترکیب:
چکن کو صاف کر کے دھولیں اور نمک ڈال کر بیس منٹ تک ابالیں۔ اب یخنی میں سے چکن نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ انڈے میں کارن فلور، نمک، کالی مرچ ڈال کر پھینٹ لیں، اب چکن کو انڈے کے آمیزے میں اچھی طرح ڈپ کر کے ہلکی آنچ پر سنہری مائل ہونے تک ڈیپ فرائی کرلیں۔ فرنچ فرائز، مایونیز اور ہری مرچ والی دہی کے ساتھ چکن بروسٹ کھائیں اور شام کی چائے کا مزا لیں۔

ارم صابرہ..... تلہ گنگ

بادامی کھیر

اشیاء:
چاول ایک کلو
دودھ دو لیٹر
چینی ایک پیالی
بادام ایک پیالی
گری ایک چھوٹی پیالی کٹی ہوئی
پستہ آدھی پیالی

ترکیب:
چاولوں کو دھو کر سکھالیں، پھر اسے پیس لیں، چاولوں کو دودھ میں شامل کر کے ابال دیں پھر اس میں چینی، بادام، گری اور پستہ ڈال لیں۔ آدھا گھنٹہ تک کھیر کو پکائیں۔ جب کھیر نرم اور گاڑھی ہوجائے تو اسے اتارلیں۔ ڈونگے میں ڈال کر اسے فریج میں رکھیں اور مزے سے کھائیں۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

ربڑی حلوہ

اشیاء:
سوجی ایک کلو
چینی ایک کلو
گھی آدھا کلو
گری میوہ آدھا پاؤ
بادام پانچ چھ گری

ترکیب:
سوجی کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ ایک کڑاہی لیں اس میں گھی اور چینی ڈالیں اور چمچ مسلسل ہلاتے جائیں۔ جب چینی مناسب سرخ ہوجائے تو اس میں سوجی ڈال دیں اور چمچ مسلسل ہلائیں۔ سوجی سے گھی علیحدہ ہوجائے تو اس میں گری میوہ اور بادام ڈال دیں اور تھوڑا سا علیحدہ رکھ لیں۔ کڑاہی کو چولہے سے نیچے اتارلیں اور ٹرے میں حلوہ ڈالیں اس کے اوپر گری میوہ اور بادام ڈالیں اور خوب صورت طریقے سے سجاوٹ کریں۔ لیجیے ربڑی حلوہ تیار ہے۔ ضرور آزمائیں۔

تانیہ..... مانسہرہ

مینگو آئس کریم

اشیاء:
بڑے آم آدھا کلو
دودھ دو لیٹر
بالائی آدھا پاؤ
چینی 180 گرام
مکھن تین اونس
کسٹرڈ پاؤڈر چار کھانے کے چمچ

ترکیب:
کھلے منہ کی دیگچی میں دودھ ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ یہ ڈیڑھ لیٹر رہ جائے۔ اب اس میں چینی ڈال دیں اور ٹھنڈا ہونے دیں، جب حرارت کم ہوجائے تو اس میں کسٹرڈ اچھی طرح گھول دیں۔ اس کے بعد چولہے سے اتار دیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ آم کے گودے کے باریک ٹکڑے کرلیں اور گودے کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ جب کسٹرڈ ٹھنڈا ہوجائے تو گودا اور بالائی اس میں شامل کردیں اور خوب زور سے پھینٹیں۔ اس آمیزے کو فریزر میں رکھ کر جمالیں۔ مینگو آئس کریم تیار ہے۔

طلعت نظامی..... کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

لیموں اور دودھ

لیموں کے رس کو دودھ میں ملا کر خشک اور کھردری جلد پر لگایا جائے تو جلد نرم وملائم اور تر وتازہ ہوجاتی ہے۔

چہرے کی خشکی دور کرنے کے لیے زیتون کا تیل، لیموں کا رس اور عرق گلاب ملا کر لگانے سے چہرے کی خشکی ختم ہوجاتی ہے۔

چہرے کو صاف رکھنے کے لیے تازہ دودھ سے چہرے کو دھوئیں اس سے داغ دھبے صاف ہوجائیں گے۔

کھیرے اور لیموں کا رس ملا کر لگانے سے چہرے پر چھائیاں نہیں پڑتی اور چہرہ بارونق نظر آتا ہے۔

باجرے کا آٹا، پنیر اور ٹماٹروں کا جوس ملا کر چہرے پر لگائیں اور بیس منٹ تک لگا رہنے دیں پھر ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں اس سے چہرے کے داغ دھبے دور ہوجائیں گے اور رنگت بھی نکھر جائے گی۔

بلیک ہیڈز ختم کرنے کا نسخہ

لیموں کا رس، لال انگوروں کا رس اور ایک آلو کدوکش کرکے مکس کرلیں یہ پیسٹ پندرہ سے بیس منٹ کے لیے چہرے پر لگائیں اور پھر چہرہ دھولیں، اس ماسک کے استعمال سے وائٹ اور بلیک ہیڈز دونوں ختم ہوجائیں گے اور رنگت میں بھی نکھار پیدا ہوگا۔

چہرے کی رنگت گورا کرنے کے ٹوٹکے

دو سے تین قطرے لیموں کا رس، دو چائے کے چمچ دودھ اور ایک چائے کا چمچ بیسن ملا کر پیسٹ بنالیں، یہ پیسٹ چہرے پر پندرہ منٹ تک کے لیے لگائیں اور پھر منہ دھولیں، یہ ٹوٹکا ہفتے میں ایک بار استعمال کریں، چار ہفتے استعمال کے بعد رنگت میں واضح نکھار نظر آئے گا۔

ایک چائے کا چمچ شہد، ایک چائے کا چمچ لیموں کا رس، ایک چمچ ملک پاؤڈر اور ایک چمچ بادام کا تیل مکس کرکے پیسٹ بنالیں، یہ پیسٹ چہرے پر لگائیں اور پندرہ سے بیس منٹ تک لگا رہنے دیں، پھر چہرہ صاف پانی سے دھولیں، اس سے نہ صرف رنگت میں واضح نکھار آئے گا بلکہ جلد میں چمک بھی محسوس ہوگی اور داغ دھبے بھی صاف ہوجائیں گے۔

پانی میں لیموں کا رس اور نمک ملا کر غسل کرنے سے جلد کا رنگ نکھر جاتا ہے۔

کاغذی لیموں کے ٹکڑے جس سے رس نچوڑ لیا گیا ہو چہرے پر روزانہ ملیں رنگ صاف ہوجائے گا۔

چہرے پر خالص دودھ کی بالائی ملنے سے چہرے پر نکھار آجاتا ہے۔ گرمیوں میں خالص اور ٹھنڈی بالائی روزانہ لگائیں۔

دودھ میں جو اور گیہوں کا آٹا ملا کر ابٹن بنالیں اور اسے چہرے پر ملیں چند دنوں میں نمایاں فرق محسوس ہوگا۔

ہاتھوں کی خوبصورتی آپ کے ہاتھ میں

خوبصورت ہاتھ کس کی خواہش نہیں ہوتے، تمام خواتین چاہتی ہیں کہ ان کے ہاتھوں کی جلد نرم وملائم اور قدرتی رنگت نکھری ہوئی ہو، ہاتھوں کو خوبصورت بنانے کے لیے چہرے کی طرح ہاتھوں سے بھی مردہ جلد کو صاف کرنا نہایت ضروری ہے۔

سمندری نمک اور لیموں کا رس لے کر اچھی طرح مکس کریں۔ ہینڈ برش کو اس محلول میں ڈبوئیں اور نرمی سے ہاتھ پر رگڑیں۔ ہفتے میں صرف دو مرتبہ اس ٹوٹکے کا استعمال ہاتھوں کی جلد کی چمک کو بحال کردے گا۔ ہینڈ برش کی عدم دستیابی کی صورت میں پرانا ٹوتھ برش استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بیسن میں عرق گلاب مکس کرکے آپ ہاتھوں پر اپلائی کرسکتے ہیں اور اگر اس میں لیموں کے چند قطرے بھی شامل کردیں تو دھوپ سے متاثرہ رنگت بھی ٹھیک ہوجائے گی۔

انڈے کی سفیدی ایک عدد، پھٹکری ایک چٹکی اور سفید موم اور بادام کا تیل آدھی پیالی مکس کرکے کسی بوتل میں محفوظ کرلیں، اس مرکب کو روزانہ ہاتھوں پر مساج کے لیے استعمال کریں۔ چند ہی دنوں نے ہاتھوں کی جلد نرم وملائم ہوجائے گی۔

رنگ گورا کرنے کے قدرتی نسخے

ایک چائے کا چمچ ملک پاؤڈر، ایک چمچ شہد، ایک چائے کا چمچ لیموں کا رس اور آدھا چائے کا چمچ بادام کا تیل مکس کرلیں، اس کا پیسٹ بنا کر چہرے پر لگائیں اور دس سے پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں پھر سادہ پانی سے منہ دھولیں، اس سے آپ کے چہرے پر چمک آجائے گی، یہ داغ دھبے صاف کرنے کے ساتھ ساتھ رنگت نکھارنے کے لیے بھی موثر ہے۔

ایک چائے کا چمچ بیسن، دو چمچ دودھ اور دو سے تین قطرے لیموں کا رس ڈال کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں۔ چار ہفتوں تک اس کے روزانہ استعمال سے آپ کی رنگت گوری اور چہرہ صاف ہوجائے گا۔

بالوں کی خوبصورتی کے لیے بنیادی ٹپس

بالوں کو خوبصورت اور صحت مند بنانے کے لیے کنڈیشنر کا

استعمال ضروری ہے۔ بیشتر خواتین بالوں پر کنڈیشننگ پراڈکٹ استعمال نہیں کرتی اور عموماً تاثر یہ ملتا ہے کہ کنڈیشنر سے بال مزید خراب ہو کر گرنے لگتے ہیں اور چکنائی زدہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کنڈیشنر کا ضرورت سے زیادہ استعمال بالوں کو متاثر کرتا ہے تاہم بالوں کی چکنائی کی وجوہات اور ہوتی ہیں۔ آپ کے بالوں کو ہمہ وقت موسچرائزنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا بال شیمپو کرنے کے بعد انہیں کنڈیشنر کرنا نہ بھولیں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ شیمپو اور کنڈیشنر زیادہ سے زیادہ ہفتے میں دو بار استعمال کریں۔ کسی بھی چیز کا حد سے بڑھا ہوا استعمال منفی اثرات مرتب کرسکتا ہے۔

بالوں کی حسن وخوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لیے باقاعدگی سے برش کرنا بھی بے حد ضروری ہے اور خاص طور پر بال شیمپو کرنے سے پہلے برش کرنا سر کی جلد میں دوران خون میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ دن میں کم از کم دو بار برش کرنے سے سر کی جلد پر خشکی کے چھلکے نہیں جمتے اور بالوں پر استعمال کی گئی اسٹائلنگ پراڈکٹس کے اثرات بھی زائل ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ برش کرتے وقت آپ کے بال مکمل طور پر خشک ہوں۔ گیلے بال چونکہ نرم ہوتے ہیں اس لیے فوراً ٹوٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا پہلے بالوں کو خشک کریں اور پھر برش کریں۔ بالوں کو تیز دھوپ سے بھی بچائیں اور انہیں دھونے کے لیے تیز گرم پانی استعمال کرنے سے گریز کریں۔

گلیٹر آئی میک اپ

اگر آئی میک اپ ٹرینڈز کی بات کی جائے تو آج کل گلیٹر آئی میک اپ خواتین میں کثرت سے مقبول نظر آتا ہے' اکثر خواتین فل گلیٹر آئی شیڈ اور کچھ محض لائنر کی جگہ پر آنکھوں کی چمک بڑھانے کے لیے گلیٹر کے استعمال کو ترجیح دیتی ہیں۔ گلیٹر آئی میک اپ صرف ایک رنگ کی ہی افشاں تک محدود نہیں بلکہ دوران میک اپ ایک سے زیادہ رنگوں کی افشاں استعمال کی جاسکتی ہے۔ مختلف رنگوں کے ساتھ سلیقے سے کیا گیا آئی میک اپ آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ سلور، پنک اور پرپل رنگوں سے مزین آئی میک اپ ایک منفرد اور خوبصورت انداز فراہم کرنے کے لیے بہترین ہے۔

گلیٹر کے استعمال کے بارے میں اکثر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اگر گلیٹر میک اپ کرنا ہے تو فل گلیٹر آئی میک ہی کیا جائے' بعض اوقات ہلکے سے گلیٹر کا انتخاب بھی ایک نئے ٹرینڈ کو جنم دے دیتا ہے' ڈارک آئی میک کی اوپری سطح پر گلیٹر لائنر کی باریک سی لائن لگادی جاتی ہے جو آنکھوں کو ایک نیا لک دینے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح گلیٹر آئی میک اپ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھڑکتا اور بولڈ گلیٹر شیڈز کے ساتھ کیا گیا ہو۔ گلیٹر آئی میک اپ کے لیے تمام رنگوں کا استعمال بخوبی انداز میں کیا جاتا ہے تاہم گولڈن گلیٹر کو منفرد انداز کے باعث خواتین میں خاصی پزیرائی حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا انتخاب ہے جسے اگر لان یا کاٹن کے سوٹ کے ساتھ بھی لگایا جائے تو یہ آپ کی تیاری میں شاہانہ انداز کی جھلک پیدا کردیتا ہے۔ اسی طرح پارٹی میک اپ کے لیے اگر کوپر اور بیس آئی شیڈ کلر کے ہمراہ گولڈن گلیٹر کی کم مقدار بھی استعمال کی جائے تو یہ آپ کی آنکھوں کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دے گا۔

سن اسکرین کا استعمال' فوائد اور احتیاط

موسم ابر آلود ہو یا چلچلاتی دھوپ' ماہرین ہر طرح کے موسم میں سن اسکرین کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں' سن اسکرین سورج کی براہ راست الٹراوائلٹ شعاعوں سے جلد کو محفوظ رکھتا ہے' یہ شعاعیں جلد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ الٹراوائلٹ شعاعیں جلد کے کینسر کے خطرات کو بڑھا دیتی ہیں۔ سن اسکرین کا استعمال کینسر کے خطرات کو کافی حد تک کم کردیتا ہے۔ مستقل دھوپ میں رہنے سے جلد پر جھریاں نمودار ہوسکتی ہیں۔ سن اسکرین جلد کو جھریوں سے محفوظ رکھ کر قبل از وقت بوڑھا ہونے سے بچاتا ہے۔ اس میں موجود پروٹین' کیراٹن اور ایلاسٹن جلد کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ پروٹین جلد کو نرم وملائم اور صحت مند بنانے کے لیے اہم ہیں۔ یہ چہرے کی رنگت کو دھوپ سے متاثر ہونے سے بچانے کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورج کی شعاعوں سے اسکن ٹون تبدیل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات جلد پر براؤن دھبے پڑ جاتے ہیں۔ جلد کو ان مسائل سے بچانے کے لیے سن اسکرین کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ تاہم ان تمام تر فوائد کے باوجود احتیاط لازم ہے۔ کسی بھی چیز کی کثرت نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے' سن اسکرین کا بھی زائد مقدار میں استعمال وٹامن ڈی کی کمی' پٹھوں کی کمزوری اور ہڈیوں کے فریکچر کا سبب بن سکتا ہے۔ ٹورو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے اسسٹنٹ پروفیسر کے مطابق سن اسکرین کا استعمال جسم کی وٹامن ڈی بنانے کی صلاحیت کو ختم کردیتا ہے۔ جسم کے بیشتر نظام مثلاً خلیوں کی نشوونما اور قوت مدافعت کے لیے وٹامن ڈی کا کردار اہم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہفتے میں دو بار کم از کم بیس منٹ سورج کی روشنی میں گزارنے سے وٹامن ڈی کی مقدار کے اضافے یا اس کو برقرار رکھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

نیرنگ خیال

ایمان وقار

نیرنگ خیال

ہر رت میں انداز جدا ہے
ہر عید پہ کہتی ندا ہے
بادِ صبا کا رخ جو ہے
دل کی فصل پہ ہر بار جدا ہے
عید پہ دل منتظر کسی کا
کہیں اداسی، کہیں خوشی کا گہوارہ ہے
کس کی ہنسی، عید کی دلکشی لگی
تہوار عید کسی کے رونے سے ادھورا ہے
کہیں دل باغی، کہیں اعتبار کی لڑی ہے
ہر سو عید کا جداگانہ نظارہ ہے

(نرمین سرجیو..... حیدرآباد)

میکے عید

اے ماں......
میری پیاری ماں
مجھے اب بھی تیری یاد آتی ہے
جب آتی ہے تو خون کے آنسو رلاتی ہے
تم جس وقت مجھ سے جدا ہوئی
اس وقت ہر سمت عید کی خوشی چھائی تھی
اے میری پیاری ماں
تم ایسے دیس گئیں کہ پلٹ کر بھی نہ آئیں
اب پھر عید آ رہی ہے
میری جان جا رہی ہے
پتہ ہے ماں......
میری ہم جولیوں کی عیدی میکے سے آتی ہے
اور میری نہیں آتی
سب مجھ سے سوال کرتی ہے
تیرے میکے سے عیدی نہیں آتی؟
اب تم ہی بتاؤ ماں ان کو کیا کہوں
کہ عیدی ان بیٹیوں کی آتی ہے
جن کی زندہ ماں ہوتی ہے
نجم انجم کی مادر منوں مٹی میں جا سوئی
حسرت دل، دل میں ہی رہ جاتی ہے
دوستو......
جس عید میں ماں کی دید نہیں
وہ کسی کام کی عید نہیں

(نجم انجم اعوان..... کراچی)

غزل

بچپن کی تصویر کو دیکھ کر روئی ہوں
نینوں سے میں نیر بہا کر روئی ہوں
میرے عشق کا صدمہ کتنا گہرا تھا
ہر اک کو میں حال سنا کر روئی ہوں
صحراؤں میں سسی بن کر آئی تھی
پنوں کے کچھ خواب سنا کر روئی ہوں
کتنا ظلم کیا ہے مجھ پر حاکم نے
عدل کی زنجیر ہلا کر روئی ہوں
کل سب لوٹ کر اس نے آنا گھر کو تھا
کمرے میں کچھ پھول سجا کر روئی ہوں
گھر لوٹ کر آنے کا تو اک بہانہ تھا
گھر کا ہر اک دیپ بجھا کر روئی ہوں

(فریدہ فری..... لاہور)

"عید کا دن"

نہیں ہو گی
اس عید پر بھی
وہ چوڑی
کی کھنک
وہ پازیب کی چھن چھن
یہ عید بھی
گزر جائے گی

تیرے بن
میرے ہمدم
دعا ہے یہ دلی میری
تیرا ہر دن عید کی مانند
گزرے میرے ہمدم
(آمنہ طارق.....کوٹ سارنگ)

یادیں
میں جب بھی ماضی میں جھانکتی ہوں
تو تیری یادیں ہمیشہ کھلی بانہوں سے میرا سواگت کرتی ہیں
مگر میں جونہی قدم واپسی کے لیے اٹھاتی ہوں
تیرے وصل کی ننھی ننھی یادیں میری انگلی تھام لیتی ہیں
اور میں ان کے سنگ چلتے چلتے تیری یادوں کی وسیع دنیا
تک پہنچ جاتی ہوں......
جہاں کی فضاؤں میں تیرے لہجے کی کھنک گونجتی ہے
جہاں کے پھولوں میں تمہاری خوشبو رقص کرتی ہے
جہاں پنچھی تیرے ہی گیت گاتے ہیں......
جہاں موسم سہانا ہے جہاں پر کوئی دیوانہ ہے......
مگر میں جونہی گھر کو لوٹتی ہوں
تیرے ہجر کی کالی لمبی راتیں ملتی ہیں
اور تیری یادوں کی کرچیاں میرے پیروں میں چبھتی ہیں
اور ہر طرف چار سو میرے درد و غم کی چیخ و پکار
میرے کانوں سے ٹکراتی ہیں جو تڑپ تڑپ کے کہتی ہیں
اب کی بار آئے تو......
اسے یادیں لوٹا دینا
اسے یادیں لوٹا دینا۔
(تمنا بلوچ.....ڈی آئی خان)

عید آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ بن تیرے بہت سی عیدیں گزری ہیں
اس عید پہ ہی آ کے مل جاؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ تنہا ہے کوئی عید کے دن بھی
آ کے اس تنہائی کو مٹا جاؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ بے چین و بے قرار ہے کوئی عید کے دن
آ کے اس بے چین و بے قراری کو قرار دو سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ حسرتوں میں ہے کوئی عید کے دن بھی
آ کے ان حسرتوں کو مٹا جاؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ حسرتوں میں ہے کوئی عید کے دن بھی
آ کے ان حسرتوں کو مٹا جاؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ اس سے پہلے زندگی کی شام ہو جائے
ان رکتی سانسوں میں زندگی کی تمنا جگا جاؤ سنا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آؤ نور العین سنا ہے عید آئی ہے
(لاریب نشال گھرل.....اوکاڑہ)

چلو اس بار کچھ نیا کرتے ہیں
بہار رنگوں کی، نگاہ شوخیوں کی
فضا اشتہا انگیز خوشبوؤں کی
مہک مہندی کی کھنک چوڑیوں کی
چہک خوشیوں اور مستیوں کی
لو آ گیا پھر سے دن پیار و محبت اور ایثار کا
موقع پھر سے مال و دولت سے نفرت و بغض کے نثار کا
لو آ گیا دن سنت ابراہیمی دہرانے کا
لو آ گیا دن رب کے حضور پیش کرنے نذرانے کا
چلو اس بار کچھ نیا کرتے ہیں
بے رنگ، بے حال، مجبور زندگیوں میں رنگ بھرتے ہیں
پھٹے پرانے کپڑے، مٹی میں اٹے چہرے اور بال
رب کی رحمت جن کے لیے بن جاتی ہے وبال
چلو اپنی التجاؤں میں انہیں بھی شامل دعا کرتے ہیں
بے حالوں کو بھی اس بار شامل حال کرتے ہیں
اٹھ گئے جن کے سروں سے شفقت کے سائے
کڑے وقت میں ہوئے جن کے اپنے بھی پرائے
چلو انہیں بھی شریک حساب کرتے ہیں
شکر اس رب کائنات کا بے شمار کرتے ہیں
سونے ہو گئے جن کے آنگن، بجھ گئے جن کی امید کے دیئے
نذر ہو گئے جو فتنوں کے قربان ہو گئے لخت جگر وطن کے لیے

چلو ان کے لیے باعث خوشی بنتے ہیں
چلو ان کے لیے باعث راحت بنتے ہیں
جو کرتے نہیں اپنا حال زار زباں سے بیاں
جن کا احوال ہوتا ہے ان کے چہروں سے عیاں
ان کی خودداری کا بھرم رکھتے ہیں
اندھیروں میں چراغاں کرتے ہیں
جن کے امتی ہیں، ہم ان کا پیغام عام کرتے ہیں
ماضی کی طرح قائم ایثار کیا رکھ نئی مثال کرتے ہیں
چلو وعدہ نہیں کوشش کرتے ہیں
جگنو کو بھی دعاؤں میں یاد کرتے ہیں
(جگنو چوہدری...... سیالکوٹ)

میری عید

تیری قربت میں
گزرے ہوئے
لمحوں کی قسم
تیری دید ہی
میری عید ہے
میری عید ہی
تیری دید ہی ہے
(مدیحہ نورین مہک...... برنالی)

عید

مجھے......
بہت سے لوگ کہتے
ہیں
عید تو
عید ہوتی ہے......
اس کی خوشی
تو سب کو عزیز ہوتی ہے
مجھے ان سے یہ
کہنا ہے
کیا
عید اس ماں کی
بھی ہوتی ہے
جس کے بچے عید کے روز......
عیدی کے لیے
ترسے ہوں......
کیا
عید اس بوڑھے باپ
کی بھی ہوتی ہے
جس کی آنکھیں
اولاد کی جھلک دیکھنے
کو ترسی ہوں
جس کے پاس
غربت کا لباس
اور کاندھے پر
بیماری کا
رومال ہو
جس کے زخموں پہ بیٹے
مرہم کی بجائے
نمک چھڑکیں......
مجھے سب سے
یہ کہنا ہے
عید تو
ان کی ہوتی ہے
جن کے ہاتھ میں
خوشی کی لکیر ہوتی ہے
(انیلا طالب...... ضلع گجرانوالہ)

وہ کون تھا

وہ کون تھا
نہ جس کو دل سے بھلا سکا
خود کھو گیا اسے ڈھونڈتے
جسے چاہا پھر بھی نہ پا سکا
جانے کھو گیا وہ کس جگہ
اسے ڈھونڈوں میں کس طرح

نہ آس ہے نہ امید ہے
جیوں اس بنا بھلا کس طرح
وہ لوٹ آئے گا کیسے
نہ کوئی قول تھا نہ قرار تھا
اسے کہہ سکا نہ میں حال دل
نہ بات اس کی میں سن سکا
کیا نام ہے کیا شہر ہے
نہ سن سکا نہ سنا سکا

(عنایت اللہ راحل..... موچھ)

غم کے سائے

غم کے سائے گر ڈھل جاتے
ممکن تھا کہ سنبھل جاتے
تم جو بدلے تو خیال آیا
کاش کہ ہم بھی بدل جاتے
شام غم پھیلی تھی چار سو
تم جو آتے تو نہیں جاتے
صد شکر امیدوں نے دم توڑا
وگر نہ خواب ہمیں نگل جاتے
وقت رخصت کچھ نہیں تو
چند آنسو ہی پلکوں پہ مچل جاتے

(منزہ یونس..... حافظ آباد)

نظم

رات کی تاریکی میں
تنہا بیٹھ کر
میں تارے نہیں
گنتی
انم
بلکہ
میرا چاند
نجانے کہاں
کھو گیا ہے
مجھ سے
وہ تلاش کرتی ہوں

(انم..... برنالی)

نظم

عید آئے، چاہے شب رات آئے، مگر تنہا چھوڑ کر جانے والے بھلا کب
لوٹ کر آتے ہیں
یہ کیسا جان لیوا انتظار کیوں ہوتا ہے
غم تازہ ہونے لگتے ہیں، اذیت سی ہونے لگتی ہے
سنو عید پر ہی جانے کیوں ہر وہ گزرا منظر جو تمہارے سنگ گزرا
یاد آنے لگتا ہے، تمہاری یادیں ڈسنے لگتی ہیں آج بھی تم یاد آئے تو بے حساب آئے
لیکن چھوڑ کر جانے والے اگر اب تم معافی مانگو تو میرے کسی کام کی نہیں
تم نے جب میرا مان توڑا، یقین کو ٹھیس دی، جو بھروسہ تھا وہ ٹوٹا
تو اتنا دکھ نہیں ہوا مجھے، مگر تم میری بے بسی پر ہنسے
سنو جب تم نے تنہا چھوڑا میرا دل توڑا اک ذرا سی بات پر
اندر ہی اندر ریزہ ہوگئی، بکھر گئی خشک پتوں کی طرح
جب تمہارا جھوٹ، فریب میرے سامنے آیا، تم کیا جانو مجھ پر کیا بیتی
درد دینے والے یہ تم نے کیسی سزا دی مجھے
عمر بھر کی مجھ کو، کیوں عیب نکالے تم نے مجھ میں، جو عیب مجھ میں نہیں تھے
اتنا تو بتا دو کیا قصور تھا میرا
کیا یہی قصور تھا میرا، تم کو اپنا بنایا زمانے کو ٹھکرا کر ان کا دل دکھایا
تمہاری پوجا کی، دل کی اونچی مسند پہ بٹھایا تھا
بہنوں کے دل دکھائے اک تمہاری خاطر
اب تم ہی بتاؤ کیا کہوں، کیا جواب دوں، میں زمانے والوں کو

اب ان سے کیسے سامنا کروں، اشک بہتے ہیں
میرے تنہائی میں
تاکہ تم پر کوئی الزام نا آئے
تم تو تم اپنے بھی غیر مجھے ٹوٹتا، بکھرتا دیکھنا چاہتے
ہیں، انہیں کوئی بتائے کہ
درد، دینے والے تیرے دیئے درد نے مجھ کو اب
مضبوط بنادیا ہے
غم، سہتے سہتے آنکھوں سے آنسو خشک ہوگئے
تم نے مجھے ڈسا ہی یوں خبر تک نہ ہوسکی
اب جیا نہیں جاتا تو مرا بھی نہیں جاتا
اک بار ہی بتادو صرف کیوں تم نے ایسا کیا، اب خود کو
برباد نہیں کرنا
سنو اس عید پر تم کو اب یاد نہیں کرنا، اب کوئی حساب
نہیں کرنا، شمار نہیں کرنا، اب خاموشی سے
غموں کی کتاب اس عید پر بند کردوں گی عاصی
اور بات چھوڑ دی ہے روز محشر پہ وہیں حساب ہوگا،
وہیں تم سے اب پر ہر سوال ہوگا
پھر انتظار کیسا، یہاں پہلے تیرے بن گزارے ہیں
روز شب عید کے اس عید پر آخری بار درد کو گلے لگا کر
خوب رولیں گے؟
پر تمہیں اب یاد نہیں کرنا، خود کو میں نے برباد نہیں کرنا
(عاصمہ اقبال عاصی ...... عارف والا)

اے چاند
جب وہ تیری طرف دیکھیں
تو انہیں کچھ یاد دلانا
مدھر سے کچھ گیت سنانا
اور کہنا......
تمہیں کوئی یاد کرتا ہے
تیری آرزو تیری امید کرتا ہے
کوئی آج بھی تمہیں دیکھ کر عید کرتا ہے
(ثوبیہ سحر...... بستی ملوک)

آبشاریں
آبشاریں بنتی ہیں
تتلیاں اڑتی ہیں
بجلیاں کڑکتی ہیں
پھول کھلتے ہیں
موسم بدلتے ہیں
بادل گرجتے ہیں
تارے نکلتے ہیں
دل دھڑکتے ہیں
مناظر لہکتے مہکتے ہیں
لوگ مچلتے ہیں
رنگ خوشبوئیں اڑاتے ہیں
ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آتے ہیں
دریا شور مچاتے ہیں
درخت لہلہاتے ہیں
پرندے گنگناتے ہیں
ساون دن اجلے کرتے ہیں
آسمان صاف صاف لگتے ہیں
بارشیں ہریالی لاتی ہیں
ندیاں بھی خوشی سے لہراتی ہیں
لیکن ہمیں ان سب سے کیا بھلا
ہمیں امتحانوں سے فرصت ملے تو ہم بھی کچھ لطف
اٹھائیں۔
(سلمان یوسف سمیجہ...... علی پور)

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آنچل فیملی کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ ابو جی کی وفات کے بعد آج آنچل میں لکھ رہی ہوں بلکہ کوشش کی ہے لکھنے کی۔ آپ سب بہنوں کی دعاؤں وخلوص کا جواب دینے کی کہ مشکل گھڑی میں جس طرح آپ سب نے میرا ساتھ دیا مجھے اور میری فیملی کو دعاؤں میں یاد رکھا بے شک میں آپ سب کی محبتوں کی مقروض ہوں۔ ابو جی کی اچانک وفات اور پھر آنے والی مشکلات نے ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کر دیا تھا سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا لکھوں، کس طرح آپ سب کو مخاطب کروں، دل تو ابھی تک بے یقین ہے کہ ابو ہم میں نہیں رہے اور ہم ابو کے بغیر جی رہے ہیں آٹھ ماہ ہو گئے ہیں مگر زندگی وہیں کی وہیں رکی ہے آہ۔ پچھلے ماہ مدیحہ کرن کے خط نے رلا دیا پھر ایک بادشاہ اپنی شہزادیوں کو ظالم دنیا کے حوالے کر کے چلا گیا، مگر یہ اللہ کا قانون ہے، موت برحق ہے۔ ہمیں ہی صبر کرنا ہے اور زندگی کو جیسے تیسے گزارنا پڑتا ہے اللہ پاک ہمارے والد صاحب کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ دوست کا پیغام میں آپ سب کے سلام ودعا کا شکریہ۔ میں آپ سب سے کہنا چاہوں گی جب ہم آنچل فیملی میں شامل ہو جاتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں رہتے ہمارے درمیان خود بخود ایک اپنائیت بھرا تعلق بن جاتا ہے، اسا گل مغل، تبسم بشیر، اقرا رشید وسمیرا فردوس، صفیہ مہر، فائزہ بھٹی، رقیہ ناز، آپ سب اور دیگر بہنیں میری دعاؤں میں شامل ہیں ہمیشہ خوش رہیں۔

(دلکش مریم......چنیوٹ)

کوثر ناز ودوستوں کے نام

السلام علیکم۔ عزیزی کوثر ناز آپ کو ڈھیروں ڈھیر مبارک باد آنچل میں ناول منتخب ہونے پر، خدا پاک کی پاک ذات اس جیسی ہزاروں کامیابیوں کو آپ کا مقدر کر دے آمین۔ ایک بار پھر آنچل کے توسط سے اتنا پیارا ناول گفٹ کرنے پر آپ کا بے حد شکریہ۔ پیاری دوست آپ کی بے لوث چاہتوں کی مقروض ہوں، سدا شاد و آباد رہو آمین۔ فائزہ بھٹی پیاری یاد رکھنے اور دعاؤں میں یاد رکھنے کا بے حد شکریہ ورنہ تو آنچل کی دوستوں نے صائمہ سکندر کب کا بھلا دیا، ماہ رخ سیال تم واحد دوست ہو جو اپنے ہر پیغام محبت میں مجھ ناچیز کو یاد رکھتی ہو۔ تمہاری یہ محبت آنکھیں نم کر جاتی ہے، سدا خوش رہو سمیرہ کا پیغام قبول کرو ستارا آمین، ہل نھی خان کہاں گم ہیں۔ اس انمول پیاری دوست سے بے حد معذرت کے میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکی وجہ طبیعت کی ناسازی ہے ان شاء اللہ جلد رابطہ کروں گی...... شنزا بلوچ کیسی ہے آپ کی طبیعت۔ اقراء لیاقت بھول گئی نہ، منزہ عباس کیا بہت مصروف ہو جو آنچل میں نظر ہی نہیں آتی ہو۔ عائشہ ملک کہاں گم ہو آج کل یار سا حجاب بہت سا پیار آپ کے لیے، شانزے خان سدا خوش رہو، نجم انجم آپ کے لیے دعاؤں کا گلدستہ، فہمیدہ ناز غوری آپ کی محبت کی میں قدر کرتی ہوں، آپ جیسے دوست نصیبوں سے ملتے ہیں، سدا خوش رہیں۔ مدیحہ نور مہک بڑی بے وفا لڑکی ہو ظالمہ نہ ہو تو، ثمرین سرمیکا آپ بہت اچھی ہیں، اللہ آپ کو بہت ساری خوشیوں وکامرانیوں سے نوازے آمین۔ نورین مسکان سرور رب کی رحمتوں کے سائے تلے رہو، ارم کمال، نواسے کی نانی بننے پر مبارک باد قبول کرو۔ ماہم نور انصاری کیسی ہیں آپ بہت سی دعائیں آپ کے نام۔ حمیرا قریشی آپ کے لیے بھی دعاؤں کا تحفہ ہے۔ فرح طاہر کیسی ہیں آپ اب طبیعت کیسی ہے آپ کی اللہ پاک آپ کو جلد صحت یابی عطا کرے آمین۔ دلکش مریم، ماورا طلحہ، نزہت حسین ضیاء، معصومہ سونگی، عریشہ ہاشمی، سیدہ حور عین فاطمہ، نبل خان بٹ، شفقت شاہین، سب کے لیے بہت ساری دعائیں۔ عبدل آپ کو ایوارڈ ملنے کی خوشی مبارک ہو۔ ایسے ہی محنت کرتے جاؤ تعلیمی میدان سر کرتے جاؤ، سندھ یونیورسٹی کا بے حد شکریہ۔ باقی جن دوستوں کے نام لکھنے سے رہ گئے ہیں ان سے معذرت، دعاؤں کی طالب۔

(صائمہ سکندر سرد مرد.....حیدرآباد سندھ)

دل والوں کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف' ریڈرز' رائٹرز اور میری آنچل فرینڈز سدرہ ریاض' بینا خالد' حنا ارشد' حسینہ ایچ ایس' پروین افضل شاہین' نورین انجم' نجم انجم' روشنی وفا' مدیحہ مہک' دلکش مریم' سباس گل' فائزہ بھٹی' کشور سلطانہ' اقراء حفیظ' زکاء زرگر' مہک' بھائی وقاص عمر اور کوثر خالد (آئی ایم سوری مجھے آپ کا موجودہ نیم اچھا نہیں لگا کیا میں آپ کو ہمیشہ کوثر خالد کہہ کر یاد کرسکتی ہوں) آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک ہو' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے اور کوثر خالد آپ کا پیغام پڑھ کر پتہ نہیں ایسا کیوں لگا کہ آپ پر جیسے کوئی ایسی پریشانی آئی ہے کہ آپ موجود ہو کر بھی نہ موجود لگیں مجھے' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام پریشانیاں دور فرمائے اور آپ پہلے والی کوثر خالد بن جائیں (آمین) آپی مہوش اور غزالہ آپی آپ کو شادی مبارک ہو سدا خوش رہو آمین۔ تبسم بشیر ہم آپ کا دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ محبت سے تھام کر آپ کو اپنا دوست بنانے کا شرف بخشتے ہیں خوش ہو جاؤ۔ میری پوری فیملی اسپیشل میری پیاری ماں کو میری طرف سے عید مبارک ہو۔ اللہ حافظ۔

(رقیہ ناز.....تحصیل میلسی دہاڑہ)

آنچل فرینڈز اور مانسہرہ والوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں سب فرینڈز؟ یقیناً گرمیاں انجوائے کررہے ہوں گے وہ آئسکریم کے ساتھ۔ اور مانسہرہ کی کیوٹ گرلز اپنا تعارف تو کرواؤ مجھے تم سب گرلز کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔ انٹری دو اپنی میری کلاس میں۔ اور جن جن دوستوں نے مجھے دوستی کی آفر کی ہے تو ان سے کہوں گی قبول ہے' قبول ہے' قبول ہے (اب خوش) اور آنچل فرینڈز سناؤ کیسی گزر رہی ہے لائف؟ ہمارا حال تو آج کل کچھ عجیب سا ہے' بند آنکھیں' اور کھلی کتاب سمجھنے کے نہیں۔ ارے بھئی پیپرز ہو رہے ہیں 22 کو پہلا پیپر ہے اور ہے بھی رمضان' کتنا ظالم ہے نہ B.A,Bsc والوں پر (انگریزی ہو نہ B.Sc, BA والو) پلیز سب نے دعا کرنی ہے پیپرز اچھے ہو جائیں۔ پروین افضل آپ کیسی ہیں؟ اور تمام آنچل فرینڈ طیبہ خاور مدیحہ نورین مہک' سمیرا اسواتی' نجم انجم' ثانیہ الطاف' حنا ریحان' سمیعہ رانی' اقراء ممتاز' بختاور' ذکار زرگر' مقدس زہرہ' اقراء حفیظ' بینا خالد' بنت مریم' ارم کمال' نور الشال اور اسپیشل میرے اپنے مانسہرہ کی شہزادیوں' گل مینہ اینڈ حسینہ' عابدہ مغل' سمیرا کنول' کرن شہزادی' سمیرا اسواتی' مشی خان کو عید مبارک اور جو جو مجھے فیس بک پر ریکویسٹ بھیجنا چاہے تو میری آئی ڈی Shah ziadagi ہے اور نازیہ آپی آپ پلیز میری ریکویسٹ ایکسپٹ کریں۔ اوکے فرینڈز زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر ہوگی پرنسز انانیا آپ کے روبرو۔ رب راکھا۔

(پرنسز انانیاء.....مانسہرہ)

پیاری دلاری' بہنوں کے نام

امید ہے کہ ساری پیاری سی بہنیں ٹھیک ٹھاک اور فٹ فاٹ ہوں گی۔ میری طبیعت خاصی خراب رہی ہے۔ ٹائی فائیڈ ہو گیا ہے۔ ساری بہنوں سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ رقیہ ناز آپ کا بہت شکریہ نواسے کی مبارک باد دینے کا۔ عروسہ پرویز اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ساری خوشیوں اور مسرتوں سے نوازے۔ (آمین) فائزہ بھٹی آپ کو بھی رمضان کی اور عید کی پیشگی مبارک باد۔ تبسم بشیر آپ سے پکی پکی دوستی یاد رکھے گا۔ بھولئے گا مت' کوثر خالد آپ کا نیا نام سودائے محمد سردار بہت مقدس نام ہے۔ ویسے نام بدلنے کی کوئی خاص وجہ؟ پروین افضل شاہین آپ کے لیے میں نے رمضان میں خصوصی طور پر دعا کی ہے۔ مدیحہ نورین ایک اور نورین مسکان عید کی ڈھیروں مبارک باد قبول کریں۔ نجم انجم اعوان انیلہ طالب انیلہ ناز' کرن شہزادی' عائشہ پرویز' دلکش مریم دعائے سحر' شمع مسکان طیبہ خاور' رشک حنا' طیبہ نذیر سامعہ ملک' سنبل ملک اعوان' روبی علی تم سب کو رمضان کی اور عید کی مبارک باد۔ اپنا بہت سا خیال رکھنا تم سب کی جائز مرادیں اللہ تعالیٰ پوری کریں' رمضان اور عید کی خوشیوں میں اپنے ارد گرد لوگوں کو بالکل نہ بھولیں۔ اپنے دل صاف رکھیں' مثبت سوچ رکھیں' محبت کو عام کریں اور نفرت کا باب ڈیلیٹ کردیں

تو ہماری زندگی کا ہر دن عید جیسا ہوگا' جن بہنوں کے نام مجھے یاد نہیں رہے ان سے معذرت۔

ارم کمال......فیصل آباد

دوست کے نام

السلام علیکم! ادب واحترام دل کی گہرائی سے خلوص بھرا۔ بہت بے وفا نکلے سارے کوئی خیر خبر ہی نہیں' ہمیں بہت یاد آتے ہیں وہ لمحے ماضی کے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے رفعت' فرحت اینڈ فائقہ دوستی۔ ایسی ہوتی ہے' ہمیں امید ہے آپ سب آنچل ضرور پڑھتی ہیں' کبھی بھول کر یاد کر لینا' ہم پر احسان ہوگا آنچل ہی واحد دوست بچا ہے' جس سے سب کہہ دیتے ہیں اور بچھڑے مل جاتے ہیں' اب اتنا ہی کافی ہے۔ سب بے وفا نکلے لیکن قلم اور کاغذ میرے بہترین دوست بن گئے جو کسی بھی حالت میں ساتھ نہیں چھوڑتے۔ جہاں رہو خوش رہو آمین۔

(اقصیٰ شوکت......گگومنڈی)

چاہنے والوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تمام فرینڈز اور فیملی کو سلام' امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے میری پیاری عقائد کلاس کیسی ہو سب' ویسے تو ہم سارا دن ساتھ ہی ہوتی ہیں' مگر آنچل میں خیریت دریافت کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ اقراء تاج' عدیلہ اسلم' ہما زمان' عروج' لائبہ' ضوریہ' ربیعہ کیسی ہو سب' اللہ تم سب کو کامیاب کرے اور ہمیشہ خوش رکھے (آمین) میری پیاری خالہ جان کیسی ہیں آپ اور مائی ڈیئر مصر میاں محمد عمران کیسا ہے' سمیرا ثومہ سب کیسی ہیں اور آپ کو نیو گھر میں انٹری بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اس گھر میں خوش رکھیں (آمین) ہیلو! اقراء اسحاق کیا مرگئی ہو نہ کال' نہ ایس ایم ایس' لگتا ہے بھائی وصی کے ساتھ زیادہ ہی بیزی ہوتی ہو۔ اسی لیے تو کبھی کسی فرینڈ کو یاد نہیں کیا (بے وفا) ہیلو! مدیحہ نورین مہک' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے تم کیسی ہو اور کیسی جا رہی ہے لائف۔ ابھی تک ٹیچنگ ہی کر رہی ہو۔ (اف اللہ) کتنا دماغ ہے تمہارا۔ بس بھی کرو یار اب سسرال جانے کی تیاری کرو (اوکے) ہیلو نورین کیسی ہو ایگزام کیسے ہوئے؟ ہیلو مائی ڈیئر فرینڈ صدف کیسی ہو اور لائف کیسی جا رہی ہے۔ تمہارے کہنے پر میں نے آنچل میں تمہارا حال پوچھا ہے۔ اب جواب بھی ضرور دینا (اوکے) ہائے! شانزہ انور کیسی ہو اور میری بھانجی کیسی ہے یار کبھی جواب بھی دے دیا کرو؟ ہیلو! کیسی ہو مائی کالج فرینڈز ماریہ' عیشاء' آمنہ' رمشاء صغیر' رمشاء' انشاء' لائبہ' عطرت' شفق' اقراء' سیدہ اور جن کے نام نہیں لکھ سکی معذرت کیونکہ اتنی جگہ نہیں ہے (ہاہاہا) ہیلو! میری پیاری پیاری فرینڈز ثمینہ' ثانیہ کیسی ہو یار کبھی جواب بھی دے دیا کرو میرا۔ ثانیہ بہت افسوس ہوا کہ تمہارے ابو اس دنیا سے چلے گئے۔ حد سے زیادہ افسوس ہوا ثانیہ ہمت نہ ہارنا اور نہ ہی پریشان ہونا کیونکہ ہمت ہارنے اور پریشان ہونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ہر دکھ ہر پریشانی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اپنے ابو کے لیے دعا کرنا۔ اللہ تمہاری ہر مشکل ہر پریشانی ہر دکھ دور کریں اور تمہیں صبر دیں (آمین) میری دعا ہے کہ اللہ تمہارے ابو کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی بخشش ومغفرت کریں۔ (آمین) ہمیشہ خوش رہو اور ہنستی مسکراتی رہو۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔ رب راکھا۔

(ارم ریاض......برنالی)

حنا ارشد' وقاص عمر' حنا عروج کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف لکھنے' پڑھنے والوں کو میرا سلام قبول ہو۔ میں سات سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں اور کسی بھی رسالے میں پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوں۔ آج بھی اگر لکھ رہی ہوں تو وقاص عمر اور حنا ارشد سے متاثر ہو کر ہی یہ دونوں نام ادب کی دنیا میں ایک درخشاں ستارے کی مانند ہیں۔ حنا ارشد آپ کی شاعری' وقاص عمر آپ کے افسانے احساسات سے بھرے ہوتے ہیں' میری تمام تر نیک تمنائیں آپ دونوں کے نام۔ پیاری حنا شبیر' عروج رانی' طلعت بھائی آپ سب کیسے ہیں؟ حنا شبیر آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ ارم کمال' فائزہ بھٹی' ثانیہ انصاری' بشریٰ کنول' اقراء جٹ' ارم ریاض' طاہر منور بھٹی آپ سب

اچھا لکھتی ہیں سب سے دوستی کی خواہ ہوں اللہ حافظ۔
(عائشہ رانی.....بلوبانیاں گجرات)

اپنے بہت ہی پیاروں کے نام

عزیز از جان قارئین مابدولت کی طرف سے آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ امید ہے آپ سب ٹھیک ٹھاک خوش باش اور مزے میں ہوں گے۔ میں نے پہلی بار اس بزم میں شرکت کی ہے تو جناب جی ہم نے بھی ہمت و جسارت کرکے قلم اٹھا ہی لیا۔ آپ سب کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ میری پیاری اریبہ میری راج دلاری تمہیں بہت بہت سالگرہ مبارک ہو اور کدے ہنس وی لیا کرو۔ میری دعا ہے کہ ہمیشہ رہو آباد رہو آمین۔ ہاں جی ایسے حیران مت ہو اور پلیز منہ بند کرو میں ہی ہوں جو تمہیں دعائیں دے رہی ہوں اور ویسے بھی تم تو جانتی ہو نا میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں۔ اللہ (جھوٹ نہ بلوائے) تم ہی خوا مخواہ مجھ سے بدگمان رہتی ہو۔ ارے ارے فاطمہ تم کیوں ناراض ہوگئیں۔ ڈیئر کزن ایسے برے برے منہ تو مت بناؤ۔ تمہارا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تھوڑا سانس تو لینے دو۔ ہاں تو جی میری پیاری کزن فاطمہ تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اب خوش ہوجاؤ اور بتیسی باہر نکالو (ہاں یہ ہوئی ناں بات) اس کے علاوہ اریشہ راج آپ کو بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ دس جون کو آپ نے دنیا میں آ کر دنیا میں مزید چار چاند لگادیئے (ہاہاہا) جناب یہ آنچل میں سالگرہ وش کرنے کا اہتمام آپ کے لیے ہی تو ہے۔ اتنی کمزور کیوں ہوگئی ہو۔ پیٹ بھر کر کیک کھانا تاکہ کوئی جان میں جان آئے (ہاہاہاہا) اللہ تمہیں ہر قدم ہر موڑ پر کامیاب کرے۔ اللہ تمہیں لمبی زندگی دے اور ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے (آمین) میری سوئیٹ خالہ جانی آپ کیسی ہو؟ آپی سعدیہ کہاں گم ہوتی ہیں؟ آپ تو عید کا چاند بن کررہ گئی ہیں۔ میرا لاڈلہ بھانجا عبدالرحمٰن کیسا ہے؟ اور آپ کا بے حد شکریہ آپ کے توسط سے ہی میں نے آنچل پڑھنا شروع کیا اور اب دیکھیں آپ آنچل کے لیے لکھنا شروع کررہی ہوں۔ اس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ہمیشہ سب میں خوشیاں بانٹیں خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھیں۔ اللہ حافظ!
(رمشاء ملک.....ثمن)

بھائی عامر عثمان عمر

آداب کیا حال ہے جی آپ لوگوں کو کیا ہونا ہے۔ آپ تو ٹھیک ہوتے ہو، بھائی عامر آپ بہت اچھے ہو۔ دعا کرتی ہوں کہ آپ کی زندگی میں کوئی دکھ نہ آئے، ہمیشہ خوش رہو اور ہاں بھائی چھٹیاں کم کیا کرو یہ نہ ہو کہ جب شادی ہو آپ کو چھٹی نہ ملے۔ عثمان، آپ کا اور آپ کی امی کا مجھ پر بہت احسان ہے۔ آپ لوگ کی وجہ سے ہی میرا گھر بسا رہنا ہے کوشش کروگی کہ زندگی میں آپ کا اور امی کا احسان اتار سکوں۔ عثمان ایک بات کہوں جھوٹ نہ بولا کرو اور میری ساس کے ساتھ مل کر میری برائی نہ کیا کرو، آپ کی مہربانی ہوگی اور جس کو آپ دل سے پیار کرتے ہو وہ آپ کو جلد سے جلد مل جائے، ویسے تو آپ کے پاس لڑکیوں کی کمی نہیں ہے خوش رہو۔ آپ بھی اچھے ہو آپ کو جب دیکھو آپ اسکول سے باہر ہی ہوتے ہو۔ دل لگا کر پڑھ بھی لیا کرو یہ ناں ہو کہ آپ بھی عامر کی طرح رکشا چلاؤ اور ہاں میں دعا کروں گی کہ آپ کو آپ کی دعا مل جائے۔ اگر محبت سچی ہو تو ضرور ملتی ہے، بس میری دعا ہے کہ آپ سب دوست مل کر رہو اور میں دیکھوگی کہ کون سب سے اچھا دوست ہے عثمان کا۔
(ن گل.....شاہ کنڈر)

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

بے مثال دورِ فاروقی کی ایک جھلک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں اسلامی ریاست ایران' بلوچستان' خراسان (سمرقند و بخارا وغیرہ) سے طرابلس الغرب (تقریباً ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۰ مربع میل) تک پھیل گئی جو تاریخ انسانی میں اتنی مدت میں فتوحات کا ریکارڈ ہے۔ اس میں دمشق' رومیوں کا وسط ایشیاء میں دارالخلافہ حمص' فلسطین' مصر' طرابلس الغرب' اردن' ایران (جوکہ اس وقت عراق' بلوچستان' کابل' ماورائے نہر' خراسان اور بے شمار علاقوں پر مشتمل تھا) اور ایک ہزار سے زائد بلاد فتح فرمائے اور پھر زمین پر عدل وانصاف اور راستی و دیانت داری کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں۔ ایک طرف مخلوق خدا کے دلوں میں حق پرستی اور پاک بازی پیدا ہوئی تو دوسری طرف ایسا فلاحی نظام قائم کیا کہ ہر شخص کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کیں' حتیٰ کہ جانوروں کے تحفظ کے لیے قوانین وضع کیے اور فرمایا۔ ''اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرجائے تو عمر ذمہ دار ٹھہرے گا۔''

کاش کہ اسلامی ممالک کے حکمران دورِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیش نظر رکھ کر نظام حکومت قائم کریں تو نہ صرف اسلامی ممالک میں خوشحالی اور امن و آشتی کی فضا پیدا ہوجائے گی بلکہ زمانہ بھر کے غیر مسلم اسلام کے اعلیٰ اور کامل فلاحی وسعادتِ دارین کے ضامن نظام سے متاثر ہوکر حلقہ بدوش اسلام ہونے لگیں گے۔

محاسبۂ نفس اور امانت داری

بارِ خلافت سنبھالنے کے بعد جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت کو نظم وضبط اور عدل وانصاف کے ساتھ اس انداز میں چلایا کہ ایسی مثال سے طبقہ سلاطین عاجز ہے۔ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ بات پر اپنا محاسبہ فرماتے تھے' آپ کا ضمیر ہمہ وقت بیدار رہتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کو اہمیت نہیں دی۔ آپ فرماتے تھے کہ امت کا مال اسی طرح میری نگرانی میں رہے گا جس طرح یتیم کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ زہد وتقویٰ اور درویشی والی زندگی گزاری۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی پسند تھا' آپ فرماتے تھے کہ میرے دو رفیق ہیں' ان دونوں نے خاص انداز میں زندگی کے دن کاٹے ہیں' میری خواہش ہے کہ میں ہوبہو ان کے طریق پر چلوں' کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میری مثال سے دوسرے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقوں سے انحراف کریں گے۔

ابولولؤ فیروز مجوسی کے وار کی وجہ سے آپ کو گہرے زخم لگ چکے تھے۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہوچکا کہ اب آپ کا صحت یاب ہونا ممکن نہیں تو آپ نے ان تمام رقوم کا حساب لکھوایا جو آپ کے نزدیک بیت المال کا قرض تھیں' یہ رقوم آٹھ ہزار درہم سے زائد تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ وہ اس رقم کو بیت المال میں ادا کردے۔ آپ کی شہادت کے دس دن بعد وہ ساری رقم ادا کردی گئی۔ درحقیقت یہ آپ کا بحیثیت خلیفہ اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت کے لیے بیت المال سے لی گئی رقم کا مجموعہ تھا۔

(پروفیسر عبدالعظیم جانباز)

رشتہ' محبت

رشتہ:

رشتہ بناؤں تو آنکھوں اور پلکوں جیسا‘ جب آنکھ میں کچھ چلا جائے تو پلکیں تڑپ اٹھتی ہیں‘ جب پلکیں کچھ دیر نہ جھپکیں تو آنکھیں رو پڑتی ہیں۔

محبت:

سمجھو تو......احساس

دیکھو تو......رشتہ

کہو تو......لفظ

چاہو تو......زندگی

کرلو تو......عبادت

نبھالو تو......بندگی

ٹوٹ جائے تو......مقدر

(ارم ریاض...... برنالی)

شوخی تحریر

(۱)علم (۲) دولت (۳) عزت

ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا۔ تو علم نے کہا کہ مجھے درسگاؤں میں تلاش کیا جاسکتا ہے‘ دولت کہنے لگی کہ مجھے بادشاؤں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ عزت کی باری آئی تو......

عزت خاموش ہی رہی جب دولت اور علم نے اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کی تو عزت بولی بھی تو کیا بولی کہنے لگی کہ جب میں کسی سے بچھڑ جاتی ہوں تو...... دوبارہ نہیں ملتی۔

(زعیمہ روشن...... آزاد کشمیر)

ذرا مسکرائیے

☆ میں نے جب بھی گھر میں خاندانی میٹنگ بلائی ہو‘ بس وائی فائی اف کر دیتا ہوں۔

☆ شکر ہے تحریک آزادی پاکستان کے دور میں فیس بک نہ تھی ورنہ ہم جیسے باہر ہی نہ نکلتے‘ بس اسٹیٹس اپ ڈیٹ کرتے اور ساتھ لکھ دیتے۔ اس میسج کو اتنا پھیلاؤ کہ انگریز برصغیر چھوڑ کر بھاگ جائے۔

☆ رخصتی کے وقت دلہے کا موبائل بجا تو لڑکی والوں نے بہت مارا کیونکہ اس پر رنگ ٹون یہ لگی ہوئی تھی۔ دل میں چھپا کر پیار کا طوفان لے چلے‘ ہم آج اپنی موت کا سامان لے چلے۔

☆ روزانہ کروڑوں کی تعداد میں سیلفی بنا کر لوگ جوق در جوق فرق سیلفیہ میں شامل ہو رہے ہیں۔

☆ دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ اول وہ جو نیند آنے پر سو جاتے ہیں۔ دوم وہ جو موبائل کی بیٹری ختم ہونے پر سوتے ہیں۔

(ایس این شہزادی کھرل......جڑانوالہ)

اختیار

کچھ بھی برباد کرنے کی طاقت انسان کے ہاتھ میں ہے نہ اختیار میں...... حکم ’کن‘ اور عمل (فیکون) رب کی خوبی ہے اس کے بندوں کی نہیں۔

(ماہا شبیر‘ تبسم شبیر......ڈنگہ)

بلا کا ٹلنا

ایک پٹھان نے دوکاندار سے دو آنے کا سرسوں کا تیل مانگا‘ شیشی میں ڈالتے ہوئے دوکان دار سے تیل نیچے گر گیا۔

پٹھان بولا: ”او بائی تم نے ہمارا نقصان کر دیا۔“

دوکاندار نے تمسخر سے کہا۔ ”خان نقصان کیا ہوا‘ تمہارا بلا ٹل گیا۔“

وہ بھی پٹھان تھا۔ اس نے لات مار کر دوکان دار کا سب تیل گرا دیا۔ دوکاندار نے شور مچایا تو پٹھان نے کہا۔ ”اب کیوں چیختا ہے آج ہم نے تمہارے سب خاندان کا بلا ٹال دیا۔“

(ارم کمال......فیصل آباد)

عجب دنیا

○ یہ کیسی دنیا ہے بعض شادی شدہ طلاق کے چکر میں ہیں اور غیر شادی شدہ شادی کے خیالات میں گم ہیں۔

○ بچوں کو بڑے ہونے کی جلدی ہے اور بڑوں کو بچپن لوٹ آنے کی آرزو۔

○ نوکریاں کرنے والے اپنے کام کی سختیوں سے

نالاں ہیں اور بے کاروں کے لبوں پر کام ملنے کی دعائیں ہیں۔

○ غریبوں کو امیروں کی زندگی کی حسرت ہے اور امیروں کو آرام کے لیے ایک لمحے کی تمنا۔

○ مشہور افراد چھپنے کے لیے ٹھکانے کی تلاش میں ہیں اور عام لوگ مشہور بننے کے خیال میں۔

○ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ خوشی اور خوشحالی کا ایک ہی طریقہ ہے جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرو۔

(رمضاء ملک......تلہ کنگ)

ادھوری عید

اے چاند عید کے
شہر خموشاں میں جا کر
قبر مادر پر میرا سندیس دینا
اور لحد میں سوئی ہوئی میری ماں سے کہنا
کہ بادل کے بنا برسات نہیں
سورج کے بنا روشنی نہیں
خوشبو کے بنا پھول نہیں
اے میری پیاری ماں
تیری دید کے بنا
نجم انجم کی عید نہیں......!

(شاعرہ۔ نجم انجم اعوان......کورنگی)

مسکراھٹ کے پھول

فوجی ٹریننگ کے دوران آفیسر نے سپاہی سے پوچھا۔تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

رب نواز "سر یہ بندوق ہے۔"

آفیسر یہ بندوق نہیں تمہاری عزت اور شان ہے' تمہاری ماں ہے ماں۔

آفیسر دوسرے پٹھان سپاہی سے: تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

پٹھان: سر یہ رب نواز کی ماں اور میری خالہ ہے۔

(ثریا فریال......شیخوپورہ)

ماں

ماں کے لیے سب کو چھوڑ دینا لیکن سب کے لیے ماں کو مت چھوڑنا کیونکہ جب ماں روتی ہے تو فرشتوں کو بھی رونا آجاتا ہے۔

کسی نے ماں سے سوال کیا کہ اگر آپ کے قدموں سے جنت لے لی جائے اور آپ سے کہا جائے کہ کچھ اور مانگ لو تو آپ خدا سے کیا مانگو گی۔تو ماں نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ میں اپنی اولاد کا نصیب اپنے ہاتھ سے لکھنے کا حق مانگوں گی۔ کیونکہ میری اولاد کی خوشی کے آگے میرے لیے ہر جنت چھوٹی ہے۔

اندھیرے ہیں راستے' دیا لے کر جانا
اس کے آنسوؤں کی ضیاء لے کر جانا
تمہیں حادثوں سے بچائے گی ہمیشہ
سنو گھر سے ماں کی دعا لے کر جانا
نیند اپنی بھلا کے سلایا ہم کو
آنسو اپنے گرا کے ہنسایا ہم کو
درد کبھی نہ دینا اس ہستی کو
زمانہ کہتا ہے ماں جس کو

جن کی مائیں حیات ہیں اللہ ان کو ماں کا فرماں بردار بنائے اور ان ماؤں کو لمبی زندگی عطا کرے۔اور مجھ سمیت جن کی مائیں اللہ نے اپنے پاس بلالیں انہیں کروٹ کروٹ جنت کی رحمتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

(لبنیٰ شکیلہ' اولکھ جٹاں......سیالکوٹ)

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ابتدا ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ ادارے کی جانب سے تمام بہنوں کو عید مبارک۔ اس ماہ عید کی وجہ سے ماہنامہ ''آنچل'' جلدی ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے جن بہنوں کے تبصرے موصول ہوئے انہیں شامل کرلیا گیا ہے۔ باقی تبصرے تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر شامل اشاعت نہ ہوسکے' معذرت چاہتے ہیں۔ اب بڑھتے ہیں بزمِ آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ السلام علیکم! شہلا آپی آل رائٹرز اینڈ ریڈرز پر سلامتی کا نزول ہو۔ اس وقت رات کے بارہ بجے تمام مخلوق خدا محواستراحت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے۔ جھینگروں کی صدائیں ماحول پر چھائے سکوت کو توڑ کر باآسانی میری سماعتوں کو عزت بخش رہی ہے۔ ویسے نیلگوں آسمان نے سیاہ آنچل اوڑھ رکھا ہے اور اس پر ستاروں کی جھرمٹ میں پورے آب وتاب سے چمکتا منفرد سا چودھویں کا چاند ان سارے میں اپنی روشنی پھیلا رہا ہے کوئی اور وقت ہوتا تو ہم اسے گھنٹوں تکتے لیکن اسی وقت ہم آنچل سے راز ونیاز کرنے میں مشغول تھے۔ ہماری اس درجہ بے اعتنائی پر چاند نے خفگی بھری نظروں سے ہمیں گھورا پر ہمیں مطلق پروانہ تھی اور چاند کو منانے کا ارادہ کسی اور وقت پر اٹھار کھا۔ اس وقت تو ہماری بے تابانہ نگاہیں آنچل پر مرکوز تھی۔ ہم سوچوں کے بھنور میں ڈوبے تخیل کا ہاتھ تھامے لفظوں کا میلہ لگائے بیٹھے تھے۔ الفاظ جیسے صفحہ قرطاس پر بکھیرنے کے لیے مچل اٹھے۔ ہماری مخروطی انگلیوں نے جنبش کی اور الفاظ جوق در جوق صفحہ پر منتقل ہونے لگے۔ دلنشیں سرورق نے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔ البتہ ابتدا میں قیصر آرا آنی کی شہد آگہیں لہجے میں سرگوشیاں سنیں۔ حمد ونعت پڑھی بہت پسند آئی۔ ''جواب در آں'' میں مدیرہ صاحبہ کے دوستوں کے خطوط پر روپہلی دھوپ جیسا مہربان جواب نامے پڑھے۔ دانش کدہ سے مستفید ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں نہایت خشوع و خصوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق دے آمین۔ ہمارا آنچل میں تمام دوستوں کے تعارف اچھے لگے۔ پھر بڑھے تحاریر کی طرف، سلسلہ وار ناولز میں ''تیزی زلف کے سر ہونے تک'' شکر ہے زید کے دل سے باپ کے لیے جو کدورت تھی ختم ہوئی۔ باپ بیٹے نے مل کر تھوڑا امو شنل کیا، آخر نوفل انشراح کے عشق میں گرفتار ہو ہی گیا۔ عمرانہ بیگم کی بہن کا اپنی اصلیت دکھانے پر اور بھانجی کے گستاخانہ رویے پر دماغ ٹھانے آ گیا ہوگا آگے دیکھتے ہیں کہ مکمل عقل آئی ہے کہ نہیں۔ عشنا کوثر سردار کا نیا سلسلہ وار ناول ''آکائی'' ہمیں تقسیم ہند سے پہلے کے دور میں لے گیا۔ لگتا ہے اماں جان سٹھیا گئی ہیں۔ جو نواب صاحب کے ازالہ کا کہنے پر ان کے صاحبزادے کے بجائے ان کا پروپوزل لینا چاہ رہی ہیں۔ پھر وہ نہ سہی تو جواری نشے باز پوتا ریحان میاں ہی انہیں فاطمہ کے لائق لگے۔ آخر کیوں؟ ابھی تو دوسری قسط تھی۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ مکمل ناول میں عائشہ نور محمد کا نام دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ فضا مشک بار ہوئی، ہوائیں رقص کرنے لگیں اور ہم بے اختیار ان کی طرف کھنچے چلے گئے۔ ''تم میری ہو'' اس تحریر نے علم میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ کیا ماہ روز جیسی انسان بھی اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ جو اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی لاحاصل ہی رہی۔ صرف ایک شخص کو پانے کے لیے وہ دین و دنیا دونوں سے گئی۔ ''سہانی رات کا سحر'' ایم سلطانہ کا مکمل ناول بہترین رہا۔ بلاآخر اشعر بینا کے سحر میں گرفتار ہوگیا۔

افسانوں میں "روشن صبح" حقیقت پر مبنی تحریر تھی۔ ہمارے معاشرے میں اکثر ایسے گھرانے پائے جاتے ہیں جو لڑکے چاہے نکھٹو کیوں نہ ہوں، اپنی ساری جمع پونجی اس پر لگادیتے ہیں کہ وہ کچھ بن جائے اور اس کی آنے والی نسلیں سنور جائیں۔ جب کہ لڑکی کا کیا ہے، اسے پڑھ لکھ کر چولہا چوکی ہی کرنی ہے۔ دوسرا یہ کہ اکثر والدین کہتے ہیں میرا بیٹا ڈاکٹر بنے گا۔ ایجنڈ بنے گا اور اسے وہی بنانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں جو کہ بہت غلط ہے۔ عاقب اور ثروت نے بھی بروقت سمجھداری کا فیصلہ کیا آخر کو ایک مقام پر پہنچے۔ صبا ایشل کا افسانہ "جاپانی مشین" عمدہ تحریر تھی۔ ویسے آپس کی بات ہے "جاپانی مشین" تو مجھے فریحہ خالہ کی لگی۔ بس بٹن دبایا اور وہ شروع ہوگئیں۔ تحسین انجم انصاری کا افسانہ "کھتی" بھی بہترین رہا، سچ لکھا مرد ذات کھتی ہی ہے۔ شاہ زیب جو فریال کی محبت کا دم بھرتا تھا اس سے شادی ہوتے ہی اسے اس کے پہلے شوہر کا خیال آ گیا۔ ماورا طلحہ کا "تخلیق کار" اور سیما بنت عاصم کا "ایک ادھوری الجھی کہانی" بھی بہترین تحاریر تھیں۔ مستقل سلسلوں میں "بیاض دل" میں سمیرا صواتی، سیدہ لوبا سجاد، فائزہ بھٹی اور مدیحہ نورین مہک، "یادگار لمحے" میں سیدہ لوبا سجاد، ارم کمال، پروین افضل شاہین اور سحر ریش کے انتخاب پسند آئے۔ "نیرنگ خیال" سباس گل، نجم انجم اعوان، ماریا یاسر اور رب نواز کی نظمیں اور راشد ترین کی غزل پسند آئی۔ "دوست کا پیغام آئے" اقرا ممتاز بہت شکریہ دعاؤں کے لیے۔ گلشن چوہدری گل دوستوں کی محفل میں خوش آمدید۔ تمنا بلوچ پتہ ہی نہیں چلا، ایک سال بھی ہوگیا حریم فاطمہ کو بچھڑے۔ ابھی کل ہی کی تو بات لگتی ہے جب آپ کا خط پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو جلد صحت مند اولاد سے نوازے آمین۔ سمیرا صواتی یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جسے انسان بھول جائے۔ تو ہمیں بھولی ہی نہیں ہو اور نہ ہی ہم آپ کو اگنور کر رہے ہیں۔ بہت مرتبہ "دوست کا پیغام آئے" میں پیغام بھیجا پر ہما آپ نے ہمارے لیے نو انٹری کا بورڈ لگادیا ہے۔ اب تو آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی۔ اقرا جٹ، فائزہ بھٹی مشی خان، سمیر کنول، علشبہ نور، تمنا بلوچ، ارم کمال، پروین افضل شاہین، کوثر خالد، فریدہ فری، گل مینا، حسینہ ایچ ایس، ایس رب نواز، مدیحہ نورین مہک، سیدہ لوبا سجاد، ذکاء زرگر، کے ایم نور المشال، شزا بلوچ، اقرا ممتاز، رابعہ منظور، اسماء گل مغل، زینب دلبر اعوان، انانیا، دعا سحر، عائشہ رحمان، تبسم شبیر، طیبہ خاور، اینڈ دلکش مریم اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان سے معذرت آپ سب کو عید الفطر کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہو، زندگی رہی پھر حاضر ہوں گی۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔ پاکستان زندہ باد۔

شازیہ ہاشم میوانی..... کھڈیاں خاص قصور۔ زندہ و بیدار دل کے ساتھ چشم نگراں نینوں کے ساتھ، متحرک؟ نیم خوابیدہ سپنوں کے ساتھ، شوریدہ جذبات کے سنگ، پیار و محبت کے انمول اور قیمتی جذبات کے ساتھ قلم کو تھامے اپنے ہاتھ میں تاکہ پنچوں میں الفاظ کے ایروپلین کے ساتھ، احساسات کی ٹکٹ لے کر آنچل ہاؤس میں، ارے آپ حیران ہو رہے ہیں کہ میں بغیر پیسوں کے اتنا طویل سفر کرکے منٹوں میں نہیں سیکنڈوں میں پہنچی بغیر تھکاوٹ کے، اب کچھ تو آؤ بھگت ہونی چاہیے۔ دونٹ وری میرا روزہ ہے، مگر افطاری تک بسیرا کرنے کا ارادہ ہے۔ ذرا احتیاط سے جی پیاری آپی! سب سے پہلے آنچل پر تبصرہ کرنے کی بجائے میں اس تحفے کا جزاک اللہ ادا کرنا چاہوں گی جو آپ نے مجھے سورۃ الشمس کی تفسیر کی صورت میں بھیجا۔ "جزاک اللہ خیراً کثیراً" اور انکل مشتاق احمد اللہ آپ کو مزید تفسیری میدان میں قبول فرمائے (آمین) ایک نظم کے ساتھ آگے بڑھوں گی جو خالصتاً انکل مشتاق کے لیے ہے۔

میرے نشیمن کے دامن میں ہیں گوہر لعل اب بھی
جو اذکار و خرد و دانش کے مالک ہیں اب بھی
رہتے ہیں جو آغوش علم کی گھنی چھاؤں میں
علم دین و دنیا کے ایسے متوالے ہیں اب بھی

سجن نوا سناتا ہے ہر انسان اپنے لحن سے
کرب دریا میں ڈوب کر بنانے والے ہیں اب بھی
محبتِ الٰہی کا جام دوام ہر کوئی پا نہیں سکتا
مگر ایسی محبوں کے پانے والے ہیں اب بھی
ملا تحفہ عید کتاب کی صورت میں جب
تو دل ہوا فرحان، کہ تحفے دینے والے ہیں اب بھی (ہاہاہا)
نکلی دل سے ان گنت دعائیں اے انکل مشتاق
میدان علم میں رہے بڑھتے، دعائیں دینے والی بیٹیاں ہیں ابھی
سورۃ الشمس کی تفسیر کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے تیری محبت شاز
دل مسرور ہوتا ہے اب بھی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اب بھی

''سرگوشیاں'' سے پہلے حدیث مبارکہ کو پڑھا تو ذہن میں ایک میسج آ گیا جو میری اسٹوڈنٹ اور دوست نبیلہ ناز آل آباد نے بھیجا تھا کہ ایک بار جبریل امین علیہ السلام نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ! میں آپ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ کرلو۔ تو انہوں نے دو رکعت کی نیت باندھی اس اہتمام سات نماز ادا کی کہ چار ہزار سال بعد سلام پھیرا۔ اللہ نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھی نماز پڑھی، لیکن ایک امت ایسی آنے والی ہے جس کی فجر کی دو سنتیں تیری ان دو رکعتوں سے بڑھ کر ہوں گی۔ سبحان اللہ! تو پیاری آنی! آپ یا انکل مشتاق احمد سے پوچھ کر بتانا کہ اس کا حوالہ ضرور بتائیں۔ اب آتی ہوں ''سرگوشیوں کی طرف پیاری مدیرہ اگر آپ بیس روپے کا بھی اضافہ کرتیں تو ہنس کر قبول کر لیتی، آپ کی بیٹی۔ اس کے بعد ''خالد حسین صابری'' کی حمد سے فیضیاب ہوتے ہوئے نوک قلم سے کچھ اشعار صفحہ قرطاس پر بکھیر نے پڑے۔

نہ ابتدا نہ انتہا، نہ قرب ہے نہ فاصلہ
نہ اس کا روز و شب کوئی، نہ اس کا ماہ و سال ہے
ہر اک مقام پر ملے جدھر کہو ادھر ملے
جنوب میں جنوب ہے، شمال میں شمال ہے
وہ ذات بے مثال تھی وہ ذات بے مثال ہے

پھر بڑھی نعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو دل ناداں عجب طریقے سے دھڑکنے لگا۔ اللہ سے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کرتے ہوئے یہ اشعار بزبان شاز سے آزار ہوئے۔

جدوں ظالم ظلم کماندے نہیں
آقا دیاں یاداں آندیاں نہیں
مظلوم جدوں کرلاندے نہیں
آقا دیاں یاداں آندیاں نہیں
ٹھکرائے ستائے دنیا دے
آقا نے سینے لائے نہیں
جدوں یاد او منظر آندے نہیں

آ قادیاں یاداں آندیاں نہیں

"ہمارا آنچل" اوہ تو صفحہ آگے ہو گیا لہٰذا میں نے پہلے دانش کدہ میں قدم رکھا تھا کہ اپنے آپ کو نورانی بارش سے سیراب کر سکوں۔ "ہمارے انکل مشتاق احمد قرآن و حدیث کی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو جتنا بھی پڑھا جائے پیاس نہیں بجھتی۔ لہٰذا دوبارہ پڑھا، مگر ایک حدیث پہلی مرتبہ پڑھی کہ "شیطان انسان کے سر کے پچھلے حصے میں تین گرہ لگا دیتا ہے...... سستی دور ہو جاتی ہے۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے (آمین) ہمارا آنچل رباب کنول شاد رہو آباد رہو والدین کی خدمت ایسے ہی کرتی رہو، شہناز فضل بہت اچھا لگا آپ کے بارے میں جان کر اور ڈیئر شہناز آپ بھی میری طرح سارے رسالے پڑھتی ہیں، شہناز خوش رہو۔ ثناء نواز جھنگ یار! جھنگ علاقے مجھے ایک نامور عالم امیر عزیلیت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے بہت عزیز ہے۔ ثناء! تمہارے الفاظ نسوانیت کے بارے میں پڑھ کر دل عش عش کر اٹھا، واقعی عزت تو عزت ہے، مصباح بتول، والد کی گھنی چھاؤں سے محروم ہو کر جینا بہت مشکل ہے۔ مگر انسان کو جینا تو پڑتا ہے خوش رہو مصباح...... ایم سلطانہ فخر "سہانی رات کا سحر" واؤ زبردست کیا تحریر لکھی۔ اشعر کی جوڑی بینا کے ساتھ ہی زبردست لگی "روشن صبح" رفاقت جاوید عاقب کا بشریٰ کو سبق سکھانا بہت بھایا۔ عاقب اور ثریا کی آپس میں انڈر اسٹینڈنگ اور ثروت کا عاقب کے لیے اور اپنے لیے اسٹینڈ لینا بہت اچھا لگا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" لگتا ہے سودہ کی نیا پار لگنے والی ہے مگر ڈیئر اقراء زید اور سودہ کو جدا نہ کرنا، اور نوفل کو بھی انشراح سے ملا دینا۔ بھرپور تبصرہ مکمل ہونے پر کروں گی۔ "ایک ادھوری الجھی کہانی" سیما بنت عاصم "الجھنوں بھری زندگی" پر لکھی تحریر معاشرے کی عکاسی کرتی بہت اچھی لگی۔ عشنا کوثر سردار ہم آپ کے لفظوں کے مداح ہیں، آپ ہر دفعہ منفرد موضوع پر لکھ کر دل کو جیت لیتی ہیں۔ مگر "اکائی" مجھے سب سے منفرد لگی۔ "تخلیق کار" ماورا طلحہ بہت زبردست تحریر تھی۔ اللہ ہدایت کاملہ کی زندگی عطا فرمائے (آمین) عائشہ نور محمد، آپ کے ناول کی میں جتنی بھی تعریف کروں اتنی ہی کم ہے۔ مگر ایک بات پر اسرار ہی رہی کہ حمزہ کو ماہ روز لے گئی تھی کیا کسی نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ بہر حال ویسے ہر لحاظ سے ایک سبق دینے والی تحریر تھی۔ اور محبت جیت کر رہتی ہے۔ بیاضِ دل علشبہ نور، ارم کمال لیلیٰ رب نواز، پروین افضل ہما طاہر، ناز بلوچ کے اشعار زبردست تھے۔ باقی سب بھی اچھے تھے۔ "ڈش مقابلہ" الحمدللہ چکن پکوڑے دو دفعہ پکا لیے "نیرنگ خیال" میں سائرہ حمید، نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیاس گل کی سب ماریا ہے۔ غزل ریاض حسین قمر، اور اپنی اسٹوڈنٹ کے ایم نور المثال کی شاعری لاجواب باقی بھی اچھی تھی۔ دوست کا "پیغام آئے" لفمیٰ شکیلہ کا پیغام پڑھ کر وطن عزیز کے لیے دعا کی۔ یادگار لمحے ہر بار کی طرح بے مثال ہے۔ "آئینہ" میں گل مینا اینڈ حسینہ، صائمہ مشتاق، کرن شہزادی، انیلا طالب کوثر سودائے محمد کے تبصرے باکمال تھے۔ "کام کی باتیں" واقعی کام کی باتیں تھیں۔ اللہ رب العزت عمل کی توفیق دے۔ بے ربط انداز میں لکھا گیا تبصرہ قبول کر لینا۔ میرے ہاتھ کا درد نا قابل برداشت ہو رہا ہے کیونکہ میرے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان گلٹی سی بنی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ معذرت۔ فی امان اللہ۔

انعم زهره...... ملتان۔ السلام علیکم! شہلا آنٹی اور آنچل پڑھنے والوں اور آنچل لکھنے والوں آپ سب کیسے ہیں۔ جی ہاں آپ کی دعاؤں سے میں بھی ٹھیک ہوں۔ آنچل کا سرورق گرمیوں کی مناسبت سے خوب جچ رہا تھا۔ ارے میں تو بتانا ہی بھول گئی اس بار آنچل اٹھائیس کو ملا۔ ناول لسٹ "نازی" آپی کے بنا سونی سونی لگی۔ اور "عشنا کوثر سردار" کی آمد پر خوشی ہوئی۔ امید کرتی ہوں کہ ایک شاندار ناول ہماری یادداشت پر اپنے نشان چھوڑنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ "در جواب آں" میں مدیرہ آنی "زرگر" سسٹرس کی خفگی دور کرتی نظر آئیں۔ ان کا محبت بھرا انداز پسند آیا۔ اور "مجھے یاد ہے نا" میں مجھے یاد رکھ کر دل خوش کر دیا۔ قسم سے۔ پھر "اقراء" آپی کی ہیروئن انشراح کی خوب صورت ریشمی زلفوں نے میری

توجہ سمیٹ لی۔ اور پھر یہاں کیا دیکھتی ہوں سودہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں اور زید میاں خاموش ہیں۔ مگر اب لگتا ہے عمرانہ اور صوفیہ بیگم کے جھگڑے یہ خاموشی ختم کردیں گے۔ اور دوسری طرف نوفل اپنے جذبوں سے نظریں چرا رہا ہے۔ اور آنٹی بی بی جناب کو پٹوانے پر تلی ہیں۔ اور عمرانہ اور رضوانہ فیملی میں جھگڑا کرواکے بڑا ہی نیک کام کیا ہے۔ اب سمیرا جی کی شہری عرف ماہی کی طرف چلتے ہیں ایک ماہ غیر حاضر رہی ہے۔ پتا تو چلے کیا کررہی ہے، ارے یہ تو ایکشن کررہی ہے۔ آپی بہت ہی خوب صورتی سے نکالا ہے شہری کو اور دراصل ماں سے ملنے کا سین بھی خوب تھا اور افکن کی پریشانی پر شہری کی بے نیازی کیا بات ہے۔ زبردست سوپر جارہی ہیں آپی۔ ''بیاض دل'' میں ارم کمال، عاصمہ عبدالملک، گل مینا اینڈ حسینہ علی، اور انیلہ طالب کے اشعار پسند آئے۔ اور جب اپنے شعر پر نظر گئی تو سوچا جب یہ لکھا تھا تو رورہی تھی اور آج آنچل میں پڑھا ہے تو دل لڈیاں ڈال رہا ہے۔ عجیب حقیقت ہے پرخوب صورت ہے۔ ''نیرنگ خیال'' میں سباس گل، چندہ چوہدری، شمع مسکان اور دعائے سحر کی شاعری بہت اعلیٰ تھی۔ یادگار لمحے میں گلشن چوہدری کے انمول موتی پسند آئے۔ آئینہ میں ''مقدس زہرہ'' آپ کا تبصرہ پڑھا۔ اچھا لگا، کیا آپ وہی مقدس ہیں جس سے میری دوستی ''عروسہ'' بھائی کے توسط سے ہوئی تھی۔ اگر آپ وہی ہیں تو آنچل کے کسی سلسلے میں ذکر ضرور کیجیے گا۔ آپ سے دوبارہ بات کرکے مجھے خوشی ہوگی۔ باقی شمارہ زیر مطالعہ ہے اب تک کے لیے اتنا ہی خدا حافظ۔

انیلہ طالب..... گوجرانوالہ آنچل گل دستے کے تمام مہکتے پھولوں اور سویٹ شہلا آپی کو سلام، اس بار جون کا آنچل بغیر لمبا انتظار کروائے پچیس مئی کو مل گیا۔ غالباً رمضان المبارک اور جمعے کے دن کی برکت ہے، سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی۔ سرگوشیاں کے بعد در جواب آں میں قدم رکھا اور پھر دانش کدہ سے دانش سمیٹ کے ہمارا آنچل پر آئی رباب کنول اور مصباح بتول سے ملاقات اے ون رہی، ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' کی یہ والی قسط زبردست رہی۔ بے چارا نوفل کیا کرے گا اب، ماورا طلحہ کا افسانہ بہت عمدہ رہا، تم میری ہو عائشہ نور محمد کا ناول ٹھیک تھا۔ تھی اور جاپانی مشین بھی ٹھیک تھے۔ سیما بنت عاصم کو ابھی پڑھا نہیں۔ عشنا کوثر سردار کا ناول بھی وقت مانگ رہا ہے۔ مگر کیا کریں؟ مصروفیت، مصروفیت اور بس مصروفیت باقی بیاض دل میں کوثر خالد جی سمیرا سواتی، انعم زہرہ، ہما طاہر، فائزہ بھٹی، ناز بلوچ مدیحہ نورین مہک نے میدان مارلیا۔ ڈش مقابلہ میں ساری ترا کیب سوپر ڈوپر بیوٹی گائیڈ بے مثال اور نیرنگ خیال میں رابعہ چوہدری انجم انجم جی شبیہ مظفر راجا بجیرا نیلم چھائی رہیں۔ لیلیٰ رب نواز یو آر گریٹ، بہت اعلیٰ شاعری، دوست کا پیغام آئے میں مجھے یاد رکھنے کے لیے مدیحہ نورین، مدیحہ کنول، اقرا امتیاز اور سمیرا سواتی آپ سب کا شکریہ آئی مس یو ڈیئر فرینڈز یادگار لمحے میں ذکاء زرگر، سمیرا سواتی عنبر مجید صائمہ مشتاق سحرش سیدہ لوبا سجاد نے کمال لکھا، ہمارا تیتر خوب صورت آواز میں سبحان تیری قدرت کا ورد کررہا ہے اور میں اب اس کی خوب صورت آواز سنتے ہوئے آئینہ میں آ گئی ہوں۔ جہاں صائمہ مشتاق آپی، ارم کمال، آنٹی کوثر، خالدہ اور گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس نے چار چاند لگا دیئے۔ آنچل کو میری دعا ہے سب دوست یونہی دوستی کی مالا میں پھولوں کی طرح مہکتے اور فیروزہ کی طرح چمکتے رہیں آنچل کے لیے بے حد محبت اور دعائیں۔ خوش رہو۔ اللہ حافظ۔

اسماء صدیقہ، سمینہ مصری..... سالار وہین کھنہ السلام علیکم۔ تمام مسلمانوں کو عیدالفطر مبارک ہو۔ آنچل جون کا تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ لگتا ہے آنچل والے ناراض ہوگئے۔ مسلسل دو ماہ سے بزم آئینہ میں داخل ہونے کا اذن نہیں مل رہا۔ بہر کیف۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ سب کے تعارف اچھے لگے۔ مگر ثناء نواز، جی ہمیں جھنگ کے لوگ بہت پسند ہیں۔ سچے کھرے، سر دھڑ کی بازی لگانے والے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کے دیوانے ''جاپانی مشین'' صباء ایشل۔ ہاہاہا یقین کیجیے ہم بھی اول تو مشین ہی سمجھتے رہے۔ مگر ناں جی جاپانی مشین تو تشبیہ تھی پڑوسیوں کی

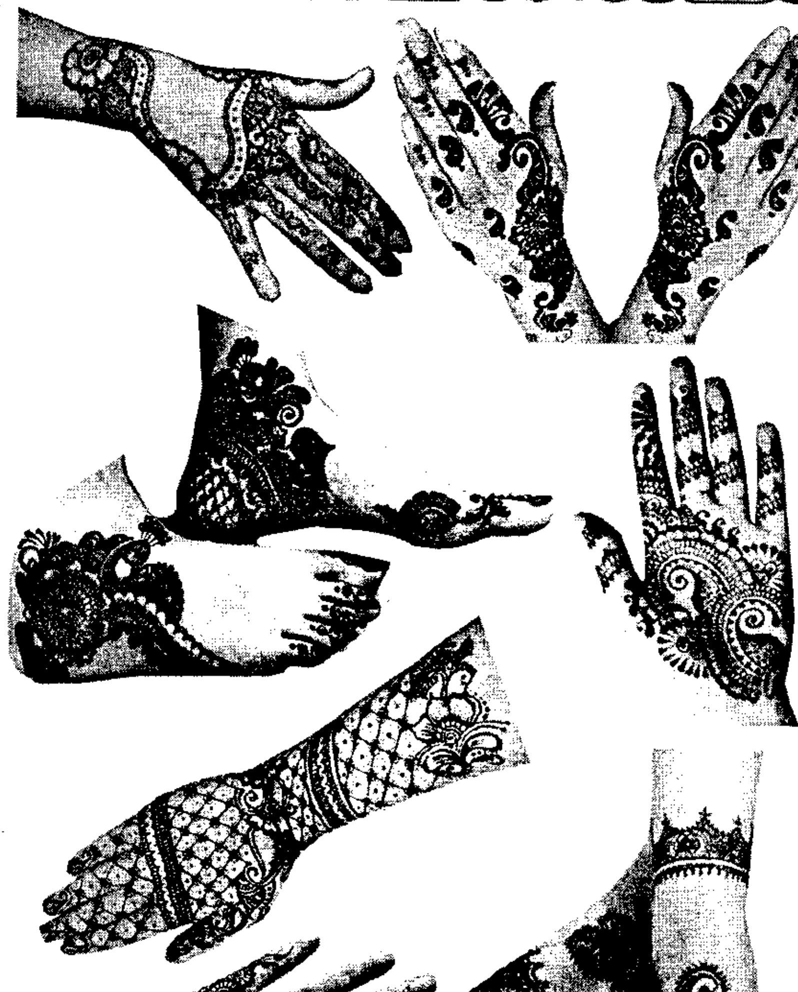
بہو کی۔ ”الامان والحفیظ“ خوب افسانہ تھا۔ ”تم میری ہو“ عائشہ نور محمد آئیں تو طویل وقت کے بعد مگر چھا گئیں۔ جلد از جلد روشن اور خوب صورت تحریر کے ساتھ۔ ”تخلیق کار“ ماوراجی افسانے تو آپ کے پہلے بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ افسانہ دیگر افسانوں پر غالب دکھائی دیا۔ انداز ہی نرالہ ہے۔ سارا پرچہ ایک طرف آپ کا افسانہ ایک طرف سینکڑوں صنف نازک کے لیے آپ کی یہ انوکھی تحریر مشعل راہ ثابت ہوئی ہوگی۔ ”ایک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بنت عاصم! کیا خوب بہت اچھا فیصلہ کیا شہریار کی خالہ زاد نے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ زبردست موڑ پر ہے۔ اقراء جی آپ ایسا کریں (مفت کا مشورہ لیں) عید کا موقع اچھا ہے۔ زید اور سودہ، انشراح اور نوفل کو ایک کردیں، عمرانہ اور شوانہ لگتا ہے رشتے دار ہیں، باقی رسالہ زیر مطالعہ ہے۔ شاعری بھی متاثر کن ثابت ہوئی۔ ”نیرنگ خیال“ سپاس گل، شبیہ مظفر، لیلیٰ رب نواز ٹاپ پر رہی۔ آئینہ کرن شہزادی نور الشال بلند تھیں (شکریہ آپ کا) ویسے آپس کی بات ہے آئینہ ہمارے بنا اقراء، فائزہ اسماء صدیقہ کے بنا سونا سونا لگتا ہے ناں؟ ثمینہ جی عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ اب اس بات کے ساتھ اجازت! آنچل والو..... گزشتہ مہینوں کی طرح میرا تبصرہ ردی کی ٹوکری نہ ہضم کر جائے اور مزے سے میٹھی عید منائے، کیوں کہ ہمارا تبصرہ میٹھا جو ہوتا ہے۔

محسن عزیز حلیم..... کوٹھا کلاں۔ السلام علیکم تمام آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو ہماری طرف سے چاہت بھرا اسلام امید ہے کہ آپ سب ہی خیریت سے ہوں گے، پیاری بہن ہم سے آپ کو کوئی ناراضی ہے کیا؟ جون کا شمارہ جلدی ہی مل گیا۔ سرورق بہت پیارا تھا۔ سب سے پہلے مدیرہ آپا کی سرگوشیاں پڑھیں، پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ پھر درجواں آں، میں مدیرہ جی کے جواب پڑھے۔ پھر الکوثر کا مطالعہ کیا، ہمارا آنچل میں رباب کنول، شہناز فضل، ثناء نواز، مصباح بتول، کا تعارف پڑھا اچھا لگا۔ پیاری بہن ہم نے پچھلے سال میری بہن ثروت عزیز نوشی کا تعارف بھیجا تھا؟ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ یہ قسط سیٹ تھی۔ ”اکائی“ اف اتنی پابندیاں، فاطمہ پر یہ قسط بھی لاجواب تھی۔ پڑھتے ہوئے سحر طاری ہوجاتا ہے، مکمل ناولز میں ”سہانی رات کا سحر“ ایم سلطانہ فخر، ویری سیٹ ”تم میری ہو“ ویری گڈ افسانوں میں ”روشن صبح“ ویری نائیس، ”اک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بنت عاصم ویری گڈ ”تخلیق کار“ ماوراطلحہ ویری گڈ ”جاپانی مشین“ صباء ایشل ویری نائیس ”تھی“ تحسین انجم انصاری ویری گڈ اور باقی تمام سلسلے بہترین تھے۔ پورے کا پورا شمارہ بیسٹ تھا، افطاری کے وقت ہم آپی پروین افضل شاہین اور تمنا بلوچ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلدی اولاد سے نوازیں اور تمنا آپی آپ دکھی مت ہوا کریں اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھیں اور ہاں یاد آیا آپ دونوں (یا مصور) کا کثرت سے ورد کیا کریں۔ ہمارے ہاں ایک خاتون کو اولاد نہیں ہورہی تھی تو اسے کسی نے یہی ورد کرنے کو کہا تھا۔ اس نے دو یا تین ماہ یہ ورد کیا اور اللہ کے کرم سے وہ اب ماں کے رتبے پر فائض ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں بڑی برکت ہے۔ حالانکہ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ شاید یہ کبھی ماں نا بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا کرم کرے۔ آمین اور اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ آنچل یونہی ترقی کرتا رہے۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم رکھے اور اس عید کی خوشیاں تادیر قائم رکھے آمین۔

حنا کے رنگ آنچل کے سنگ





ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

رقیہ ناز...... تحصیل میلسی وہاڑی

س: شموآپی عید مبارک ہو کیسی گزری عید آپ کی؟

ج: خیر مبارک۔ بہت خوب صورت اور ڈھیروں عیدی جمع کرکے۔ اب مہربانی فرما کر مانگنے مت بیٹھ جانا۔

س: سنا ہے اس بار آپ کے ان کی عید پر بڑی درگت بنی ہے آپ کے ہاتھوں اف اللہ بچائے۔

ج: تم یہ جھوٹی کہانیاں خود بناتی ہو یا کوئی اور میری تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔

س: آپی اگر بہت پیارا اور آپ کا عزیز انسان آپ کو بہت زیادہ لڑے تو کیا کرنا چاہیے۔

ج: پھر تو بس ہر حد سے گزر کر ڈنڈا اٹھا کر اس کی ایسی درگت بنانی چاہیے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: شمائلہ جانو! یہ زندگی کے راستے اتنے ٹیڑھے میڑھے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: کیونکہ ان راستوں سے گزر کر عید بھی تو آنی ہوتی ہے ناں۔

س: کہتے ہیں کہ جھوٹ بولیں تو کوا کاٹے اور سچ بولیں تو......

ج: شادی خانہ آبادی ہوجائے۔

س: بہارو پھول برساؤ بوجھو تو بھلا کون آرہا ہے؟

ج: عید آرہی ہے اور کون آئے گا پاگل۔

س: شمائلہ جی! جلدی سے بتائیں یہ صبر کا پھل کس موسم میں لگتا ہے۔

ج: ضبط کے موسم میں اب تم ضرور آزمانا۔

س: ہم تم ہوں گے بادل ہوگا رقص میں سارا جنگل ہوگا۔ یہ کب ہوگا؟

ج: جب تم ہاتھی سے بکری بن جاؤ گی تب غالباً۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

س: آپی! دیکھا آپ نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں دیوار پھلانگ کر پھر بھی آگئی۔

ج: غالباً یہ چور چور کی آواز تمہارے لیے تھی۔

س: آپی میرا بھانجا ابوبکر ابھی سال کا نہیں ہوا لیکن اتنا شرارتی ہے کہ ہر وقت ناک میں دم کیے رکھتا ہے' لگتا ہے اسے آپ کا اثر ہوگیا ہے۔

ج: اچھا ہے ناں تم پہلے سے ٹرینڈ ہوجاؤ گی اور سسرال میں بچے سنبھالنے میں آسانی ہوجائے گی۔

س: آپی ہر کوئی گائے کے گن گائے بھلا کیوں؟

ج: چلو تمہارے گن گالیتے ہیں گائے نہ سہی تم ہی سہی۔

س: جی چاہتا ہے چھیڑ کر ہوں اس سے ہم کلام۔ کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں۔

ج: اس چھیڑ چھاڑ سے باز آجاؤ ورنہ کسی دن اماں سے بہت پٹو گی۔

س: آپی اب اچھی سی دعا کے ساتھ اجازت دیں۔

ج: خوش رہو اور گائے سوپ سے محلے بھر کے کپڑے دھو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: سنا ہے کہ رمضان میں شیطان کو بند کردیا جاتا ہے مگر؟

ج: لیکن تمہارے میاں تمہارے سامنے رہتے ہیں اور اسے کہتے ہیں نظر کا دھوکا۔

س: چاندرات کو میرے میاں جانی سامنے والوں کی کھڑکی کو کیوں تکے جارہے تھے؟

ج: کیونکہ سامنے والی دوشیزہ کو عیدی جو دینی ہوتی ہے عید کی نماز کے فوراً بعد۔

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین رمضان میں سموسے پکوڑے میرے ہاتھ کے ہی بنے ہوئے کیوں پسند کرتے ہیں۔ میں اکیلی جان افطاری کے لوازمات بناؤں یا سموسے پکوڑے بناؤں۔ وہ بازار سے کیوں نہیں لاتے؟

ج: بازار سے لائیں گے تو جیب پر بھاری پڑے گا اور تم سے بنوائیں گے تو تمہارا وزن کم ہوگا۔

مدیحہ نورین...... گجرات

س: گرمی آتے ہی مچھر ایسے آتے ہیں جیسے سیل لگی ہو بازار میں؟

ج: جب ہی تم ہر جگہ نظر آتی ہو۔

س: دلہا اگر شیروانی' تھری پیس کی بجائے دھوتی کرتا پہنے تو؟

ج: دلہن یقیناً اسے قصاب سمجھے گی۔

س: دلہن کی نندیں ہوتی ہیں دلہے کی نندیں کیوں نہیں ہوتیں۔
ج: دلہے کی آدھی گھر والیاں جو ہوتی ہیں۔
س: ڈیٹول سے جراثیم مرتے ہیں کیا جوئیں بھی مرتی ہیں؟
ج: پتا نہیں تم آزما کر ضرور بتانا۔
س: پریشر ککر میں بریانی کتنے منٹ میں پکتی ہے؟
ج: پانچ سے دس منٹ میں۔
س: دھوپ میں پسینہ کیوں نہیں سوکھتا؟
ج: ذرا ایک گھنٹہ کھڑی ہو کر تو دیکھو پھر بتانا سوکھا یا نہیں۔

گلشن چوہدری گل...... گجرات

س: شہلا آپی کیسی ہیں؟
ج: بہت خوب صورت اسٹائلش، اسمارٹ اب جل مت جانا۔
س: آپ تو بہت بزی رہتی ہیں؟
ج: ہاں اور تم فارغ کام کی ساتھ دماغ سے بھی۔
س: آپی آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں؟
ج: بتانے کا شکریہ۔ اب اس حساب سے خاطر داری کروں گی بتاؤ جوس لاؤں یا چائے۔
س: آپی ہماری زندگی میں سب کچھ مرضی کے خلاف کیوں ہوتا ہے؟
ج: کیونکہ مرضی صرف درزی کے پاس ہوتی ہے جب ہی تو عید کے سوٹ اپنی مرضی سے سی کر دیتا ہے۔
س: آپی آپ کو آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔
ج: تم تو لیٹ لطیف ہو۔ عید مبارک کہو۔
س: آپی کیا میں آپ کی بزم میں پھر آؤں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔
ج: میری طرف سے سو بار آؤ۔

آمنہ رحمان...... ریالی (مری)

س: پہلی بار حاضر ہوئی ہوں، کیا دیکھ رہی ہیں نظر لگانی ہے کیا؟
ج: دیکھ رہی ہوں یہ پرپیسٹری جیسا میک اپ خود کیا ہے یا نند سے کروایا ہے۔
س: آپی جانی 23 جولائی کو برتھ ڈے ہے۔ جی جی کیک کی ضرورت نہیں۔ بس وش کر دیں۔

ج: سالگرہ کے ساتھ عید بھی مبارک۔ خوش رہو۔
س: جن لوگوں سے زیادہ امیدیں ہوں وہی دھوکہ کیوں دیتے ہیں پلیز بی سیریس؟
ج: سنجیدہ لوگوں کا یہاں داخلہ ممنوع ہے۔
س: یہ جازبہ (مٹو) کو نکالیں باہر گرمی ہو رہی ہے۔ مجھے کچھ نہ کہنا تتلی بھی ہوں اور سنگل بھی ہاہاہا؟ دعا دیں جاتے جاتے......!
ج: اگر تم تتلی ہو تو ہاتھی تو پھر تمہارے آگے ڈھانچا ہوگا۔ خوش رہو۔

وفا عباسی...... مری

س: میں نے پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کی ہے کیا آپ مجھے ویلکم کریں گی؟
ج: خوش آمدید۔ عید مبارک لو میٹھا کھاؤ۔
س: اوہ او! پانی پیتے پکڑی گئیں آپ...... میرا نہیں تو رمضان کا خیال ہی کر لیتیں؟
ج: عید والے دن تم رمضان کو ساتھ لائی ہو۔ شرم نہیں آئی۔
س: یہ سن گلاسز اور بوائے کٹ یہ ادائیں دکھا کے کس کی زندگی جہنم بنانے جا رہی ہیں؟
ج: شرم کرو اپنی بڑی نند سے ایسے بات کرتے ہیں لوگ کیا کہیں گے کم سے کم میری محفل کا ہی خیال کر لو۔
س: سنا ہے کراچی میں برف باری ہو رہی ہے اپنا خیال رکھیے گا کسی تودے کے نیچے نا آ جایئے گا؟
ج: لگتا ہے کراچی کی گرمی نے تمہارے دماغ پر اچھا خاصہ اثر ڈالا ہے۔
س: امید ہے آپ کو میری شرکت اچھی لگی ہوگی۔ آئندہ روزہ رکھ کر پانی مت پینا آپ۔ جی ٹاٹا۔
ج: سچ بتانا عید والے دن روزہ تم رکھتی ہو؟

سمیرا سولنگی...... بھیر کنڈ

س: اپیا جانی! اپنچھی اور پردیسی کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟
ج: کیونکہ دونوں عید سے پہلے اڑ جاتے ہیں۔
س: اپیا جانی، کیا بزدل لوگ بھی عشق کے فارمولے کو حل کر لیتے ہیں؟
ج: نہیں وہ صرف دل لگی کرتے ہیں۔
س: اپیا جانی، وہ مجھے اتنے یاد آتے ہیں کہ من کرتا ہے......؟

ج: ان کے ملن پر، ہر دن ہو عید کا۔ شرم کرو لڑکی پڑھائی پر توجہ دو۔

س: اپیا جانی' آپ ہر وقت ساس کی مثالیں دیتی ہیں۔ دیکھ لیں مجھے آپ کی بددعا لگ گئی ہے (میری ساس امی نہیں ہیں) آئندہ سوچ سمجھ کر بولیے گا ورنہ ہم ٹیکس لگا دیں گے۔

ج: اس لیے اتنا چہک رہی ہو۔

رقیہ ناز...... میلسی

س: شمو آپی کیسی ہیں؟ چھوٹی بہن کی طرف سے ایڈوانس رمضان مبارک ہو۔

ج: ارے چھوٹی بہن عقل سے بھی چھوٹی ہو رمضان نہیں عید مبارک کہو۔

س: یاد آیا آپ کو بہن بنایا ہے کہیں بھول تو نہیں جائیں گی۔

ج: ایمان سے اگر بھولیں تو تمہارے کان کے نیچے دو لگا دوں گی کیونکہ بڑی بہن کا تو حق ہوتا ہے چھوٹوں پر رعب جمانا کا ناں۔

س: آپی جی اتنی گرمی میں یہ کوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟

ج: اس میں بہت سی جیبیں ہیں اور ان میں میری عیدی۔

شازیہ ہاشم میواتی...... کنگن خاص قصور

س: آخر میں آ ہی گئی آپ کی محفل میں آپی۔

ج: خوش آمدید۔ عید مبارک۔

س: کیا خیال ہے پہلے کچھ پیٹ پوجا ہو جائے۔

ج: بالکل کیک لوگی یا سوئیاں۔

س: آپی زندگی کے بارے میں آپ کا کوئی خوب صورت خیال؟

ج: زندگی بالکل مجھ جیسی ہے خوب صورت اسمارٹ' حسین اور اللہ کی تمام نعمتوں سے بھرپور برائے مہربانی حسد مت کرنا۔

س: کیا آپ اتنی ویلی ہوتی ہیں کہ ہمارے سوالوں کا جواب دیتی ہیں؟ ہاہاہا۔

ج: یہ تو آپ سب کی حوصلہ افزائی ہے جو مجھے یہ کام کرنے کو دیا گیا ہے ورنہ سوالات دیکھ کر دل کرتا ہے کہ وہ حشر کروں کہ یاد کرو۔

س: میں نے سوچا ایک دفعہ پوچھ ہی لوں پتا ہے کیا؟

ج: تمہاری شادی کب ہوگی جب تمہاری نند چاہے گی۔

س: دل کی تختی پر دیکھ کر بتائے کس کا نام لکھا ہے؟

ج: پروین آنٹی کا۔ پلیز پورا نام لکھ کر شروع کا نام مت مٹا دینا۔

س: محبتوں میں اخلاص ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ جیسے میں آپ کو اخلاص کے ساتھ لکھ رہی ہوں اگر آپ نے جواب دیا تو میں سمجھ جاؤں گی کہ؟

ج: آئی تو تم اخلاق کے ساتھ ہو سچ بتانا اخلاق کون ہے۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

س: سنا ہے کہ آنچل چالیس سال کا ہو گیا ہے تو پھر اس کا قد اور وزن کیوں نہیں بڑھا؟

ج: اب میں یہ تو کہہ نہیں سکتی کہ اس کا سارا اناج تم کھا جاتی ہو ورنہ پھر تم غائب ہو جاؤ گی۔ اس لیے چھوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں۔

س: یہ بتایئے کہ فرائی ڈے میں ڈے کتنی بار فرائی ہوتا ہے؟

ج: جتنی بار تمہارا دل چاہے فرائی کرو مگر خیال سے جلا مت دینا۔

س: آپ کی کیا مجھ سے کوئی دشمنی ہے جو اپنی محفل میں گھسنے نہیں دیتی؟

ج: اس کو کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ آتی خود نہیں اور ناراضگی ہم سے۔

س: اس عید پر میں آپ کے گھر آؤں گی اور بڑا سا گفٹ بھی لاؤں گی اب تو آنے دو گی نا اپنے گھر؟

ج: بالکل آؤ لیکن خالی ہاتھ مت آنا۔ پچھلی بار تم اپنے مالک صاحب کا ہاتھ تھام کر آئی تھیں اور کہا تھا کہ دیکھو خالی ہاتھ نہیں آئی۔ اب ایسا مت کرنا۔

س: میرے بال بہت لمبے ہیں اس عید پر کون سا ہیئر اسٹائل بناؤں تاکہ میرے ملک صاحب خوش ہو کر ڈبل عیدی دیں۔

ج: ہیئر اسٹائل مت بناؤ' بس سر سے جوئیں نکال دو۔ ہر بار وہ جوؤں کے منہ میں آنے کی شکایت کرتے ہیں۔

آپ کی صحت

طارق محمود اعوان' ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 44 سال ہے' میری شادی کو 18 سال ہوگئے ہیں' 5 بچے ہیں' 5 سال سے ازدواجی زندگی نہ ہونے کے برابر ہے' بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں' میرے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں' جس کے کوئی سائیڈ افیکٹ نہ ہوں۔

محترم آپ Staphisagaria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بنایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگوا سکتے ہیں جس کی قیمت 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افاقہ ہوگا۔

مسز فیضان علی' جیکب آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے شوہر ایک کمپنی میں بطور سیل منیجر کام کرتے ہیں' انہیں بہت زیادہ سفر کرنا پڑتا ہے' جس کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار رہتے ہیں اور اکثر کندھوں اور پنڈلیوں میں کھچاؤ اور درد کی شکایت محسوس کرتے ہیں دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے جس کی عمر 8 سال ہے' اسے رات کو پیشاب کرواکر بھی سلاؤ پھر بھی رات کو بستر گیلا کردیتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ کوئی دوا تجویز فرمادیں۔

محترم آپ اپنے شوہر کو Rhus Tox 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں اور درد کے لیے Apherodite Pain Killer (تیل) ہمارے کلینک کے پتے پر 700 روپے کا منی آرڈر کرکے منگوا سکتی ہیں' ان شاء اللہ درد میں بہت افاقہ ہوگا اور بیٹی کو Causticum 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

مہوش مغل' آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ اُن کی عمر 23 سال ہے اور انہیں بہت چھوٹی عمر سے لیکوریا کا مسئلہ درپیش ہے بہت علاج کروایا' مگر آرام نہیں آتا' دوسرا مسئلہ ان کو خارش کا ہے' تیسرا مسئلہ وہ بہت کمزور ہیں' وزن بھی بہت کم ہے' کوئی ایسی دوائی بتائیں کہ میرے وزن میں اضافہ ہوجائے۔

محترمہ آپ Kreasotum 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ Alfalfa Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے سے پہلے دن میں تین بار پئیں' ان شاء اللہ وزن میں اضافہ ہوجائے گا۔

عائشہ احمد' گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر میں درد رہتا ہے' جو دن میں زیادہ ہوتا ہے شام ہوتے ہی آہستہ آہستہ کم ہوکر ختم ہوجاتا ہے' سر درد کے ساتھ پسینہ بھی آتا ہے' جتنا زیادہ سر درد ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ پسینہ آتا ہے' کبھی کوئی چیز غور سے دیکھنے یا آنکھوں پر زور دینے سے بھی سر درد میں اضافہ ہوجاتا ہے' دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے جو یونیورسٹی میں پڑھتی ہے وہ غیر حاضر دماغ ہیں' اُسے بہت زیادہ بھولنے کی بیماری ہے' بازار سے چیزیں خریدتی ہے لیکن ان کے بغیر ہی چلی آتی ہے' جب کچھ بولے تو تھوڑی دیر کے لیے رک جائے سامنے دکھائی دینے والی چیزوں کے نام بھی چیز بھی بھول جائے یا فوری ذہن میں نہ آئے' لکھتے وقت بھی الفاظ بھول جائیں' پڑھتے یا مطالعہ کرتے وقت بھی یکسوئی اور توجہ قائم نہیں رہتی۔ اس کے لیے کوئی دوائی تجویز کردیں۔

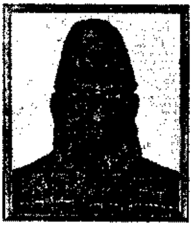
محترمہ آپ Natrum Mur 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں اور اپنی بہن کو Lac Caninum 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

شمائلہ' اٹک سے لکھتی ہیں کہ میرا چھوٹا بھائی جس کی عمر 32 سال ہے' جو ذہنی طور پر ہر وقت اداس رہتا ہے' بہت شرمیلا ہے' دوستوں سے بھی کم ہی ملتا ہے لیکن اکیلا رہنے سے ڈرتا ہے۔ کاروبار یا پڑھائی پر توجہ نہیں دیتا' کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ حافظہ کمزور ہے' کسی قسم کی ذہنی محنت برداشت نہیں کرسکتا' بستر پر لیٹنے اور کروٹ لینے سے چکر آتے ہیں۔ سر کو حرکت دینے یا آنکھیں گھمانے سے بھی چکر آتے ہیں' بائیں جانب تکلیف زیادہ محسوس کرتا ہے۔ بڑی مہربانی ہوگی اس کے لیے کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ اپنے بھائی کو Conium 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

نائلہ اکبر' لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے چکنائی والے کھانے اور گرم کھانا و گرم مشروبات کے بعد

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ''ماہنامہ آنچل'' کے معروف سلسلے ''آپ کی صحت'' کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

قدرتی بال، سر کی رونق بحال



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 500/=

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 900/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 800/=

ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 600/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 500/=

ایفروڈائٹ پین کلر



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر [illegible]/=

زیر نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیٹس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم، 0320-1299119 پر SMS کردیں

ڈکاریں آتی ہیں' کھائی ہوئی غذاء کا ذائقہ کافی دیر تک محسوس ہوتا ہے۔ ٹھنڈی چیزیں اور پھل کھانے سے فائدہ ہوتا ہے' مکھن نہیں کھا سکتی۔ کھانا کھانے کے بعد ابھارہ محسوس ہونے لگتا ہے تقریباً ایک گھنٹے بعد درد ہوتا ہے اگر قے ہوجائے تو یہ بہت دیر پہلے کھائی ہوئی غذا نکلتی ہے۔ کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ Pulsatilla 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

علیزہ خان' پشاور سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی پھوپو کی مکمل کیفیت لکھ کر بھیج رہی ہوں ان کی کیفیت آنچل میں شائع نہیں کیجیے گا ان کے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں اور ایک ماہ کی دوا منگوانے کا طریقہ بھی بتادیں؟ کیونکہ ہمارے علاقے میں ہومیو پیتھک میڈیسن نہیں ملتی۔

محترمہ آپ اپنی پھوپو کا Pelvis کا الٹرا ساؤنڈ کرواکر رپورٹ ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کردیں یا 0349-4900800 پر واٹس اپ کردیں' رپورٹ دیکھ کر دوائی تجویز کی جائے گی اور ایک ماہ کی دوا 1000 روپے کی ہوتی ہے' مبلغ 1000 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کردیں' ایک ماہ کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

نادیہ خان' بہاولنگر سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 5 سال کا ہے' اسے شدید قبض کی شکایت ہے' کھانا نہیں کھاتا' مگر مٹی' چائے کی پتی کھاتا ہے' پیٹ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

محترمہ آپ اپنے بچے کا خاص خیال رکھیں کہ وہ ان اشیاء کا استعمال نہ کرے اور اسے Alumina 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں' ان شاء اللہ قبض ختم ہوجائے گا۔

فرحانہ بیگم' اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 17 سال کا ہے مگر اس کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا' یاد کرکے بھول جاتا ہے' وہم کا شکار رہتا ہے' بدگمان اور بگڑا ہوا ہے' کسی پر اعتماد نہیں کرتا' برائے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنے بیٹے کو Aracardium 30 کے 5 قطرے دن میں 3 بار پلائیں اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں' ان شاء اللہ وہ جلدی بہتری کی طرف آجائے گا۔

سونیا خان' اٹک سے لکھتی ہیں کہ میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ لوگوں کے مسائل حل کرتی ہیں اور ان کی تکلیف دور کرتی ہیں' برائے مہربانی میری والدہ کی تکلیف کا حل بتائیں' انہیں سیدھے ہاتھ کے بازو میں بہت درد رہتا ہے ہاتھ اوپر نہیں اٹھا سکتیں' بہت علاج کروایا مگر افاقہ نہیں ہوا' اب ہماری آخری امید آپ ہی ہیں۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو Sanguinoria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں پلائیں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کردیں۔ Aphrooutc pain killer oil آپ کے گھر بھیج دیا جائے گا' اس کے استعمال سے آپ کی والدہ جلد بہتر ہوجائیں گی اور آپ کی ہم سے وابستہ امیدیں پوری ہوں گی ان شاء اللہ۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس' فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی۔ 75850
فون نمبر: 021-36997059
صبح 10 تا 1 بجے' شام 6 تا 9 بجے۔
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھنے کا پتا:
آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

آخر سن یاس ہے کیا؟

مغربی معاشرے میں لوگوں کی اوسط عمر ایشیائی ملکوں کے مقابلے میں بلاشبہ زیادہ ہے اور یہ فرق خاصا ہے' جیسے ابھی ملکہ برطانیہ نے اپنی اسی ویں سالگرہ منائی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ دنیا کے ہر خطے کے انسانوں کی کم وبیش خوراک حاصل کرنے کی ضرورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ پھر عمروں میں اتنا فرق کیوں۔ ایک بڑے طبقے کا خیال ہے کہ وہ لوگ اپنی صحت کے معاملے میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ ہر چیز اور ہر خواہش سے زیادہ خواہش ان کی یہ ہی ہوتی ہے کہ جو وہ کھا رہے ہیں یا جو عمل وہ کر رہے ہیں۔ انسانی صحت پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی طویل العمری اور صحت کا راز جہاں اچھی اور معیاری خوراک حتی الامکان آلودگی سے پاک ماحول ہے' وہیں سب سے اہم چیز ہے صحت کے بارے میں شعور۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک اور بالخصوص خواتین میں صحت کے حوالے سے آگہی انتہائی کم بلکہ ملک کی اکثریتی خواتین میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ہماری اکثر خواتین کے لیے سن یاس کا لفظ ہی شاید نیا ہوگا' حالانکہ یہ وہ دور ہے جس سے ہر عورت کو گزرنا ہوتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر خواتین سن یاس کے بارے میں علم رکھتی ہوں تو اس دور میں ہونے والی پیچیدگیوں اور منفی تبدیلیوں سے بہت خوبی کے ساتھ نپٹ سکتی ہیں۔ شعور اور آگہی انسان کو کئی بڑے نقصانات سے بچاسکتی ہے۔

سن یاس کیا ہے؟

سن یاس اس کیفیت کا نام ہے جب عورتوں کو حیض آنا بند ہوجاتا ہے۔ یہ کیفیت دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ سن عرصے کی نشاندہی کرتا ہے' جبکہ یاس کا مطلب ہے حسرت یا مایوسی وغیرہ۔ یعنی یہ وہ دور ہے جب عورت نسل انسانی کی بڑھوتری میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ آب یاری اور نشوونما کی کیاری ہمیشہ کے لیے بنجر ہوجاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی جسم میں سن یاس قدرت کے ایک اہم نظام کا حصہ ہے اور جس طرح انسانی جسم میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی ہیں' یہ بھی ایک نوعیت کی تبدیلی ہوتی ہے۔ لازمی سی بات ہے جب بدن کمزور ہوجاتا ہے تو اس میں نسل انسانی کو جاری وساری رکھنے کی صلاحیت بھی کمزور سے کمزور پڑنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتی ہے۔ ہمارے قدرتی نظام کے تحت جو ہارمون جسم میں موجود ہوتے ہیں ان کی ضرورت نہیں رہتی اور جسم ایسٹرون اور پروجسٹرون ہارمون بنانا کم سے کم کردیتا ہے۔

سن یاس کب شروع ہوتا ہے؟

سن یاس اوسطاً عمر کے پینتالیس سے پچپن سال کے درمیانی وقفے میں ہوتا ہے' لیکن شاذ ونادر چالیس سال اور بعض خواتین میں پینسٹھ سال میں بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ لہٰذا مغربی ملکوں میں اکثر خواتین چالیس سال کے بعد ڈاکٹروں سے اس معاملے میں مشورہ کرتی ہیں۔ سن یاس کے بارے میں علامت اور اس میں ہونے والی پیچیدگیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں اکثر خواتین اس دورانیے میں اپنی بدلتی کیفیات کو بھی ٹھیک طرح سے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ سن یاس کے دوران اس بات کی بہت اہمیت ہوتی ہے کہ گھر والے متعلقہ خاتون کا خیال رکھیں۔ اس سے کوئی ایسا کام نہ لیں اور نہ کوئی ایسا کام دیں جس سے اس کی جسمانی اور ذہنی صحت پر ناگوار اثرات مرتب ہونے کا خدشہ ہے۔

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جس طرح حیض کے شروع میں ایک لڑکی کے جسم اور مزاج میں کچھ تبدیلیاں ظاہر ہوتی ہیں بالکل اسی طرح حیض کے خاتمے کے دوران بھی ہر خاتون کی عادت' مزاج جسم کی ساخت اور موسمی اور معاشرتی تبدیلیوں کے انسانی جسم پر ردعمل کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جیسے جیسے حیض کے اختتام کے دن قریب آتے جاتے ہیں' جسم کے افعال

میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ عام طور پر اس عرصے میں سر درد، چکر، جسم میں گرمی کے جھٹکے سے محسوس ہوتے ہیں۔ اعصابی کمزوری، پیٹھ اور کمر سے درد ہوتا ہوا ران تک جاتا محسوس ہوتا ہے۔ بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، پیٹ کے نچلے حصے میں درد اور کیڑے رینگنے کا احساس ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں گرم رہتے ہیں، جائے مخصوصہ پر خارش، پیشاب کا بار بار آنا یا پھر پیشاب پر قابو نہ رکھنا، خون کے دباؤ کا بڑھ جانا، جسم میں موسم کی مناسبت سے سردی کا احساس نہ رہنا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک پسینے میں شرابور ہونا سن یاس کی واضح علامتوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حیض کا اچانک بند ہوجانا

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ حیض بعض اوقات ایک دم بند ہوجاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر حیض کی بندش مختلف وقفوں سے ہوتی ہے۔ کبھی ایک ماہ حیض آنا بند ہوگیا، پھر چند ماہ زیادہ آ گیا۔ کبھی معمولی سا اخراج ہوا اور کبھی بے رنگ۔ حیض کی بندش سے پہلے اس کی کئی شکلوں سے عورت کو سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ حیض کی بندش کے بعد بھی سب عورتوں میں تبدیلیاں ایک سی نہیں آتیں۔ بعض خواتین بہت دبلی ہوجاتی ہیں، جب کہ بعض دبلی پتلی ہوجاتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کو محسوس کرنے کا مختلف خواتین میں مختلف انداز ہے۔ کچھ سمجھتی ہیں کہ اچھا ہوا کہ اب ماہواری کے جھنجھٹ سے جان چھوٹ گئی، حمل ٹھہرنے کے خوف سے بھی نجات مل گئی اور اس کے بعد کی ممکنہ تکالیف سے بھی وہ آزاد ہوگئیں، لیکن خواتین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس تبدیلی کو کافی دیر سے قبول کرتی ہیں اور جذباتی طور پر کافی منتشر رہتی ہیں۔ عام طور پر جب حیض آنا بند ہوجاتا ہے، خواتین دادی یا نانی بن چکی ہوتی ہیں اور گھر میں دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہوتی ہیں۔ ان کا زیادہ وقت گھر میں گزرتا ہے۔ اپنے اس کردار میں وہ معاشرتی اونچ نیچ سے بہتر طور پر آگاہ ہوتی ہیں اور اپنی اولادوں کو بھی اس سے آگاہ کرتی رہتی ہیں۔

خواتین کیا کریں؟

سن یاس کے مکمل ہو۔

اس عرصے کے شروع ہوتے ہی خوا

توجہ دینی ہوگی۔ اسے ایسی غذا لینی ہوگی جو ہر صحت کے لیے مفید ہو اور جسم کی تمام ضرورتیں پوری کرتی ہو۔ کیوں کہ خواتین کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس عمر میں ہڈیوں میں گودا بننا کم ہوجاتا ہے اور ہڈیاں کمزور سے کمزور تر ہونے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر دیگر صحت بخش غذا کے ساتھ ایک کپ دودھ روزانہ پینے کا ضرور مشورہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ سن یاس میں ہڈیوں کے بہت جلد ٹوٹ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ اندر سے بہت بھربھری سی ہوجاتی ہیں۔ اس عرصے میں زیادہ دودھ بھی ہضم نہیں ہوتا، تاہم بہتر ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر سے مدد لے لی جائے اور اس کے لیے وہ آپ کو ایک ڈائٹ پلان دے گا جو آپ کے جسم کو مطلوبہ حرارے اور دیگر ضروری اجزا فراہم کرے گی۔ ڈاکٹر وٹامن ڈی کے استعمال کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔ بعض ڈاکٹر ملٹی وٹامن لکھتے ہیں، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ خوراک سے حاصل کیے گئے وٹامن گولیوں یا کیپسول کی صورت میں لینے والے وٹامنز سے بہتر ہوتے ہیں۔ خواتین کو روزمرہ کی خوراک میں بھی میگنیزم اور وٹامن ڈی کی مقدار کم ہوتی ہے کہ بہت سے فلیٹوں میں اور مکانوں میں تو دھوپ کا گزر بھی نہیں ہوتا۔ میگنیزم کی کم مقدار ہضم نہیں ہونے دیتی اور وٹامن ڈی کی کمی مقدار دودھ کو ہضم نہیں ہونے دیتی لہٰذا بہت ضروری ہے کہ اگر وقت ملے تو کچھ وقت سورج کے سامنے کھڑا رہا جائے، اس سے بھی بڑی مقدار میں وٹامن ڈی مل سکتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسے میں جسم کے لیے میگنیزم کی ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ بدن میں یہ ہارمون کے کم پیدا ہونے کی وجہ سے ہونے والے افعال میں غیر مطابقت توازن کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔